یوں نہ چاہا تھا

نگہت عبداللہ

یوں نہ چاہا تھا

''ثوبیہ! سو رہی ہو کیا؟'' آپی نے اس کے کمرے میں جھانک کر پوچھا تو وہ چہرے سے میگزین ہٹا کر مسکرائی اور اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''آیئے آپی! میں سو نہیں رہی۔'' آپی اندر آ گئیں اور کھڑکی سے ذرا سا پردہ ہٹا کر کھڑکی بھی کھول دی پھر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''سب بند کر لیتی ہو، دم نہیں گھٹتا تمہارا؟''

''بچے، کہاں ہیں؟'' اس نے ان سنی کرتے ہوئے پوچھا۔ تو آپی جیسے مشکل سے جان چھڑا کر آئی ہوں، گہری سانس کھینچتے ہوئے کہنے لگیں۔

''ابھی امی کے پاس سُلا کر آئی ہوں۔ بہت شور کر رہے تھے۔ اور بھابھی کا تو تمہیں پتا ہے اپنے بچوں کا شور انہیں سنائی نہیں دیتا، میرے بچے ذرا سا بول لیں تو اسی لیے تو میں کم آتی ہوں، آج بھی امی نے بلایا تو چلی آئی۔''

''کچھ کہا بھابھی نے آپ سے؟''

''مجھے تو نہیں، بچوں کو خواہ مخواہ ڈانٹ رہی تھیں۔''

''جانے دیں، ان کا اپنا مزاج ہے اس روز ان کے اپنے بھائی، بھاوج آئے تو ان کے بچوں کو بھی ڈانٹ رہی تھیں، میں نے جب ٹوکا کہ آپ کی بھاوج کیا سوچیں گی تو کہنے لگیں جو مرضی آئے سوچے، مجھے نہیں اچھے لگتے ایسے بدتمیز بچے!''

اس نے ہنستے ہوئے بتایا تو آپی منہ بنا کر بولیں۔

''ہاں! ان کے بچے تو جیسے بڑے تمیز دار ہیں۔''

''ہیں تو، آخر میرے بھتیجے ہیں۔'' وہ اِترائی پھر ایک طرف کھسک کر ان کے لیے جگہ بناتے ہوئے بولی۔

''چلیں کچھ دیر سو جائیں، آج تو یہیں رہیں گی نا!''

''نہیں بھئی، شام میں ریحان آئیں گے تو ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہنے لگیں۔''یوں بھی آج میرا یہاں آنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ امی نے بلایا تو چلی آئی۔''

''کسی کام سے بلایا ہے امی نے؟'' اس نے یونہی پوچھ لیا تو آپی اُسے دیکھ کر معنی خیزی سے مسکرائیں پھر اُس کی ٹھوڑی چھو کر بولیں۔

''کام کیا، بس تم سے ایک بات کہنی ہے۔'' وہ اُن کی معنی خیز مسکراہٹ سے کچھ کچھ سمجھ گئی اس لیے نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے بولی۔

''کیا بات؟''

''وہ ایسا ہے ثوبیہ اعوان کہ توصیف احمد تم سے ملنا چاہتے ہیں۔''

آپی نے ٹھہر ٹھہر کر کچھ ڈرامائی انداز میں کہا تو اس کا دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا، ہونٹ ہلکی سی شرمگیں مسکراہٹ کی گرفت میں آ گئے، کچھ رُک کر پوچھنے لگی۔

''کیوں، کیوں ملنا چاہتے ہیں وہ مجھ سے؟'' اور آپی نے بڑے آرام سے کہہ دیا۔

''بھئی، ان کا کہنا ہے کہ شادی سے پہلے وہ اپنی منکوحہ کو نہ صرف دیکھنا بلکہ اس سے مل کر باتیں بھی کرنا چاہتے ہیں کہ آیا وہ ان کی ہم مزاج ہے بھی کہ نہیں۔''

اس کی مسکراہٹ یکلخت غائب ہو گئی، حیران ہو کر آپی کو دیکھنے لگی، جیسے ہی وہ خاموش ہوئیں کہنے لگیں۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ نکاح سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔''

''چار سال پہلے کی بات ہے۔ اُس وقت غالباً تم انٹر میں پڑھتی تھیں۔''

''تو پھر۔ ان چار سالوں میں میرے سینگ تو نہیں نکل آئے۔'' وہ کچھ تاسف میں گھر کر بولی تو آپی ٹوکتے ہوئے کہنے لگیں۔

''افوہ! اس میں حرج ہی کیا ہے۔ مل لو اُن سے اور میرا خیال ہے لڑکیاں تو منگیتروں سے ملنے کے مواقع ڈھونڈتی ہیں۔ تمہیں کیا اعتراض ہے؟''

''اعتراض ملنے پر نہیں آپی، اُن کے خیالات پر ہے۔ یعنی چار سال نکاح میں پابند رکھنے کے بعد اب جبکہ رخصتی کا مرحلہ آ رہا ہے تو پہلے وہ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آیا میں ان کی ہم مزاج ہوں کہ نہیں۔''

وہ اس بات کو بہت بری طرح محسوس کرتے ہوئے بولی تو آپی کچھ گھبرا کر کہنے لگیں۔

''ارے نہیں، پاگل ہو تم۔ یہ سب تو کہنے کی باتیں ہوتی ہیں، اصل میں تو وہ تمہارا دیدار کرنا چاہتے ہوں گے۔''

''اگر ایسی بات ہے تو بلا لیجیے انہیں، میں کھڑکی میں سے اپنا دیدار کرا دوں گی۔''

اس نے بڑے آرام سے بات ختم کر دی اور آپی کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہیں پھر پوچھنے لگیں۔

''کیا تمہارے اندر ان سے ملنے کی خواہش نہیں ہے۔''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکا کر جانے کیا سوچنے لگی، اور آپی کی سمجھ میں نہیں آیا اُسے کیسے سمجھائیں، اس سے پوچھنے لگیں۔

''پھر ہم کیا کہیں توصیف سے؟''

''پہلے ان سے پوچھیں کہ ان کا مقصد کیا ہے۔ صرف مجھے دیکھنا، ملنا یا مجھے پرکھنا چاہتے ہیں۔''

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو بھلا یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے۔''

''تو پھر کہہ دیجیے ان سے کہ مجھے نہیں ملنا۔''

وہ صاف جواب دے کر لیٹ گئی تو آپی اُٹھ کھڑی ہوئیں، پھر جاتے جاتے پوچھنے لگیں۔

''اگر وہ اصرار کریں تب؟''

''تب بھی نہیں۔''

اس نے کہہ کر آنکھیں بند کر لیں، اور آپی جانتی تھیں کہ وہ بھی اپنے نام کی ایک ہے جس بات پر ضد میں آ جائے تو پھر خواہ دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے، وہ اپنی بات سے نہیں ہٹتی تھی۔ اس لیے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے اس کے کمرے سے نکل گئیں۔

اس نے دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر آنکھیں کھول دیں جانے کیوں اُسے بے چینی محسوس ہونے لگی۔ پتا نہیں آپی کچھ غلط کہہ گئیں یا اُسے سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ ہوسکتا ہے توصیف نے صرف ملنے کی خواہش کا اظہار کیا ہو، لیکن اس کے لیے تو وہ اسے فون کر سکتا تھا کہ جہاں دل کا معاملہ ہو وہاں اگر کسی تیسرے کو درمیان لایا جاتا ہے تو اس طرح کہ زمانے کو خبر نہ ہو یعنی کچھ رازداری برتی جاتی ہے۔ لیکن اُس۔ اس کے برعکس طریقہ اختیار کیا تھا۔ جس سے ظاہر تھا کہ اس کا مقصد اسے پرکھنا ہے اور یہ بات اسے بہت بری طرح کھٹک رہی تھی، کتنی دیر تک وہ کڑھتی رہی پھر اس طرح سو گئی تھی۔

شام میں بیہ نے اسے اٹھایا۔ وہ چائے لیے اس کے سر پر کھڑی تھی......اُسے فوراً اٹھنا پڑا اور اس کے ہاتھ سے مگ لے کر گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔ دھیرے دھیرے ذہن بیدار ہوا تو بیہ کو سر پر کھڑے دیکھ کر ٹوک کر بولی۔

''کھڑی کیوں ہو، بیٹھ جاؤ یا اپنا کام کرو۔''

''مجھے کوئی کام نہیں ہے۔''

اس کی اکتاہٹ پر وہ سر اونچا کر کے اسے دیکھنے لگی، پھر مگ ایک طرف رکھ کر خود اُٹھ کھڑی ہوئی اور واش روم کا رخ کیا۔ منہ ہاتھ دُھو کر واپس آئی تو آپی بھی موجود تھیں۔ انہیں دیکھتے ہی اسے دوپہر کی بات یاد آئی اور کیونکہ آپی اسے کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھیں اس لیے وہ فوراً انجان سی بن گئی اور بال کھول کر برش کی تلاش میں نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''ریحان بھائی آ گئے کیا؟''

ہاں اور اب میں جا رہی ہوں۔''

''اس وقت، میرا مطلب ہے رات کا کھانا کھا کر جائیے گا۔''

''بہت دیر ہو جائے گی اور تمہیں پتا ہے میری ساس اکیلی ہوتی ہیں۔ تم دونوں آؤ ناں کسی دن؟'' انہوں نے باری باری دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا تو بیہ جھٹ حامی بھرتے ہوئے بولی۔

''ضرور آئیں گے، میرا آپ کی ساس سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے۔''

''وہ بھی تمہیں یاد کرتی ہیں۔''

''دیکھ لیں، دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔'' بیہ کے اترا کر کہنے پر آپی کے ساتھ وہ بھی بے ساختہ ہنسی۔ تبھی ریحان بھائی نے وہیں سے پکار کر چلنے کے لیے کہا تو آپی بھی یہیں سے ابھی آتی ہوں کہہ کر اس کے قریب چلی آئیں اور اس کے شانوں پر بکھرے بال سمیٹتے ہوئے دھیرے سے بولیں۔

''سنو، امی کہہ رہی ہیں توصیف سے مل لینے میں کوئی حرج نہیں۔''

اس نے بے حد خاموش نظروں سے انہیں دیکھا پھر بالوں میں برش کرنے لگی تو آپی اپنے طور پر سمجھ کر بولیں۔

''اس کا مطلب ہے تمہیں اعتراض نہیں ہے۔''

''نہیں میرا مطلب ہے، سوچ کر بتاؤں گی۔'' اس نے جلدی سے کہا پھر قصداً مسکرائی تو آپی قدرے مطمئن ہو کر چلی گئیں۔

☆

پھر ابھی وہ کشمکش و پیچ میں تھی کہ توصیف کی بہن سمیرا آ گئی اور جب آپی کی طرح اس نے بھی بڑے آرام سے وہی بات کہی کہ وہ اس سے مل کر دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا وہ اس کی ہم مزاج ہے کہ نہیں تو اس کے ذہن میں بیچ بیچ آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔ پتا نہیں دوسرے اس بات کو اہمیت کیوں نہیں دے رہے تھے جبکہ آپی کے بعد سمیرا کی زبانی اس کا مقصد جان کر اس نے سختی سے انکار کر دیا کہ وہ شادی سے پہلے اس سے نہیں ملے گی۔

اور اپنی جگہ وہ حق بجانب تھی کیونکہ چار سال پہلے جب وہ ٹین ایج تھی، اس وقت توصیف کی ماں بہنوں نے اسے کسی تقریب میں دیکھا اور پسند کیا تھا اس وقت توصیف ایم بی اے کے لیے باہر جانے والا تھا اور غالباً کسی خدشے کی بنا پر اس کی ماں بہنیں اسے پابند کر کے بھیجنا چاہتی تھیں۔ بہر حال وہ فوراً ہی اس کا پرپوزل لے کر آئی تھیں اور ظاہر ہے اچھے رشتے کو بلاوجہ ریجیکٹ نہیں کیا جاتا۔ امی، ابو کو توصیف ہر لحاظ سے پسند آیا۔ مستقبل بھی روشن تھا اور جب توصیف نے اسے دیکھنا چاہا تو گو کہ اس گھر میں ایسا کوئی رواج نہیں تھا بس لڑکی کی تصویر دکھا دی جاتی تھی لیکن اس کے معاملے میں نرمی برتی گئی۔

امی نے خود اسے چائے لانے کا کہا تھا اور اس کے بعد بھی وہ کتنی دیر تک توصیف کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس نے نہ صرف اسے پسند کیا بلکہ بہت خوش تھا اور اسی کے اصرار پر منگنی کی بجائے نکاح طے پایا تھا پھر اس کے امریکہ جانے سے ایک ہفتہ پہلے نکاح کی خاصی بڑی تقریب ہوئی تھی جس میں دونوں طرف کے تمام عزیز و اقارب شریک ہوئے تھے۔

اور یہ وہ بندھن تھا جس میں ایجاب و قبول کے مرحلے پر ہی بقیہ زندگی ایک دوسرے کے نام لکھ دی جاتی ہے۔ پھر وہ تو اُس وقت کچی عمر کچے ذہن کی سادہ سی لڑکی تھی جسے وہ جاتے جاتے نہ صرف اپنا پابند کر گیا بلکہ اس کی کوری آنکھوں میں اپنے نام کے ان گنت دیپ بھی جلا گیا تھا۔

''میں ہر روز سونے سے پہلے تمہارے نام ایک تحریر لکھوں گا۔ لیکن تمہیں بھیجوں گا نہیں۔''

جاتے سمے اُس نے کہا تو اُس نے بے اختیار پوچھا

''کیوں؟''

''بس خود کو باور کراؤں گا کہ میں اپنا دل اور دل میں بسنے والا وہ جذبہ تمہارے پاس چھوڑ آیا ہوں اور تم، تم کیا کرو گی؟''

''میں، میں آپ کو بہت یاد کروں گی۔'' وہ اس کے جانے سے اداس ہو رہی تھی اور وہ اس کی افسردگی کم کرنے کی خاطر مسکرا کر ہلکے پھلکے انداز میں بول رہا تھا، صرف یاد کرو گی؟''

"اور کیا کروں؟" اس نے سادگی سے پوچھا تو ایک لمحہ توقف سے وہ بولا تھا۔

"جتنی خوبصورت تمہاری آنکھیں ہیں اتنے حسین خواب سجانا پھولوں سے بچی حسین راہ گزر پر جب تم میری ہمراہی کا تصور کرو گی تو بیچ بیچ میں تمہیں اپنے بہت قریب محسوس ہوں گا اور وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلے گا۔"

اور پھر وہ چلا گیا تو ابتدائی کچھ عرصہ وہ بہت سست رہی تھی کسی کام کسی بات میں دل نہیں لگتا تھا۔ پھر دھیرے دھیرے زندگی معمول پر آ گئی تھی۔ تب بھی وقت پلک جھپکتے میں تو نہیں گزرا تھا۔ اس وقت وہ کچے ذہن کی سادہ سی لڑکی تھی اور اب انگلش میں ماسٹرز کر چکی تھی۔ خاصی جینئیس و میچور اور کیونکہ آئندہ زندگی ایک طرح سے طے تھی اس لیے اطمینان سے ہونے کے ساتھ فطری طور پر اُسے انتظار بھی تھا اس شخص کا جو ان چار برسوں میں اتنا دور ہونے کے باوجود اس کی پوری ہستی پر قابض ہو چکا تھا۔ گو کہ عہد و پیمان نہیں ہوئے تھے لیکن جس بندھن میں وہ باندھ گیا تھا وہ تو بے نام نہیں تھا۔ اتنے لوگوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کے مرحلے پر ہی محبت کا جو بیج دل کی نرم زمین پر گرا تھا اس کی آبیاری وقت نے کی تھی کہ تناور درخت بنا دیا تھا۔ جس کی جڑیں اُس کے اندر دُور تک پھیلی تھیں اور اس سے بھی وہ یہی توقع رکھتی تھی۔ پھر ایسے معاملات میں عموماً پہلے سے طے ہوتا ہے کہ باہر جانے والا جیسے ہی واپس لوٹے گا شادی ہو جائے گی۔"

یوں بھی چار سال کا عرصہ کافی ہوتا ہے دونوں طرف ہی شادی کی تیاری تقریباً مکمل تھی بس اُس کے آنے کا انتظار تھا اور ابھی پندرہ دن پہلے اچانک اُس کی آمد ہوئی تھی۔ یعنی بغیر اطلاع دیے آیا تھا اور پتا نہیں کیا سوچ کر آیا تھا کہ اسے فون تک نہیں کیا نہ اس سے ملنے کی کوشش کی، حالانکہ دو تین مرتبہ آ چکا تھا اس وقت وہ قصداً اپنے کمرے میں بیٹھی رہی شاید اندر کہیں خواہش تھی کہ جس طرح جاتے سے وہ چپکے سے اُس کے پاس چلا آیا تھا اب بھی آئے گا لیکن وہ نہیں آیا۔ اس کے برعکس اپنے گھر والوں کے ذریعے یہ کہلوایا کہ وہ اس سے ملنا چاہتا ہے اور یہیں آ کر اس کا ذہن الجھ رہا تھا۔

آپی اور پھر سمیرا کو بھی وہ صاف منع کر چکی تھی کہ اس سے نہیں ملے گی اور سمیرا اس کا جواب پہنچاتے ہوئے اس سے کہنے لگی۔

"بھائی! آخر آپ کیوں اتنا اصرار کر رہے ہیں۔ کوئی قریبی شادی کی تاریخ رکھیں پھر ملتے رہیے گا ساری زندگی۔"

"نہیں، ایسے شادی نہیں ہوگی، جب تک میں اُس سے مل نہ لوں۔" اس کے حتمی انداز

پر سمیرا جھنجلا گئی۔

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے پہلے اسے دیکھا نہ ہو، یقین کریں، وہ وہی ثوبیہ ہے جسے چار سال پہلے آپ نے دیکھا، پسند کیا اور پھر بہت خوشی سے اس سے نکاح کر کے گئے تھے۔"

"تو مجھے کب اس سے انکار ہے۔"

"پھر؟" سمیرا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ چاہتا کیا ہے۔

"پھر یہ کہ اُس وقت میں جلدی میں تھا بلکہ گھر میں سب کو ہی جلدی تھی۔ بس چاہتے تھے کہ جانے سے پہلے مجھے پابند کر دیں۔"

سمیرا کے جھنجلانے کا وہ کوئی نوٹس نہیں لے رہا تھا۔ اس کے برعکس جیسے بہت عام سی بات کر رہا ہو۔

"پھر بھی بھائی! آپ کے ساتھ کوئی زبردستی تو نہیں ہوئی تھی۔ آپ کی رضامندی کے بعد ہی بلکہ اماں ابا کا ارادہ تو منگنی کرنے کا تھا، آپ کے اصرار پر نکاح ہوا۔"

سمیرا نے جتایا تو اس بار وہ زچ ہو کر بولا۔

"آخر تم بار بار اس بات کو کیوں دہرا رہی ہو کہ نکاح میری پسند اور میری رضامندی سے ہوا۔ اس سے تمہارا مطلب کیا ہے، یعنی میں بغیر چوں چرا کے سر پر سہرا سجا کر چل پڑوں۔"

"ہونا تو یہی چاہیے۔" سمیرا کے اتنے آرام سے کہنے پر وہ جل کر بولا۔

"کیوں ہونا چاہیے۔ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ یہاں چار پل میں کیا سے کیا ہو جاتا ہے، کہاں چار سال، جہاں میرے خیالات میں تبدیلی آئی ہے وہاں وہ بھی بدلی ہوگی۔ پھر کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم پہلے ایک دوسرے کو سمجھ لیں۔"

اس کی بات سن کر سمیرا کتنی دیر خاموش بیٹھی رہ گئی، پھر پوچھنے لگی۔

"کتنا عرصہ لگے گا آپ کو اسے سمجھنے میں؟"

"میرے لیے بس ایک ملاقات کافی ہے البتہ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"ٹھیک ہے، میں آپ کی بات اس تک پہنچا دوں گی۔"

"صرف بات نہیں پہنچانی، اُس سے کہنا یہ بہت ضروری ہے اس کے بعد ہی ہماری شادی ہو سکے گی۔" پھر وہی حتمی انداز اٹل لہجہ، سمیرا اسے دیکھ کر رہ گئی۔

☆

یہ صورتحال کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ اُدھر اصرار اُدھر انکار۔ امی اور بھابھی اسے

سمجھا سمجھا کر تھک گئیں کہ وہ پڑھی لکھی سمجھدار لڑکی ہے، پھر کیوں اس سے ملنے سے ہچکچا رہی ہے اور ساری باتوں کا بس اُس کا ایک ہی جواب تھا۔ مجھے نہیں ملنا۔

اس روز امی نے پھر اسی سلسلے میں آپی کو بلا بھیجا اور اس وقت آپی اور بیہ با قاعدہ اُسے گھیرے بیٹھی تھیں۔

"دیکھو، امی بہت پریشان ہیں۔" آپی اپنے طور پر اسے احساس دلاتے ہوئے کہنے لگیں۔

"ادھر بیہ کے سسرال والے مسلسل شادی پر زور دے رہے ہیں، تم اپنا نہیں تو اس کا خیال کرو۔"

"تو کر دیں اس کی شادی، میں نے کب منع کیا ہے۔"

وہ اندر ہی اندر تلملا کر بولی کیونکہ سب اسے الزام دے رہے تھے۔

"تم سے پہلے کیسے اُس کی کر دیں۔ چھوٹی ہے وہ تم سے۔ البتہ دونوں کی ساتھ ہو سکتی ہے۔"

"یہ کسی کتاب میں نہیں لکھا۔"

"تو تم نہیں مانو گی۔"

"نہیں۔" اس نے پہلے ہٹ دھرمی دکھائی۔ پھر ایک دم نرم پڑ کر آپی کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہنے لگی۔

"میں کوئی ضد نہیں کر رہی آپی! اصول کی بات ہے، توصیف احمد کو اگر مجھے سمجھنا تھا تو نکاح سے پہلے سمجھتے۔ یا پھر جیسے باہر سے آئے تھے تو یونہی ملنے کے بہانے مجھ سے مل سکتے تھے۔ لیکن با قاعدہ سب پر جتا کر مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کرنے کا کیا مطلب ہے۔ جہاں تک میں سمجھتی ہوں، ان کے نزدیک نکاح کی کوئی اہمیت نہیں اور ایک طرح سے سب کو خبردار کر دیا ہے اُنہوں نے۔"

"کیا مطلب؟" آپی نے ٹھٹھک کر پوچھا تو وہ ایسے ہی دھیرج سے بولی۔

"یہی کہ اگر انہوں نے مجھے اپنے معیار کے مطابق نہیں پایا تو بات ختم ہو سکتی ہے۔"

'پاگل ہو تم، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" آپی نے فوراً ٹوک کر کہا۔ لیکن بیہ اُس کی بات سمجھتے ہوئے پُرسوچ انداز میں کہنے لگی۔

"ثوبی ٹھیک کہہ رہی ہے آپی! ہمیں اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔"

اس نے اپنی بات سمجھ لیے جانے پر ممنون نظروں سے بیہ کو دیکھا پھر آپی سے کہنے لگی۔

"آپ چاہیں تو باتوں باتوں میں توصیف احمد سے پوچھ سکتی ہیں کہ مجھے سمجھ کر وہ کیا کریں گے، بلکہ آپ تو ان سے مذاق بھی کر سکتی ہیں۔ یعنی مذاق میں کہہ دیجیے گا کہ اب سمجھ کر

کیا کریں گے۔ اب تو جو ہونا تھا ہو گیا اور دیکھیے گا وہ کہیں گے نہیں، ابھی بھی وقت ہے کیونکہ اُن کے نزدیک نکاح کی کوئی اہمیت نہیں۔"

"یا اللہ! تم تو مجھے پاگل کر دو گی۔" آپی نے سر تھام لیا تو بیہ اس کا ہاتھ دبا کر دھیرے سے بولی۔

"جانے دو آپی کو، میں بات کروں گی۔" اس نے اثبات میں سر ہلانے کے ساتھ اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ تبھی آپی اسے دیکھ کر کہنے لگیں۔

"چلو، میں مانتی ہوں کہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ لیکن تم صرف اسی رُخ پر کیوں سوچ رہی ہو۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ توصیف احمد کے ذہن میں جو تصور ہو، تم اُس کے عین مطابق یا اس سے بھی بڑھ کر ہو، اور جس طرح چار سال پہلے انہوں نے تمہیں دیکھ کر منگنی کے بجائے نکاح پر اصرار کیا تھا تو اب فوری رخصتی کی بات کریں گے۔"

اس نے بہت سکون سے آپی کی پوری بات سنی اور کچھ تاسف میں گھر کر بولی۔

"آپ لوگ صرف توصیف احمد کو اہمیت دے رہے ہیں، میری کسی کو پرواہ نہیں اس لیے کہ میں لڑکی ہوں، میرے احساسات و جذبات کوئی اہمیت نہیں رکھتے نہیں آپی میں اتنی ارزاں نہیں ہوں۔"

"یہ بات نہیں ہے چندا۔!" آپی کچھ سٹپٹا سی گئیں اور وہ زور دے کر کہنے لگی۔

"یہی بات ہے۔ لیکن آپ سُن لیں کہ پسند و ناپسند کے معاملے میں مجھے توصیف احمد جتنا اختیار حاصل ہے اور مجھے صرف ان کا نہیں خود اپنا خیال بھی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُن سے مل کر میرے سارے خواب کرچی کرچی ہو جائیں۔ اس کے بعد کیا آپ لوگ مجھے اس بات کی اجازت دیں گے کہ میں برملا ناپسندیدگی کا اظہار کر سکوں، نہیں نا تو پھر توصیف احمد کو یہ اختیار کیوں دیا جا رہا ہے؟"

آپی کچھ لاجواب سی ہو کر مدد طلب نظروں سے بیہ کو دیکھنے لگیں۔ لیکن اس نے کندھے اُچکا کر کچھ کہنے سے معذوری ظاہر کر دی۔" تب اُس نے باری باری دونوں کو دیکھا پھر سر جھکا کر کہنے لگی۔

"میں اب چار سال پہلے والی کچی عمر، کچے ذہن کی لڑکی نہیں ہوں، پھر بھی نکاح کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے وہ جو بھی ہیں جیسے بھی ہیں کی بنیاد پر انہیں قبول کروں گی اور انہیں بھی اسی بنیاد پر مجھے قبول کرنا ہے، دوسری صورت میں مجھے پہلے امی، ابو کی طرف سے یقین دلا

دیجیے کہ اگر توصیف احمد نے مجھے مایوس کیا تو میرا فیصلہ تسلیم کیا جائے گا۔''

آپی سناٹے میں آ گئی تھیں جبکہ بیبہ نے سراہنے کے انداز میں آنکھوں کو حرکت دی پھر ضبط کرتے کرتے بھی کچھ جوش سے بولی۔

''ویری گڈ۔ یہ ہوئی ناں بات!''

''بکومت۔'' آپی سناٹے سے نکل کر اس پر بگڑ گئیں۔ ''اور تم یہاں کس خوشی میں بیٹھی ہو، چلو جاؤ اپنا کام کرو۔''

''اسے کیوں ڈانٹتی ہیں آپی!'' اس نے آپی کو روکا۔ ساتھ ہی اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو قدرے توقف کے بعد آپی کہنے لگیں۔

''میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔ اب بتاؤ بھلا یہ مسئلہ کیسے حل ہوگا۔''

''جنہوں نے مسئلہ پیدا کیا ہے، انہی پر چھوڑ دیں۔ آپ خواہ مخواہ اپنے ذہن کو نہ اُلجھائیں۔''

وہ بڑے آرام سے مشورہ دے کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور آپی کے روکنے پر کہنے لگی۔

''بس آپی، اب اس سلسلے میں کوئی بات نہیں ہوگی، مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا۔''

''تم بھی کمال کرتی ہو اب بھلا۔'' وہ آپی کی بات سنے بغیر کمرے سے نکل گئی تو بیبہ جلدی سے سر جھکا کر ناخنوں سے کھیلنے لگی پھر بھی آپی اُسے لتاڑنے سے باز نہیں آئیں۔

''خبردار آئندہ تم نے ثوبیہ کو شہ دینے کی کوشش کی تو یوں بھی وہ کچھ ضدی واقع ہوئی ہے اور وہ کوئی اچھا نہیں کر رہی، ایک ذرا سی بات کو اَنا کا مسئلہ بنا بیٹھی ہے، ہم لڑکی والے ہیں اور لڑکی والوں کو ہمیشہ جھکنا پڑتا ہے۔ جائز ناجائز سب سنی اور ماننی پڑتی ہے۔''

بیبہ نے محض جان چھڑانے کی خاطر تائیدی انداز میں سر ہلایا ورنہ اندر ہی اندر خاصی جزبز ہو رہی تھی۔

☆

پھر پتا نہیں آپی نے کس طرح اور کس انداز میں اس کی بات امی تک پہنچائی کہ امی اس سے کچھ خفا نظر آنے لگی تھیں اور وہ ایسی تو نہیں تھی کہ اسے کسی کی خفگی کی پرواہ نہ ہو۔ بلکہ شدت سے محسوس کرنے کے ساتھ اسے دکھ بھی ہو رہا تھا لیکن وہ کیا کرتی خود کو مٹی کی بے جان مورتی تصور نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے اپنے احساسات تھے پھر گزشتہ چار برسوں میں اس نے اس شخص کے حوالے سے کیا کچھ نہیں سوچا تھا۔ پھولوں سے سجی رہ گزر پر اس کے ہاتھوں میں ہاتھ دیے وہ زندگی

کی آخری حدوں تک گئی تھی اور اسے نہیں یاد کہ درمیان میں کہیں کوئی رکاوٹ نظر آئی ہو۔ سیدھا شفاف راستہ تھا جس پر قدم قدم وہ اس کے لیے اپنی محبتوں کے دیپ جلاتی گئی تھی اور اب وہی اس کی آزمائش چاہتا تھا۔

یہ صحیح ہے، چار سال میں بہت کچھ بدل جاتا ہے۔ اس کے خیالات بدلے، وہ بدل گئی۔ لیکن محبت، محبت کیسے بدل سکتی ہے۔ اس کا تو اپنا ایک ہی رنگ ہوتا ہے نہ مٹنے والا اور توصیف احمد! کیا یہ کافی نہیں ہے کہ محبت کا جو حصار تم میرے گرد کھینچ گئے تھے، میں نے خود کو اس میں مقید رکھا اور کیا چاہیے تمہیں وہ پچھلے ایک گھنٹے سے ایک ہی زاویے سے بیٹھی سوچ رہی تھی کہ بیبہ ٹیلی فون سیٹ لیے دبے پاؤں کمرے میں آئی اور احتیاط سے دروازہ بند کر کے اس کے پاس آ کر بیٹھی تب اس نے چونک کر دیکھا بیبہ مسکرا کر دھیمی آواز میں بولی۔

''توصیف بھائی کو فون کروں گی۔ انہیں بھی تمہارے خیالات معلوم ہونے چاہئیں۔''

وہ کچھ نہیں بولی۔ خاموشی سے اُسے نمبر ڈائل کرتے ہوئے دیکھنے لگی، پھر ایسی ہی خاموش نظریں اس کے چہرے پر جما دیں۔

''ہیلو توصیف بھائی! السلام علیکم!'' بیبہ نے قدرے شوخی سے کہا، ساتھ ہی اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ لائن پر وہی ہیں۔

''خیریت جناب بالکل خیریت، بس نیند نہیں آ رہی تھی سوچا آپ کو تنگ کر لوں۔''

''اچھا۔'' وہ ذرا سا ہنسا اور ایک لمحہ توقف سے پوچھنے لگا۔ ''اور وہ کہاں ہیں؟''

''وہ کون؟ اچھا، وہ، وہ سو رہی ہے۔'' بیبہ نے اس کے اشارے پر جھوٹ بولا تو وہ قدرے حیرت سے پوچھنے لگا۔

''اتنی جلدی، ابھی تو صرف دس بجے ہیں۔''

''بس اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس لیے جلدی سو گئی۔ اٹھا دوں کیا؟''

''نہیں، وہ کون سا مجھ سے بات کرے گی، ویسے وہ مجھ سے ملنے سے گریزاں کیوں ہے؟'' اس نے ایک دم سنجیدہ ہو کر پوچھا اور اس کے لہجے کی سنجیدگی محسوس کرنے کے باوجود بیبہ نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''یہ تو اسی سے پوچھیے گا۔''

''کب، میرا مطلب ہے ملاقات ہو تو پوچھوں۔''

''شادی کے بعد پوچھ لیجیے گا۔'' بیبہ نے خود کو حد درجہ لاپرواہ ظاہر کیا تو دوسری طرف وہ

خاموش ہوگیا۔ کچھ دیر بعد اُسے ہی ٹوکنا پڑا۔

"ہیلو، توصیف بھائی! سو گئے کیا؟"

"سنو!" وہ اس کی بات نظر انداز کر کے کہنے لگا۔ "ثوبیہ سے کہو، میں اُس سے ہر صورت ملنا چاہتا ہوں۔"

"سوری توصیف بھائی! یہ ممکن نہیں ہے۔" معاوہ بھی سنجیدہ ہوگئی۔

"کیوں کیا اُسے یہ خدشہ ہے کہ کہیں میں اُسے ریجیکٹ نہ کردوں؟" اس کی بات پر چ چ بیہ کا دماغ گھوم گیا۔ بمشکل خود پر قابو پانے کے بعد کہنے لگی۔

"نہیں بلکہ اُسے آپ کے ریجیکٹ ہونے کا خدشہ ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں نے تو آپ کی بات کا مطلب نہیں پوچھا۔ اور جب میں سمجھ گئی ہوں تو آپ کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔ اوکے خدا حافظ۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے سلسلہ منقطع کردیا اور خاموش نظروں سے اُسے دیکھنے لگی تو گو کہ اُس نے دوسری طرف کی بات نہیں سنی تھی لیکن بیہ کی باتوں سے ہی سب سمجھ کر کہنے لگی۔

"ٹھیک کہا تم نے۔"

"لیکن ثوبی! یہ سب اچھا نہیں ہورہا، اس طرح تو معاملہ خراب ہوجائے گا۔" بیہ کو حالات کی سنگینی کا پہلی بار احساس ہورہا تھا۔

"تو میری جان! اس کے ذمہ دار ہم تو نہیں ہیں۔ توصیف احمد اگر مجھ سے دامن چھڑانا چاہتے ہیں تو ایسے ہی منع کردیں۔ یہ خواہ مخواہ ملنے کا ڈھونگ کیوں رچانا چاہتے ہیں تاکہ بعد میں علی الاعلان کہتے پھریں کہ وہ نہ میرے معیار کی تھی نہ میری ہم مزاج۔"

اُس نے بظاہر بڑے آرام سے کہہ دیا ورنہ جتنے دُکھ سے اُسے گزرنا پڑ رہا تھا، یہ وہی جانتی تھی۔

☆

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ توصیف احمد نے جانے کیوں خاموشی اختیار کرلی۔ یعنی اس روز کے بعد سے پھر ان کی طرف سے کوئی یہ پیغام لے کر نہیں آیا کہ وہ اس سے ملنا چاہتا ہے، اور وہ اس کی خاموشی سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرسکی کیونکہ متضاد سوچیں تھیں، اس کے باوجود لاشعوری طور پر وہ منتظر ضرور تھی۔ آر یا پار کچھ تو ہو، آخر وہ کب تک بیچ بھنور میں کھڑی رہے گی۔

ادھر بیہ کے سسرال والے شادی کی تاریخ مانگ رہے تھے اور اب تو امی کے پاس کوئی عذر نہیں تھا کیونکہ توصیف کو آئے ہوئے دو تین مہینے ہوگئے تھے اور امی نے بیہ کے سسرال والوں سے یہی کہا تھا کہ توصیف کے آنے پر دونوں بیٹیوں کی ساتھ شادی کریں گی اور اب ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں۔ توصیف کے ہاں سے اس کی اماں اور سمیرا بلکہ کسی شام توصیف خود بھی آجاتا تھا لیکن کسی نے بھی رخصتی کی بات نہیں چھیڑی تھی اور ظاہر ہے، امی کو خود سے کہنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ لیکن جب بیہ کے سسرال والے زیادہ تنگ کرنے لگے تب ابو کے کہنے پر انہیں مجبوراً توصیف کی اماں سے بات کرنی پڑی۔

"مجھے خود احساس ہے بہن! لیکن میں کیا کروں۔ اس کی ایک ہی ضد ہے۔ پہلے ملوں گا پھر شادی کروں گا۔"

توصیف کی ماں خود بیٹے کی ضد سے عاجز تھیں اور امی کے سامنے شرمندہ بھی۔ پھر منت سے کہنے لگیں۔

"آپ ہی اپنی بیٹی کو سمجھائیں، مل لینے میں کیا حرج ہے آخر اُس کی منکوحہ ہے۔"

"اب میں اسے کیسے سمجھاؤں۔" امی سوچ کر رہ گئیں۔

اور ابو کو صحیح صورتِ حال اب معلوم ہوئی تھی۔ کتنی دیر تک کچھ حیران سے بیٹھے رہ گئے، پھر اپنی بیٹی کو حق بجانب سمجھتے ہوئے امی سے کہنے لگے۔

"ثوبیہ اُس سے نہیں ملے گی، یہ میرا فیصلہ ہے اور تم آئندہ میری بیٹی کو نہ مجبور کرنا اور نہ کوئی الزام دینا۔"

گویا یک نہ دو شد۔ امی پریشان ہوگئیں، پھر پوچھنے لگیں۔

"اور وہ جو بیہ کے سسرال والے تاریخ مانگ رہے ہیں۔"

"دے دو انہیں، اگلے مہینے کی کوئی سی تاریخ۔"

ابو کے اتنے اطمینان سے کہنے پر امی کی پریشانی مزید بڑھ گئی۔

"آپ کا مطلب ہے۔"

"ہاں، میرا یہی مطلب ہے۔" وہ ٹوک کر کہنے لگے۔ "بیہ ایک سال ہی تو چھوٹی ہے ثوبیہ سے، اور کوئی حرج نہیں جو پہلے اس کی شادی ہوجائے۔"

"لیکن لوگ کیا کہیں گے کہ جس کا نکاح ہوچکا ہے وہ۔" امی کو کسی طرح یہ بات مناسب نہیں لگ رہی تھی۔

”کہنے دو لوگوں کو جو بھی کہیں۔ تم بیہ کی شادی کی تیاری کرو۔“ انہوں نے حتمی انداز میں بات ختم کر دی تھی۔

اور عموماً ایسا ہوتا تو ہے کہ بڑی سے پہلے چھوٹی کی شادی ہو جائے لیکن یہاں عجیب سا اس لیے لگ رہا تھا کہ اس کی شادی ایک طرح سے چار سال پہلے طے تھی پھر عین وقت پر جبکہ لوگ اس کی رخصتی کے منتظر تھے تو اس کے بجائے بیہ کی شادی واقعی لوگوں کے ذہنوں میں سوال اٹھا رہی تھی، سب سے پہلے ممانی جان آ کر امی سے کہنے لگیں۔

”ثوبیہ کا تو نکاح ہو چکا ہے، پہلے اس کی رخصتی کرو، یہ تم بیہ کی تیاری میں کیسے لگ گئیں۔“

”کیا کروں، بیہ کے سسرال والے جلدی مچا رہے تھے۔“ امی نے پہلے سے جواب سوچ رکھا تھا اس کے بارے میں کہنے لگیں۔ ”ثوبیہ کی فکر نہیں ہے مجھے۔ توصیف اپنے کام میں سیٹ ہو جائے پھر رخصتی کریں گے۔“

اور ہر ایک کے سامنے اس کی طرف سے بے فکری ظاہر کرتے ہوئے امی خود اندر سے کتنی فکر مند تھیں یہ وہ ہی جانتی تھی۔ لیکن وہ کیا کرتی۔ پہلے بات اصول کی تھی پھر ضد بنی اور اب تو انا کا مسئلہ ہو گیا تھا، حالانکہ وہ اپنی محبت سے بھی دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ محبت کو پانے کے لیے وہ اپنی اَنا و خودداری کا جنازہ نکال دے۔ ایسا وہ نہیں کر سکتی تھی اور بیہ اسے حق بجانب سمجھنے کے باوجود اب بیٹھی اس کی خوشامد کر رہی تھی۔

”پلیز ثوبی! مان جاؤ ناں، ایک بار مل لو توصیف بھائی سے۔“

”کیوں مل لوں، اور یہ تم کس خوشی میں ان کی فیور کر رہی ہو۔“ اس نے قدرے خفگی سے ٹوکا ثوبیہ منہ پھلا کر بولی۔

”میں اُن کی فیور نہیں کر رہی۔“

”پھر؟“

”پھر یہ کہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔ ابو نے میری شادی طے کر دی اور دیکھنا شادی میں سب پوچھیں گے کہ تمہاری رخصتی کیوں نہیں ہوئی؟“

”تم سے بہر حال کوئی نہیں پوچھے گا، تم اطمینان رکھو۔“

”میں اطمینان سے نہیں ہو سکتی اور ایمان سے مجھے توصیف بھائی پر اتنا غصہ آ رہا ہے آخر انہیں ہو کیا گیا ہے۔ شادی تو انہیں کرنی ہی ہے۔ آج نہیں تو کل پھر اس خواہ مخواہ کی ضد کا فائدہ۔“ پھر رُک کر بولی۔ ”سنو تم ان سے فون پر تو بات کر سکتی ہو؟“

”خدا کے لیے ختم کرو یہ موضوع، میں کچھ نہیں کر سکتی۔“

اس نے عاجز آ کر ہاتھ جوڑے بیہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

”چلو، میں اس موضوع پر بات نہیں کرتی۔ لیکن ثوبی ایک بات بتاؤ۔ کیا تمہیں اُن سے محبت ہے؟“

وہ ایک پل کو ساکت ہو گئی پھر مسکرانے کی کوشش میں جانے کیوں آنکھوں میں نمی اُتر آئی تھی جسے چھپانے کی خاطر رُخ موڑتے ہوئے بولی۔

”تمہارا کیا خیال ہے!“

”میرا خیال ہے، تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو۔“ بیہ نے فوراً کہا اور اس کے خاموش رہنے پر پوچھنے لگی۔ ”میرا خیال ٹھیک ہے ناں!“

”اپنے بارے میں بتا سکتی ہوں لیکن توصیف احمد کا مجھے نہیں پتا۔“ اس کے صاف گوئی سے کہنے پر بیہ اشتیاق سے بولی۔

”چلو اپنے بارے میں بتا دو؟“

”میرا خیال ہے تم جانتی ہو بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس معاملے میں ہم لڑکیاں کتنی بیوقوف ہوتی ہیں، اور میں ثوبیہ ابتدا ہی میں ایسے بندھن میں بندھی کہ پھر کوئی اور سوچ کوئی اور تصور ہی میرے نزدیک گناہ تھا، پھر جاتے جاتے وہ میرے دل کی زمین پر اپنی محبت کا بیج بھی تو بو گیا تھا۔ ایسے میں، میں مذاق میں بھی نہیں کہہ سکتی کہ مجھے اس کا خیال نہیں اور صرف خیال کی بات نہیں ہے بیہ! میری آنکھوں میں سجنے والے ہر خواب کی دہلیز پر اسی کا پہرہ ہے۔“

پوری ایمانداری سے اعتراف کرتے ہوئے وہ کھو سی گئی۔ جانے کیا کیا کہے گی شاید اپنے آپ سے بولنے لگی تھی۔ بیہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ قصداً نہیں ٹوکا اور پھر اسی خاموشی سے اُٹھ کر چلی گئی تو کتنی دیر بعد اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے آپ بول رہی ہے اور کوئی سننے والا بھی نہیں اور اسے حیرت نہیں ہوئی۔ اس کے برعکس دکھ کا احساس تھا جس نے پلکوں پر نمی اتار دی تھی۔

☆

پھر بیہ کی شادی کی تیاریوں میں بظاہر وہ بہت مصروف ہو گئی، سارا وقت اپنا ذہن اِدھر اُدھر کے کاموں میں الجھائے رکھتی۔ لیکن آنے والی عزیز رشتہ دار خواتین جب امی سے پہلا سوال اُسی کے متعلق کرتیں تو وہ اندر ہی اندر جھنجھلا کر رہ جاتی۔ ساتھ ہی اُسے توصیف احمد پر غصہ آتا۔

جس نے اُسے تماشا بنا دیا تھا۔ بارہا دل چاہا اُسے فون کر کے صرف اتنا کہے کہ میرا اَب تم سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اگر اُس میں اتنی جرأت ہوتی تب بھی وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔

بہر حال ان ساری باتوں سے قطع نظر اس کی کوشش ہی تھی کہ اس کی اندرونی کیفیت اور اضطراب کسی پر ظاہر نہ ہو اور بڑی حد تک وہ اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہو گئی تھی۔

شادی کے روز وہ سرِ شام ہی بیہ کے ساتھ بیوٹی پارلر چلی گئی، پھر وہیں سے شادی ہال پہنچی تو اس وقت تک بارات نہیں آئی تھی۔ بیہ کو پھوپھی جان کے حوالے کر کے وہ امی کے کہنے پر اپنی کزنز کے ساتھ بارات کے استقبال کے لیے گیٹ کے پاس کھڑی ہوئی، تبھی بھیا نے ڈھیر سارے سرخ گلابوں کے ہار اسے تھما دیے، جو مہمان خواتین کے گلوں میں ڈالنے تھے، اس نے ایک ایک ہار نکال کر سب کو تھمانا شروع کیے۔ گو کہ وہ بہت احتیاط سے نکال رہی تھی، پھر بھی آخر میں کتنے ہار اُلجھ گئے۔

''افوہ!'' وہ جھنجھلا گئی۔ ''اَب ان کا کیا کروں۔''

''سُلجھاؤ انہیں اور ذرا جلدی کرو، بارات آنے والی ہے۔'' آپی بڑے آرام سے کہہ کر آگے بڑھ گئیں تو وہ قریب کھڑی مینو سے پوچھنے لگی۔

''سنو، کبھی اُلجھی ڈور بھی سُلجھی ہے؟''

''پہلے یہ بتاؤ، کونسی ڈور کی بات کر رہی ہو۔'' مینو نے شریری معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو وہ سٹپٹا کر بولی۔

''کیا مطلب؟''

''بھئی ایک تو وہ اپنی پتنگ باز سجنا والی کیا کہتی ہے۔ ہاں آنکھوں آنکھوں میں اُلجھی ڈور، لگا پیچا تو۔''

''بکو مت۔'' وہ ٹوک کر ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی اور بہت احتیاط سے دھاگے سلجھانے کی کوشش کرنے لگی، اس کا سارا دھیان اسی طرف تھا۔ معاً اپنے چہرے پر بے نام سی تپش محسوس کر کے اس کا دل عجب انداز سے دھڑکا اور فوراً سر اونچا کرنے کے بجائے وہ دزدیدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ تب اپنے تئیں اس نے بہت سنبھل کر سر اونچا کیا تو نظریں اسی پر جا ٹھہریں جو جانے کب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میرے خدا!'' وہ اس کی نظروں سے گھبرائی ضرور لیکن فوراً ہی انجان بن گئی، اور بالکل غیر محسوس طریقے سے اُس کی طرف سے رُخ موڑ کر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی مینو کے پاس آ گئی

اور اُلجھے ہوئے ہاروں کا ایک سرا اسے تھماتے ہوئے بولی۔

''پلیز، میری مدد کرو۔'' گھبراہٹ میں اس کی آواز کچھ بھاری ہو گئی تھی کیونکہ ابھی بھی وہ اس کی نظریں اپنے وجود پر محسوس کر رہی تھی۔

''رہنے دو اب، بلکہ ایسا کرو، یہ پورا گچھا سمدھن کے گلے میں ڈال دو۔''

''تم ڈال دینا۔'' اُس کے لیے اَب یہاں کھڑے ہونا بہت مشکل تھا اس لیے سب مینو کو تھما کر تیز تیز قدموں سے اندر چلی آئی، میک اپ روم میں داخل ہوئی تو بیہ اکیلی بیٹھی تھی۔ وہ گرنے کے انداز میں اس کے قریب آ بیٹھی اور اپنی سانسیں ہموار کرنے لگی۔

''خیریت، کیا ہوا ہے؟'' بیہ نے قدرے تشویش سے پوچھا تو وہ ذرا سا مسکرا کر بولی۔

''کچھ نہیں، تیز چلنے کی وجہ سے سانس پھول گئی، اور یہ تم اکیلی کیوں بیٹھی ہو، میرا مطلب ہے پھوپھی جان کہاں ہیں؟''

''باتھ روم گئی ہیں۔''

''اچھا اچھا، ویسے بیہ! تم بہت پیاری لگ رہی ہو، ماشاءاللہ۔''

وہ بہت نرمی سے بیہ کی ٹھوڑی چھو کر بولی۔ تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھنے لگی۔

''سنو، توصیف بھائی بھی تو آئے ہوں گے تم نے دیکھا انہیں؟''

''انہی سے بھاگ کر تو یہاں آئی ہوں۔''

اس کے منہ سے بلا ارادہ سچ نکل گیا۔ پھر اس نے چھپانے یا بات بدلنے کی کوشش نہیں کی۔ کچھ بُرا ماننے والے انداز میں کہنے لگی۔ ''عجیب آدمی ہیں مسلسل گھور رہے تھے۔''

''صرف گھور رہے تھے۔ میرا مطلب ہے مسکرائے یا سلام کیا؟'' بیہ نے اشتیاق سے پوچھا تو وہ جل کر بولی۔

''جی نہیں، میں نے ایسا کوئی موقع نہیں دیا۔''

بالکل پاگل ہو تم۔ اتنا اچھا موقع ہاتھ آیا اور تم نے گنوا دیا بلکہ ایسا کرو۔''

''خبردار۔ اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔''

اس نے فوراً ٹوک دیا اور پھوپھی جان کے آنے پر ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

پھر سارا وقت وہ یہی کرتی رہی جہاں توصیف احمد موجود ہوتا وہ وہاں سے دور چلی جاتی۔ ولیمے میں بھی اس نے یہی کیا۔ حالانکہ دیکھ رہی تھی کہ اس کی متلاشی نظریں مسلسل اسے کھوجتی رہی ہیں پھر بھی خود کو چھپاتی رہی اور بات صرف دیکھنے کی نہیں تھی وہ اس سے ملنا چاہتا تھا

اور ملنے کے بہانے تو بہت ہو سکتے تھے لیکن جو وہ چاہتا تھا، وہ اسے گوارا نہیں تھا۔

☆

پہلی بار بھی اسے دیکھتے ہی اُس نے منگنی کی بجائے نکاح پر اصرار کیا تھا اور اب ایک بار پھر اسے دیکھتے ہی دل مچلنے لگا تھا۔ تیز روشنی کے نیچے کھڑی اطراف سے بے نیاز گلابوں سے الجھتی ہوئی وہ کتنی اپنی اپنی سی لگی تھی۔ اسی وقت ہی اس کا دل چاہا تھا کہ وہ بہت خاموشی سے اس کے قریب چلا جائے اور اس کے ہاتھوں سے سارے ہار لے کر اپنی ہار سمیت اسکے گلے میں ڈال دے۔ اور شاید وہ ایسا کر گزرتا۔ لیکن وہ دیکھتے ہی منہ موڑ کر چلی گئی تھی اور بس وہی ایک لمحہ تھا جو وہ ہر بات بھلانے پر آمادہ ہو گیا تھا اس کے بعد صرف دل کا مچلنا رہ گیا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔

عجیب سی کشش و پنج میں کتنے دن گزر گئے اس روز سمیرا آئی تو حسب سابق پھر اس کے سر ہو گئی۔

''بھائی! کچھ اماں کے اکیلے پن کا خیال کریں آخر آپ نے کیا سوچا ہے؟''

''کس بارے میں؟'' وہ قصداً انجان بن گیا۔

''میں آپ کی شادی کی بات کر رہی ہوں۔''

اس کے انجان بننے پر سمیرا پہلے کچھ جھنجلا کر بولی پھر اچانک خیال آنے پر کہنے لگی۔

''اور ہاں بیہ کی شادی میں آپ نے دیکھا تو ہوگا ثوبیہ کو، میرا مطلب ہے۔ یہی آپ چاہتے تھے ناں کہ پہلے اسے دیکھیں گے۔''

''صرف دیکھنے کی بات نہیں تھی۔ ملنا چاہتا ہوں میں اس سے۔''

''اس نے پھر وہی بات دہرائی تو سمیرا جو اچانک خاص پُر جوش ہو گئی تھی ایسے ہی ایک دم مایوس ہو کر نفی میں سر ہلانے لگی۔

''مشکل ہے، کیونکہ ثوبیہ بار بار منع کر چکی ہے اور میرا خیال ہے ہم اُسے مجبور نہیں کر سکتے۔''

''آخر کب تک؟'' وہ جانے کیا سوچ کر اپنے آپ سے بولا لیکن سمیرا اُس کی خود کلامی سن کر کہنے لگی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر آپ لوگوں نے درمیان میں یہ کیا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔ اب تک تو ثوبیہ اس گھر میں رچ بس گئی ہوتی۔'' قدرے توقف سے افسوس کے ساتھ کہنے لگی۔

''میرا خیال ہے آپ کو اُس سے شادی کرنی ہی نہیں ہے۔ تو بھائی صاف منع کر دیں۔ ہم کوئی اور لڑکی دیکھ لیتے ہیں۔''

''کیا؟'' وہ پہلے چکرایا پھر بگڑنے لگا۔ ''دماغ صحیح ہے تمہارا برسوں اُسے نکاح میں بٹھا کر اَب منع کر دوں۔ تم نے یہ کہا کیسے اور کیسے سمجھ لیا کہ میں اُس سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔''

''صرف میں نہیں، سب ہی سمجھ رہے ہیں اور ثوبیہ بھی۔''

اس کے بگڑنے پر وہ بھی منہ پھلا کر بولی۔ تو وہ چونک کر پوچھنے لگا۔

''ثوبیہ! کیا سمجھ رہی ہے ثوبیہ؟''

''یہی کہ آپ اُس سے شادی نہیں کرنا چاہتے اور بُرا نہیں مانیں بھائی! غلطی آپ کی ہے اور ابھی بھی وقت ہے، آپ اپنی ضد چھوڑ دیں۔ سیدھے سیدھے بیاہ لائیں اُسے ورنہ۔''

''ورنہ؟'' اس کے پورے اعصاب تن گئے۔

''ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔''

اپنے تئیں سمیرا اُسے نئے خدشے سے دوچار کر کے چلی گئی تو کچھ دیر تک وہ اس نہج پر سوچتا رہا لیکن پھر یوں سر جھٹکا جیسے اس کا ذہن اس بات کو قبول نہ کر رہا ہو۔ یعنی اس کے خیال میں یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ اس کی طرف سے مایوس ہو کر ثوبیہ یا اُس کے گھر والے اُس۔ کے بارے میں کچھ اور سوچنے لگیں۔ اس کے برعکس یہ یقین تھا کہ وہ اس سے ملنے پر آمادہ ہو جائے گی اور یہی یقین اُسے اپنی بات سے ہٹنے نہیں دے رہا تھا۔

☆

اور پھر واقعی وہ اس سے ملنے پر آمادہ ہو گئی۔ لیکن اس سے پہلے اُس نے امی، ابو کی طرف سے یہ یقین حاصل کیا تھا کہ اگر توصیف احمد نے اُسے مایوس کیا تو پھر اُس کا فیصلہ تسلیم کیا جائے گا۔

اس کے بعد طے شدہ پروگرام کے مطابق جب وہ اسے لینے آیا تو اپنے سارے جذبے وہ قصداً گھر کی چار دیواری میں چھوڑ آئی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی بھی لمحے اچانک اس پر عیاں ہو جائے، ظاہر ہے جب اس کے نزدیک ان جذبوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کے برعکس آئندہ زندگی کا دار و مدار آج کی ملاقا۔ پر تھا تو پھر وہ کیوں اپنے جذبوں کو رسوا کرے۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ کچھ اتنے لیے دیے انداز میں بیٹھی تھی کہ وہ کوشش اور چاہنے کے باوجود بے تکلفی سے اسے مخاطب نہیں کر سکا۔

"ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟"

"آپ کو کیسا لگ رہا ہوں۔" وہ تکلف کا پردہ چاک کرنے کی غرض سے قدرے شوخی سے مسکرا رہا تھا۔ لیکن وہ یکسر نظر انداز کر کے پوچھنے لگی۔

"کیوں ملنا چاہتے تھے آپ مجھ سے؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔" وہ اس کی غیر معمولی سنجیدگی سے اندر ہی اندر جز بز ہو کر بولا اور اس نے قدرے تعجب کا اظہار کیا۔

"کیا مطلب، یعنی کوئی خاص بات نہیں پھر بھی اتنا اصرار تھا۔"

"اور آپ کو اعتراض کیوں تھا؟"

"مجھے اعتراض آپ سے ملنے پر نہیں تھا بلکہ۔"

وہ ایک دم سے ہونٹ بھینچ کر گلاس وال سے پرے دیکھنے لگی، پھر کچھ دیر بعد اس کی طرف چہرہ موڑ کر بولی۔

"میرا خیال ہے ہمیں اصرار اور اعتراض پر بحث کی بجائے اصل بات کرنی چاہیے۔"

"کم آن ثوبیہ!" وہ جیسے سوال جواب سے اُکتا گیا۔

"ہم برسوں بعد مل رہے ہیں تو بجائے ایک دوسرے کا احوال پوچھنے کے احتساب کرنے بیٹھ گئے ہیں۔ کیا ہم اچھی باتیں نہیں کر سکتے۔"

"اچھی باتوں کے لیے موڈ اچھا ہونا ضروری ہے۔"

"تو اپنا موڈ ٹھیک کرو۔" وہ جلدی سے بولا۔

"سوری، یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔"

"چلو پھر پانی کی طرف چلتے ہیں، تمہارا موڈ آپ ہی آپ ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ کہتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا اور کاؤنٹر پر جا کر بل پے کرنے لگا۔ پھر وہیں سے اسے اشارا کیا تو وہ جانے کیا سوچتی ہوئی اس کے پیچھے چلی آئی۔

شام گہری ہو رہی تھی، لوگوں کے ہجوم سے دور گیلی ریت پر اس کے سنگ چلتے ہوئے ایک پل کو اسے یوں لگا جیسے گزرے برسوں میں دیکھے ہوئے خواب اچانک زندہ ہو گئے ہوں یونہی چلتے ہوئے اس کا کندھا بے خیالی میں کتنی بار اس کے بازو سے جا لگا اور ہر بار اُسے اپنے وجود میں سرد لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔ تب وہ اس سے پہلے ہی پتھروں کی سیڑھیاں پھلانگ کر اوپر دیوار کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

"آئس کریم کھاؤ گی؟" وہ قریب آیا تو پوچھنے لگا۔

"نہیں۔" وہ اس کی قربت سے پگھلنے لگی تھی۔ نفی میں سر ہلا کر دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگی۔ وہ وہیں کھڑا رہا اور کچھ آگے جا کر وہ بھی رُک گئی اور دیوار پر کہنیاں ٹکا کر اوپر اُٹھتی لہروں کو دیکھنے لگی، جبکہ سارا دھیان اسی کی طرف تھا جو سگریٹ سلگانے کے بعد اَب اس کی طرف آ رہا تھا۔ پھر اُس سے ایک قدم کے فاصلے پر رُک کر کہنے لگا۔

"واقعی، پانی کا اپنا کوئی رنگ نہیں ہوتا۔ ابھی کچھ دیر پہلے جیسا آسمان نیلگوں تھا سمندر کا پانی بھی ویسا ہی نظر آ رہا تھا اور اب دھیرے دھیرے اترتی سیاہی اس پر اثر انداز ہو رہی ہے۔"

وہ اس کی بات سن کر ذرا سی گردن موڑ کر اُسے دیکھنے لگی، بہت دور جانے کہاں اس کی نظریں بھٹک رہی تھیں اور کچھ ایسے ہی کھوئے ہوئے انداز میں کہنے لگا۔

"کبھی جب تمہاری یاد مجھے بہت ستاتی تھی تو میں یونہی ساحل پر نکل جاتا تھا اور وہاں ایک تنہا گوشے میں بیٹھ کر تصور کرتا کہ اس کنارے پر تم کھڑی ہو گی۔ اس کے بعد بے خیالی میں مجھ سے جانے کیسی کیسی حرکتیں سرزد ہوتی تھیں، کبھی ہاتھ ہلاتا یوں جیسے یہاں کھڑی تم دیکھ رہی ہو۔ کبھی تمہیں پکارتا اور کبھی کسی سیپ کو چوم کر تمہاری طرف پھینکتا۔ کیا تمہارے ہاتھ کبھی ایسی سیپ آئی جس پر۔"

یونہی بات کرتے ہوئے اس پر نظر پڑی تو ہنس دیا۔

"ارے پتا نہیں کیا کہہ رہا ہوں میں۔ آؤ چلیں۔"

وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی۔ نم ہوا قدرے خنکی لیے ہوئے تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی ٹھنڈے ہاتھوں سے اس نے اپنا چہرہ تھپتھپایا پھر گھڑی دیکھ کر یونہی اپنے آپ سے بولی۔

"کافی دیر ہو گئی ہے۔"

"گھر ہی تو جانا ہے۔" اس نے کہا اور اسپیڈ سے گاڑی مین روڈ پر لے آیا۔ تو کچھ راستہ خاموشی میں کٹا پھر وہ خود ہی کہنے لگا۔

"تم جاننا چاہتی ہو کہ میں تم سے کیوں ملنا چاہتا تھا۔ تو ایسا ہے ثوبیہ اعوان کہ جب میں تمہیں چھوڑ کر گیا تھا اس وقت تم ٹین ایج سادہ سی لڑکی تھیں بلکہ کچھ بے وقوف بھی!"

اس کے پہلو بدلنے پر کہنے لگا۔

"میری صاف گوئی کا بُرا نہیں ماننا بہر حال چار سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا۔ مجھے یقین تھا کہ وقت نے تمہیں خاصی سمجھ عطا کر دی ہو گی لیکن ساتھ ہی میں ایک بات سے خائف تھا کہ بعض

لڑکیاں ٹین ایج سے نکلتے ہی بقراط، افلاطون بن جاتی ہیں اور خود کو بولڈ پوز کرنے کی خاطر اکثر بہت ساری حدود پھلانگ جاتی ہیں اور مجھے ایسی لڑکیاں کبھی اچھی نہیں لگیں۔ ان کے برعکس دھیمی دھیمی، باوقار لڑکی میرا آئیڈیل رہی ہے اور گو کہ وقت کے ساتھ ساتھ جس سانچے میں تمہیں ڈھال کر میں سوچتا رہا ہوں، مجھے یقین تھا کہ تم اسی کا پرتو ہوگی پھر بھی پتا نہیں کیوں میں اس دوسری بات کو نظر انداز نہیں کر سکا۔ پختہ یقین کے باوجود۔"

"پختہ یقین تو نہ کہیں توصیف احمد۔" وہ اس کے خاموش ہونے پر کہنے لگی۔ "شک کی ذرا سی آمیزش سے یقین مشتبہ ہو جاتا ہے۔"

"بہرحال اب تو کوئی شبہ نہیں رہا ناں۔ تم سے مل کر وہ جو میرے دل میں ایک ذرا سی کھٹک تھی اس سے بھی مجھے نجات مل گئی ہے۔"

کس قدر مطمئن اور خوش نظر آرہا تھا وہ۔ ذرا احساس نہیں تھا کہ اپنے اطمینان کے لیے اُس نے کتنوں کا اطمینان چھینا تھا۔ امی، ابو اور وہ خود پورے چھ ماہ سے ایک نامعلوم خوف میں گھری ہوئی تھی۔ لوگوں کی باتیں الگ وہ بھولی نہیں تھی، جب ہی اس کے اطمینان پر اندر ہی اندر سلگنے لگی اور قدرے توقف سے وہ ایک نظر اس پر ڈال کر کہنے لگا۔

"بس یہی بات تھی اور میں نے کچھ غلط تو نہیں کیا۔ بلکہ اچھا ہے، نئی زندگی کی ابتدا سے پہلے ہم ایک دوسرے کو سمجھ لیں۔"

"ہوں۔" اس نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔ پھر گہری سانس کھینچ کر بولی۔ "سمجھنے کے لیے وقت چاہیے۔"

"نہیں، بس یہ ملاقات بہت ہے۔" وہ اپنی دھن میں بولا تب بھی صرف اپنی بات کی تو وہ کچھ جتا کر کہنے لگی۔

"آپ کے لیے ناں، ہو سکتا ہے آپ مردم شناس ہوں جبکہ مجھ میں ایسی کوئی خوبی نہیں، اور جانے آپ کو سمجھنے میں مجھے کتنا عرصہ لگے۔"

وہ اس کی بات پر یوں ٹھٹکا کہ ایک دم گاڑی روک کر اُسے دیکھنے لگا اور وہ قصداً انجان بن کر کہنے لگی۔

"ارے یہ آپ نے بیچ سڑک پر گاڑی روک دی۔ ٹریفک جام ہو جائے گا۔"

اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا پھر جھٹکے سے گاڑی بڑھاتے ہوئے بولا۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"کوئی مشکل بات نہیں کی میں نے، بلکہ آپ سے اتفاق کر رہی ہوں کہ نئی زندگی کی ابتدا سے پہلے ہمیں ایک دوسرے کو سمجھ لینا چاہیے۔"

وہ بڑی خوبصورتی سے اس کی چال آگے بڑھا رہی تھی اور پتا نہیں وہ سمجھ کر خاموش ہو گیا یا خاموش ہو کر سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ تبھی اُسے سیرا کی بات یاد آئی جو اُس نے پوچھا تھا۔

"کتنا عرصہ لگے گا آپ کو اُسے سمجھنے میں۔" اور اُس نے کہا تھا۔

"میرے لیے بس ایک ملاقات کافی ہے البتہ ثوبیہ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

اور اپنی بات سوچتے ہوئے فوری طور پر اُس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کی بات کے جواب میں کیا کہے اور خاموش بھی نہیں رہنا چاہتا تھا لیکن کوئی بات ہی نہیں تھی بلکہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی جبکہ وہ مطمئن سی ہو گئی تھی اور اس کے بارے میں آپ اپنے جال میں صیاد آگیا۔ سوچتے ہوئے وہ اندر ہی اندر ہنس پڑی۔ پھر اس کے گھر کے سامنے گاڑی روکتے ہی وہ پوچھنے لگا۔

"کتنا وقت چاہیے تمہیں؟"

"سوری۔ وقت کا تعین نہیں کر سکتی کیونکہ کسی کو سمجھنے کے لیے کبھی ایک لمحہ کافی ہوتا ہے اور کبھی عمر بیت جاتی ہے۔" پھر قدرے رُک کر پوچھنے لگی۔ "کتنا انتظار کر سکتے ہیں آپ؟"

"برس دو برس شاید برسہا برس۔"

سوچا ہوا انداز تھا اور برسہا برس کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر دلکشی سے مسکرایا تو اُس کا دل یکبارگی بڑی زور سے دھڑکا۔ فوراً اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اُتر گئی۔

☆

جب سے وہ توصیف سے ملی تھی۔ امی شعور لاشعوری طور پر توصیف کی اماں کی منتظر تھیں کہ اب وہ رخصتی کی تاریخ لینے آئیں گی۔ لیکن کتنے دن ہو گئے اُدھر سے کوئی نہیں آیا۔ اور امی اس سلسلے میں براہِ راست اس سے بات نہیں کرتی تھیں۔ آپی کو بلا لیتیں۔ گھر میں بھابی موجود تھیں۔ لیکن اُن کا اپنا مزاج تھا۔ چھ سال ہو گئے تھے شادی کو لیکن ابھی تک وہ گھر کے معاملات میں دلچسپی نہیں لیتی تھیں۔ بس بھیا اور بچے۔ سارا دن بچوں میں لگی رہتیں۔ گھر کے کام بھی کرتی تھیں۔

لیکن وہی کام جو انہوں نے اپنے ذمے لیے تھے اس کے علاوہ اگر دیکھ بھی رہی ہوتیں کہ کوئی کام کسی مجبوری کے تحت نہیں ہو پا رہا تب بھی وہ امی یا اس کا ہاتھ نہیں بٹاتی تھیں، اور اس کے بارے میں بھی انہوں نے کبھی خود سے نہیں پوچھا کہ معاملہ کیا ہے۔ حالانکہ ساری باتیں اُن کے سامنے ہوتی تھیں اور وہ بس سن لیتیں۔ شاید ان کے اسی انداز کی بدولت امی کو ان سے کچھ کہنے

کی بجائے آپی کو بلوانا پڑتا تھا اس روز بھی ان کے بلانے پر آپی آئیں تو اس سے پوچھنے لگیں۔

"کیوں بھئی، یہ توصیف احمد اَب کیا چاہتے ہیں۔ میرا مطلب ہے تم سے ملاقات تو کر لی پھر دیر کس بات کی ہے؟"

"اور آپ کو مجھے نکالنے کی جلدی کیا ہے؟" وہ اُلٹا اُن سے پوچھنے لگی۔ "کیا بری لگتی ہوں میں آپ کو اس گھر میں جب بھی آتی ہیں یہی بات کرتی ہیں۔"

"مجھے خاص طور سے یہی بات کرنے کے لیے ہی بلوایا جاتا ہے۔" آپی اپنی بات پر زور دے کر بولیں۔ پھر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہنے لگیں۔

"خیر چھوڑو اس بات کو، یہ بتاؤ اُس ملاقات کا کیا رہا میرا مطلب ہے توصیف احمد مطمئن ہو گئے۔"

"کم آن آپی، اَب توصیف احمد کی نہیں میری بات کریں۔"

"کیا مطلب؟" آپی کچھ سمجھیں نہیں اور وہ کسی خیال کے تحت مسکرا کر بولی۔

"وہ تو سر کے بل آنے کو تیار ہیں سہرا باندھ کر لیکن یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب اِدھر سے سگنل ملے گا، اور اگر امی نے آپ کو صرف یہی معلوم کرنے کے لیے بلوایا ہے تو کہہ دیجیے ان سے کہ میں ابھی شادی نہیں کروں گی۔"

"تم!" آپی اسی قدر کہہ کر اس کی بات سمجھنے میں لگ گئیں۔ نظریں اسی پر جمی تھیں پھر جیسے ہی سمجھیں بگڑنے لگیں۔

"اب تمہارا دماغ خراب ہوا ہے۔ آخر تم لوگوں نے تماشا کیا بنا رکھا ہے۔ شادی نہ ہوئی مذاق ہو گیا۔"

"کوئی مذاق نہیں ہو رہا۔" وہ ان کے بگڑنے پر منہ پُھلا کر بولی۔

"پھر کیا ہے یہ، وہ تیار ہوئے ہیں تو تم منع کر رہی ہو، آخر کیوں؟" وہ کچھ نہیں بولی تو قدرے توقف سے آپی سمجھاتے ہوئے کہنے لگیں۔

"ایسے نازک معاملے کو ضد مت بناؤ ثوبیہ! کیا تم نہیں جانتیں، بیبہ کی شادی میں لوگ کیسی کیسی باتیں بنا رہے تھے۔"

"مجھے لوگوں کی پرواہ نہیں ہے آپی! اور میں ضد بھی نہیں کر رہی۔ آپ کو کیا پتا، یہ چھ ماہ کا عرصہ میں نے کس اذیت میں گزارا۔"

وہ اچانک پھٹ پڑی تھی۔ "میری ہر رات آنکھوں میں کٹی جبکہ وہ شخص اطمینان سے تھا

میں اور کچھ نہیں چاہتی بس اتنا وقت تو دیجیے کہ میں اس شخص کو اس کی غلطی کا احساس دلا سکوں۔"

"مردوں کو کہاں ہوتا ہے احساس، نہیں ہوتا۔"

"نہیں آپی! پہلے سے ہی یہ سوچ لینا کہ انہیں احساس نہیں ہوگا، غلط ہے، ہمیں کوشش کرنی چاہیے۔"

"تو میری جان! یہ کوشش تم بعد میں بھی کر سکتی ہو۔"

"نہیں، اگر اب انہیں احساس نہیں ہوا تو پھر کبھی نہیں ہوگا، اور آپ فکر نہیں کریں، بہت زیادہ وقت نہیں لگے گا۔"

آخر میں اُس نے مسکرا کر ایک طرح سے آپی کو تسلی دی۔

"دیکھ لو، پھر کوئی اور مسئلہ نہ ہو جائے۔"

"کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ اور ابھی بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" اُس نے یقین سے کہا پھر موضوع بدلنے کی خاطر پوچھنے لگی۔

"بیبہ کی طرف گئی تھیں آپ؟"

"نہیں، سوچ رہی ہوں شام میں اُس کے پاس سے ہوتی ہوئی جاؤں گی۔"

"ضرور جائیے گا۔ پرسوں آئی تھی وہ۔ آپ کا بہت پوچھ رہی تھی۔"

پھر اِدھر اُدھر کی باتیں چھیڑ کر اس نے دوبارہ آپی کو اپنے مسئلے کی طرف آنے ہی نہیں دیا اور جاتے ہوئے آپی نے جانے امی سے کیا کہا کہ وہ مطمئن نظر آنے لگی تھیں۔

☆

یونہی کتنے دن گزر گئے اور پہلے تو ہر تیسرے چوتھے دن توصیف احمد شام میں کچھ دیر کے لیے ضرور آتا تھا لیکن اُس روز کی ملاقات کے بعد جانے کیوں نہیں آیا اور فون بھی نہیں کیا جبکہ فطری طور پر وہ شدت سے منتظر تھی۔ جہاں فون کی بیل ہوتی بھاگ کر ریسیور اٹھاتی اور شام سے ہی اپنے بھتیجوں یوسف اور عامر کے ساتھ برآمدے میں بیٹھ کر بظاہر کوئی گیم کھیلتی، جبکہ سارا دھیان گیٹ کی طرف ہوتا تھا۔ ابو اور پھر بھیا کی آمد پر گیٹ کھلتا تو وہ فوراً چونک کر دیکھتی اور اس کے بعد بھی کتنی دیر تک وہیں موجود رہتی۔

جب شام کا سلونا حسن ماند پڑ جاتا۔ تاریکیاں پر پھیلا لیتیں تب مایوسی کے ساتھ اپنے آپ اُس سے خفگی کا اظہار کرتی ہوئی اندر چلی آتی حالانکہ اس پر کوئی پابندی نہیں تھی چاہتی تو وہ خود اسے رنگ کر سکتی تھی۔ لیکن پہلے ہی اتنی مشکل سے اپنے جذبے چھپا پائی تھی اور ابھی بھی اپنی بے قراری

ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی پھر یہ خیال بھی تھا کہ وہ کیوں نہیں بے قرار ہوتا۔

اس وقت بھی وہ خاصی مایوس سی ہو کر اپنے کمرے میں آ کر بیٹھی کہ کچھ دیر بعد ہی یوسف دروازے سے جھانک کر بولا۔

"پھوپھو! آپ کا فون ہے۔"

"کون، بیہ پھوپھو ہیں؟" وہ پوچھتی ہوئی کھڑی ہوئی۔

"نہیں، انکل ہیں، وہ والے انکل۔"

یوسف کو نام یاد نہیں آ رہا تھا اور وہ خود ہی سمجھ کر جلدی سے لابی میں آ گئی۔ وہی تھا اس کی آواز سنتے ہی کہنے لگا۔

"سوری یار! ایک کام میں بُری طرح اُلجھ گیا تھا۔ چاہنے کے باوجود تمہاری طرف نہیں آ سکا۔"

"فون تو کر سکتے تھے۔" وہ بے اختیار کہہ گئی۔

"کر تو سکتا تھا لیکن۔" وہ کچھ کہتے کہتے رُکا پھر پوچھنے لگا۔ "تمہیں انتظار تھا؟"

"کیا کہوں، ہاں یا نہیں۔" وہ مسکراہٹ کو یوں ہونٹوں میں چھپا رہی تھی جیسے وہ سامنے کھڑا دیکھ رہا ہو اور وہ محسوس تو کر رہی رہا تھا جب ہی کہنے لگا۔

"کچھ مت کہو، میں سب جانتا ہوں۔"

"خواہ مخواہ کے دعوے مت کیا کریں۔"

"یہ خواہ مخواہ کا دعویٰ نہیں ہے۔"

"خیر چھوڑیں۔ یہ بتائیں جس کام میں اُلجھے تھے، وہ ہو گیا؟" اُس نے قصداً بات بدل کر پوچھا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔

"تقریباً۔ اور کل تک میں بالکل آزاد ہو جاؤں گا۔ میرا مطلب ہے اس کام کے جھنجھٹ سے۔ اس کے بعد پہلی فرصت میں تمہارے پاس آؤں گا یعنی کل شام میں۔ تیار رہنا۔"

"کیوں؟"

"کہیں باہر چلیں گے۔ چلو گی ناں!"

"سوچوں گی!"

"اوں ہوں، ہر بات میں اتنی سوچ بچار اچھی نہیں ہوتی، بس تیار رہنا او کے۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے سلسلہ منقطع کر دیا تو وہ ہنستی ہوئی اپنے کمرے کی طرف آ رہی تھی کہ بھابھی سے سامنا ہو گیا اور انہوں نے یونہی پوچھ لیا۔

"کس کا فون تھا؟"

"توصیف کا۔" وہ اپنی دھن میں تھی ترنگ میں بولی۔ لیکن بھابھی کے ناگواری سے دیکھنے پر اُسے فوراً سنبھل جانا پڑا۔ اور وہ ایسی ہی ناگواری سے پوچھنے لگیں۔

"اس کا شادی کا ارادہ نہیں ہے کیا؟"

"شادی ارادے سے تو نہیں ہوتی۔ جب ہونی ہو گی ہو جائے گی۔"

وہ جلدی سے کہہ کر کمرے میں آ گئی، بھابھی کے انداز سے خاصی اُلجھن ہو رہی تھی آخر وہ اس طرح کیوں بات کر رہی تھیں۔ کچھ دیر تک انہی کے رویے میں اُلجھتی رہی پھر سر جھٹک کر اُسے سوچنے لگی تھی۔

☆

گزشتہ کئی روز سے وہ شاپنگ کا ارادہ کر رہی تھی اور جب تک بیہ کی شادی نہیں ہوئی تھی ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ بڑے آرام سے چلی جاتی تھی۔ لیکن اس کی شادی کے بعد سے تو وہ اکیلی ہو گئی تھی۔ ادھر دو تین بار اسے فون کر چکی تھی کہ کسی دن وہ صبح سے آ جائے تا کہ وہ اس کے ساتھ طارق روڈ جا سکے۔ لیکن وہ آج کل پر ٹال رہی تھی۔

اور اب توصیف نے باہر چلنے کو کہا تو اُسے اپنی شاپنگ یاد آ گئی۔ اسی سے اس نے دن میں کہہ دیا تھا کہ شام میں وہ توصیف کے ساتھ طاروق روڈ جائے گی اور انہوں نے کوئی اعتراض بھی نہیں کیا تھا۔ جب ہی اس کے آنے سے پہلے ہی وہ تیار ہو گئی اور برآمدے میں آ کر اس کا انتظار کرنے لگی۔ زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا کچھ ہی دیر بعد اس کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو وہ ٹیبل سے پرس اٹھا کر باہر آ گئی۔

"تھینک یو۔" وہ اس کے بیٹھتے ہی گاڑی آگے بڑھاتا ہوا بولا۔ "میں ڈر رہا تھا، کہیں تم منع نہ کر دو۔"

"منع کرنا ہوتا تو کل ہی کر دیتی۔ ویسے آپ کو یہ خدشہ کیوں تھا؟"

"ظاہر ہے تم نے سوچنے کو کہا تھا اور کچھ بھی سوچ سکتی تھیں۔ خیر یہ بتاؤ کہاں چلیں؟"

"اگر آپ کو جلدی نہیں ہے تو طارق روڈ، مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے اور مجھے۔ شاپنگ میں بھی کچھ وقت لگے گا۔"

"مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ بہت فراغت سے آیا ہوں اور ہاں شاپنگ کے بعد چائنیز چلیں گے اور اس وقت تم دیر ہونے کا مت کہنا۔"

"دیر ہوگئی تو ضرور کہوں گی۔" وہ اس کے چھیڑنے کے انداز پر ہلکے سے بولی۔

"شٹ اپ۔" پھر اس کے ایک دم خاموش ہو جانے پر پوچھنے لگا۔ سنو وہ جو میں امریکہ سے تمہارے لیے اتنے سارے گفٹس لایا ہوں وہ کب تمہارے حضور پیش کروں؟"

"مجھے کچھ نہیں چاہیے۔"

"چاہیے یا نہیں تمہاری چیز ہے تمہیں لینی ہے۔ میں نے اتنے شوق اور محبت سے صرف تمہارے لیے خریدی تھیں کسی اور کو تو نہیں دے سکتا۔"

وہ لاجواب سی ہو کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی تو موقع سے فائدہ اٹھا کر اس نے دھیرے سے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

"یہ کیا حرکت ہے۔" وہ اپنا ہاتھ کھینچنا چاہتی تھی لیکن اس نے گرفت مضبوط کر لی اور بظاہر انجان سا بن کر سامنے دیکھتا رہا۔

"پلیز، میرا ہاتھ چھوڑیں۔" وہ خاصی نروس ہوگئی تھی۔ اگر اس طرح کریں گے تو میں آئندہ آپ کے ساتھ نہیں آؤں گی۔"

"دھمکی۔" وہ ذرا سا ہنسا۔ "یہیں سے بھگا کر لے جاؤں گا تمہیں۔"

"کیا؟ وہ چیخی۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں اور یہ کوئی جرم نہیں ہوگا۔ منکوحہ ہو تم میری۔ سارا زمانہ جانتا ہے۔"

وہ یوں سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ کر بولا کہ وہ پریشان ہوگئی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، تب وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر ہنس پڑا۔

"میں کبھی آپ سے بات نہیں کروں گی۔" اس کے ہنسنے پر وہ روٹھے لہجے میں کہہ کر نظریں چرا گئی۔

"کم آن یار! یوں نہیں روٹھتے۔"

"میرا ہاتھ چھوڑیں اور بس یہیں روک دیں۔"

"ایک منٹ۔" اس نے احتیاط سے گاڑی پارک کی پھر اسے دیکھا تو وہ جلدی سے اُتر گئی۔ جانے کیا سوچ کر آیا تھا کہ مسلسل نروس کیے دے رہا تھا اور وہ جو بہت اطمینان سے شاپنگ کیا کرتی تھی۔ اب سوچ رہی تھی جلدی سے یہاں سے فارغ ہو جائے اور کچھ چیزیں اس نے بہت عجلت میں خریدیں اور باقی آئندہ بیبہ کے ساتھ خریدنے کا سوچ کر اس سے واپس چلنے کو کہا تو وہ حیران ہو کر بولا۔

"کیا مطلب؟ ہوگئی تمہاری شاپنگ۔"

"ہاں۔"

"لیکن تم تو کہہ رہی تھیں۔ اچھا ادھر آؤ۔" وہ سمجھ گیا کہ اب اس کا موڈ نہیں رہا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ واپسی کے لیے ضد کرتی وہ اسے دکان کے اندر لے آیا۔

"یہاں کیوں آ گئے؟" اس نے الجھ کر پوچھا تو وہ سرگوشی میں بولا۔

"میں تمہاری انگلی میں ایک خوبصورت انگوٹھی ڈالنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں پلیز۔"

"شٹ اپ۔" وہ اسے خاموش کرا کے دکاندار کی طرف مڑ گیا۔ پھر جب تک وہ انگوٹھیاں دیکھتا اور پسند کرنے میں لگا رہا وہ لاتعلق سی کھڑی رہی۔ حالانکہ اسے جیولری پسند تھی۔ نہ خریدتی تو تب بھی رُک کر دیکھتی ضرور تھی...... لیکن اس وقت قصداً انجان بن گئی پھر اس نے ہی پکار کر کہا۔

"یہاں آؤ ثوبیہ! دیکھو یہ تمہاری انگلی میں۔" اور وہ اس کے پکارنے پر بلا ارادہ ہی قریب آئی تھی کہ اس نے اس کا ہاتھ تھام کر خوبصورت سی انگوٹھی اسکی انگلی میں ڈال دی اور اسے کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر فوراً دکاندار کی طرف مڑ کر اس کی قیمت ادا کرنے لگا۔ وہ خاصی جزبز ہو رہی تھی۔ دکان سے نکلتے ہی کہنے لگی۔

"یہ میں نہیں لوں گی۔"

"کیوں؟ اچھی نہیں لگی، تو اپنی پسند سے لے لو۔"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر؟"

"آپ سمجھتے کیوں نہیں۔" وہ الجھ کر بولی۔ تب ہی کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"ہیلو توصیف! کب آئے یار؟" وہ خاموش ہو کر دیکھنے لگی اور وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"چھ سات مہینے ہو گئے ہیں مجھے آئے ہوئے اور تم کب آئے؟"

"مجھے آئے دس پندرہ روز ہوئے ہیں لیکن یار! یہاں اب دل نہیں لگ رہا۔ امریکہ کی بات ہی کچھ اور ہے۔"

اس نے کہتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو توصیف نے قدرے رک کر اس کے تعارف میں بس اسی قدر کہا۔

''یہ ثوبیہ ہیں۔'' پھر فوراً دھیان ہٹا کر اسی کی بات پر کہنے لگا۔ ''واقعی امریکہ کی بات اور ہے لیکن میرا وہاں دل نہیں لگا۔ بس نہیں چلتا تھا کہ کیسے سالوں کو دنوں میں سمیٹ دوں۔''

''تو کیا دوبارہ نہیں جاؤ گے؟'' اس نے کچھ تعجب سے پوچھا۔

''نہیں۔ دوبارہ جانے کا کوئی ارادہ نہیں۔''

''اور وہ نرما۔ کیا اُسے بھی ساتھ لائے ہو۔ لیکن نہیں تمہارے آنے کے بعد شاید میں نے اسے دیکھا تھا۔ ہاں یاد آیا، وہ تمہارا پوچھ بھی رہی تھی۔''

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا اور وہ جوان کی باتوں سے اکتا کر کچھ ایسے انداز میں توصیف کو دیکھ رہی تھی کہ جیسے ہی وہ متوجہ ہو اسے چلنے کا اشارہ کرے۔ اس کی بات پر کچھ ٹھٹھک سی گئی پھر توصیف کا بوکھلانا بھی دیکھ رہی تھی۔ جب ہی اس کا سارا دھیان آپ ہی آپ اس کی طرف چلا گیا جو ہر دو کی کیفیت سے بے خبر اپنی کہے جا رہا تھا۔

''کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ نرما وہاں ہے، تم یہاں۔ اور دوبارہ جانے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے کیا طلاق دے آئے ہو اُسے؟''

''نرما، طلاق۔'' وہ سناٹے میں آ گئی۔ سچ مچ اس کا پورا وجود سن ہو گیا تھا اس کے باوجود سماعتیں منتظر تھیں کہ جواب میں وہ کیا کہتا ہے اور وہ بوکھلا کر کہنے لگا۔

''کیا بات کرتے ہو یار! خیر چھوڑو۔ اس وقت میں جلدی میں ہوں پھر ملاقات ہو گی۔''

''کہاں، کہاں ملو گے؟''

''میرے آفس آ جانا یا گھر۔''

اُس نے بہت عجلت میں جیب سے کارڈ نکال کر اسے تھمایا انداز جان چھڑانے والے تھا پھر دزدیدہ نظروں سے اُسے دیکھا اس کی ساکت آنکھوں میں بے یقینی، دکھ، تاسف اور جانے کیا کچھ تھا اور اس کے لیے کوئی راہ فرار نہیں تھی۔ کچھ جھجکتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ کسی روبوٹ کی طرح دھیرے دھیرے چلنے لگی۔

اچانک پیدا ہونے والی صورتِ حال نے دونوں کو اپنی اپنی جگہ گم صُم کر دیا تھا۔ وہ چاہتا بھی تو فوری طور پر اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ کتنا راستہ خاموشی سے کٹ گیا۔ اس دوران وہ ہر دوسرے پل مڑ مڑ کر اس پر نظر ڈالتا رہا اور اس کا انداز لاتعلقی سے بڑھ کر قطع تعلقی جیسا تھا۔ بہت مشکل سے وہ اپنی توانائیاں مجتمع کر سکا تب بھی اسی قدر بول پایا۔

''کچھ کہو گی نہیں۔'' وہ خاموش رہی اور قدرے توقف سے وہ کہنے لگا۔

''میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا تھا، اصل میں۔''

''پلیز۔'' وہ ٹوک کر بولی۔ ''گاڑی تیز چلائیں۔''

''لیکن تمہیں میری بات سننی ہو گی۔''

''بات تو وہی ہے جو میں سن چکی، اب تو آپ صفائی پیش کرنا چاہیں گے لیکن توصیف احمد بہتر یہی ہے کہ اس وقت آپ کچھ نہ کہیں۔''

اندر دہکتے الاؤں کے باعث اس کے لہجے میں ایسی تپش تھی جسے محسوس کر کے اس نے ہونٹ بھینچ لیے اور گاڑی کی اسپیڈ بھی بڑھا دی۔ پھر جب وہ گھر کے سامنے اترنے لگی تو ایک دم روک کر بولا۔

''سنو۔ بدگمان نہیں ہونا۔ میں تمہیں۔''

وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے اتر کر اندر چلی گئی اور وہ اس کے پیچھے پھر کتنی دیر تک بند دروازے پر نظریں جمائے بیٹھا رہا پھر جب گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا تو نظر اس انگوٹھی پر پڑی جو کچھ دیر پہلے اس کی انگلی میں پہنائی تھی اور وہ جاتے جاتے اتنی خاموشی سے اسے اتار کر رکھ گئی تھی۔ اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ بہت احتیاط سے انگوٹھی اٹھا کر جیب میں ڈالی اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

☆

''مجھے صرف ان کا نہیں اپنا خیال بھی ہے کیونکہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اُن سے مل کر میرے سارے خواب کرچی کرچی ہو جائیں۔'' اس نے یہ بات محض توصیف احمد کی بات کے جواب میں بس یونہی کہہ دی تھی۔ حقیقتاً اس وقت اس کے ذہن میں ایسا کوئی تصور نہیں تھا۔ گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ شخص کبھی اُسے فریب دے سکتا تھا۔ اور اب تو سچ مچ جیسے وہ سارے خواب بکھر رہے تھے۔ دکھ تاسف میں گھری وہ مسلسل اس اجنبی شخص کی بازگشت سن رہی تھی۔

''کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ نرما وہاں ہے تم یہاں اور دوبارہ جانے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے۔ کیا طلاق دے آئے ہو اُسے؟''

''میرے خدا۔'' اس نے اپنے دکھتے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ آنسو ایک تواتر سے چھلک کر تکیہ بھگو رہے تھے۔ دل چاہ رہا تھا وہ ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر اس شخص کو شوٹ کر دے جو فریب دینے کے بعد بھی محبت کا دعویٰ کر رہا تھا۔ پھر یہ بھی کہا۔ بدگمان نہیں ہونا۔ اُف اب اور کیا رہ گیا تھا۔ سوچتے سوچتے اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔ صبح کے قریب کہیں جا کر نیند مہربان ہوئی اور یہ

بھی اچھا ہوا ورنہ مسلسل ذہنی انتشار سچ مچ اُسے پاگل کر دیتا۔

صبح معمول کے مطابق جب وہ خود سے نہیں اُٹھی تو امی قدرے متوحش سی اس کے پاس آئیں۔ وہ بے سدھ اور بخار میں جل رہی تھی۔ امی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ فوراً جا کر ابو کو بتایا تو وہ بھی بھاگے آئے۔ پھر بظاہر تو امی کو تسلی دیتے رہے لیکن اندر ہی اندر خود پریشان ہو گئے تھے کہ اچانک اسے کیا ہو گیا ہے۔ کل تک تو اچھی بھلی تھی۔ شام میں توصیف نے پہلے فون کیا اور جب اس کی بیماری کا معلوم ہوا تو اسی وقت خود چلا آیا حالانکہ جان گیا تھا کہ اس کی اس حالت کا ذمہ دار وہی ہے اور وہ اس کی دیدہ دلیری پر حیران رہ گئی۔ کس دھڑلے سے اسکے کمرے میں چلا آیا تھا۔ امی نے اسے بیٹھنے کو کہا اور خود کسی کام کے بہانے کمرے سے چلی گئیں تو وہ کرسی اس کے بیڈ کے قریب کھینچ کر بولا۔

"بہت بے وقوف ہو تم، ایک ذرا سی بات کو اتنا خود پر طاری کر لیا۔"

پھر اُس کے شاکی نظروں سے دیکھنے پر نظریں چُرا کر بولا۔

"حقیقت جانے بغیر تمہیں بدگمان نہیں ہونا چاہیے۔ کیا یہاں سے جاتے سمے میں اپنا دل اور دل میں بسنے والا ہر جذبہ تمہارے نام نہیں کر گیا تھا تو میرا یقین کرو ثوبیہ!"

"خدا کے لیے توصیف احمد بس کریں۔" وہ انتہائی عاجزی سے آواز دبا کر چیخی۔

"میرے گرد لفظوں کا جال مت بنیں۔ یہ آپ مردوں کا شیوہ ہے۔ محبت کرنا جانتے نہیں لیکن محبتوں کا فریب ضرور دیتے ہیں۔"

"پلیز ثوبیہ! میری محبت پر شبہ نہیں کرو پہلے میری بات تو سن لو۔"

"مجھے کچھ نہیں سننا۔ آپ پلیز چلے جائیں یہاں سے۔" وہ سچ مچ متنفر ہو رہی تھی۔ اس کی طرف سے منہ موڑ گئی تو وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا پھر اسی خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا۔

یونہی کتنے دن گزر گئے۔ اس نے ابھی تک اس ستم ظریفی کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا تھا۔ بس اپنے آپ سوچتی اور کڑھتی رہتی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اس شخص کے ساتھ کیا سلوک کرے جو اس کی دنیا میں آگ لگا کر اسے بس ذرا سی بات قرار دے رہا تھا اور ایسے ناقابل اعتبار کے ساتھ وہ بقیہ زندگی کیسے گزارے گی۔

وہ مسلسل سوچتی اور اپنی ہر سوچ کے اختتام پر کتنی دیر تک نفی میں سر ہلاتی۔ گویا وہ کسی طرح بھی اس سے سمجھوتا کرنے پر آمادہ نہیں ہو پا رہی تھی۔ بہر حال پھر جیسا کہ اس کی رخصتی کا دارومدار خود اس کی رضامندی پر تھا کیونکہ توصیف کی طرف سے ملاقات کی شرط کے جواب میں اس

نے پہلے امی، ابو سے یہ یقین حاصل کیا تھا کہ فیصلے کا اختیار اسے ہوگا اور اس کا فیصلہ تسلیم بھی کیا جائے گا۔ اور اس وقت اسے صرف یہی خیال تھا کہ وہ اسے اس کی غلطی کا احساس دلائے گی، اس سے زیادہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی لیکن اب واقعی اسے سوچنا پڑ رہا تھا اور یہ اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ محبت کا تناور درخت جس کی جڑیں اس کے اندر بہت دور تک پھیلی تھیں اسے نکال پھینکنے پر وہ قادر نہیں تھی۔ عجیب متضاد کیفیات میں گھر گئی تھی۔ نہ دستبردار ہونے کو تیار نہ پانے کی خواہش جبکہ وہ اس روز کے بعد سے آیا ہی نہیں نہ فون کیا۔ قصداً خاموشی اختیار کیے ہوئے تھا۔ تا کہ وہ یکسوئی سے سوچ سکے۔ اس کے خیال میں اس کا ردعمل فطری تھا کیونکہ بالکل اچانک اسے ایسی بات معلوم ہوئی تھی جس کا اس نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا، اور جہاں اسے سرمد پر غصہ آتا جو انجانے میں اور بے موقع اس کا راز فاش کر گیا تھا وہاں خود اپنے آپ پر بھی جھنجھلاتا کہ اُس نے آتے ہی شادی کیوں نہ کر لی۔ خواہ مخواہ کی ضد کہ پہلے اُس سے ملاقات کرے گا۔ اور اب تو یوں لگ رہا تھا جیسے اپنی خواہ مخواہ کی ضد کی سزا مل رہی ہو۔ کسی پل قرار نہیں تھا۔ اس کے پاس جانے کا سوچتا لیکن ہمت نہیں پڑتی تھی۔

اُس روز کس قدر متنفر نظر آ رہی تھی وہ کاش وہ اس کی بات سن لیتی۔ حقیقتاً وہ اس سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا تھا پہلی ملاقات میں ہی اس نے سوچا تھا کہ وہ اسے نرما کے بارے میں سب کچھ بتا دے گا لیکن اس روز پہلے وہ کچھ روٹھی روٹھی سی تھی پھر اس کا موڈ ٹھیک ہوا تو وہ بھول گیا تھا۔ اور دوسری بار تو سرمد نے آ کر ساری گڑبڑ کر دی۔ ورنہ شاپنگ کے بعد وہ اطمینان سے اسے چائنیز لے جاتا اور پھر اپنی رام کہانی سناتا تو کم از کم وہ اس سے اس حد تک متنفر تو نہ ہوتی۔ بہر حال اس نے قصداً خاموشی تو اختیار کر لی لیکن خود بہت ڈسٹرب تھا۔ اوپر سے اماں نے اور پریشان کر دیا۔

"اب کاہے کی دیر ہے میں آج ہی جاتی ہوں ثوبیہ کے گھر اور اسی مہینے کی تاریخ لے آؤں گی۔"

"نہیں اماں! ابھی نہ جائیں۔" وہ بوکھلا کر فوراً بولا۔

"کیوں تم اس سے مل تو چکے ہو اور یہی تمہاری شرط تھی پھر کیوں منع کر رہے ہو؟"

"میں منع نہیں کر رہا۔ وہ۔" خدشہ اس کے لبوں تک آتے آتے رہ گیا کہ کہیں وہ منع نہ کر دے۔ فوراً سنبھل کر بولا۔ "میرا مطلب ہے کچھ دن رُک جائیں۔"

"وہی تو پوچھ رہی ہوں، کیوں؟" ماں اب کچھ سننے کو تیار نہیں تھیں وہ جز بز ہو کر بولا۔

"ابھی میں لاہور جا رہا ہوں وہاں پتا نہیں مہینہ دو مہینے لگ جائیں۔"

''لاہور کیا کرنے جاؤ گے؟''

''کام ہے آفس کا...... اور بہت ضروری ہے۔ بس وہاں سے آجاؤں پھر چاہے آپ اسی مہینے کی تاریخ رکھ دیجیے گا۔'' وہ بمشکل خود پر قابو پا کر۔ لہجے کو خوشگوار بنا سکا تو اماں کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہیں پھر سمجھاتے ہوئے کہنے لگیں۔

''بیٹا تمہیں ان کی مجبوری سمجھنا چاہیے۔ وہ کب تک اپنی لڑکی کو بٹھائے رکھیں گے۔ اس سے چھوٹی بیہ کی شادی ہوگئی۔ کیا لوگ باتیں نہ بناتے ہوں گے۔ اگر نکاح نہ ہوا ہوتا تو وہ یقیناً اس کے لیے کوئی اور رشتہ دیکھتے۔''

''مجھے احساس ہے اماں۔'' وہ سر جھکاتے ہوئے بولا۔ صحیح معنوں میں اُسے اب احساس ہو رہا تھا۔

''خاک احساس ہے۔ پتا نہیں کیا سوچتے ہوں گے وہ لوگ۔ خیر میں آج جا رہی ہوں۔ بتا دوں گی انہیں کہ تم لاہور جا رہے ہو۔ مہینے دو مہینے بعد آؤ گے تو شادی کی تاریخ رکھ دیں گے۔''

''انہیں بتانے کی کیا ضرورت ہے؟''

''اطمینان ہو جائے گا انہیں۔'' اور اماں بڑے اطمینان سے انہیں اطمینان دلانے چل دیں۔ وہ پہلے تو دیکھتا رہ گیا پھر کسی خیال کے تحت فوراً اس کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ محض اتفاق تھا کہ دوسری طرف اُسی نے ریسیور اٹھایا اور اس کی آواز سنتے ہی وہ منت سے بولا۔

''پلیز ثوبیہ! فون بند نہیں کرنا۔ بس میری ایک بات سن لو۔''

''فرمایئے۔'' اس کے لہجے کی بیزاری اُسے بُری طرح محسوس ہوئی۔ جب ہی رُک کر بولا۔

''وہ ایسا ہے کہ ابھی اماں تمہاری طرف آ رہی ہیں۔''

''پھر؟'' اُس نے حد درجہ کٹھور پن کا مظاہرہ کیا۔

''پہلے یہ تو پوچھو کہ وہ کیوں آ رہی ہیں؟''

''سوری، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔''

''دیکھو ثوبیہ! اس طرح بات نہیں کرو۔'' وہ بہرحال مرد تھا ایک حد تک ہی برداشت کر سکتا تھا۔ پھر دوسری طرف کھڑی لڑکی اس کی دسترس سے بہت دور بھی نہیں تھی۔ شرعی و قانونی حق حاصل کر چکا تھا چاہتا تو اسی وقت سب کے درمیان سے اُسے اٹھا کر لا سکتا تھا اور اپنے اسی حق کے باعث ٹوک کر کہنے لگا۔

''تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ تم میری منکوحہ ہو۔''

''یاد رکھ کر ہی تو خسارے میں رہی ہوں۔''

اُس نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ جس سے وہ جھنجھلا گیا۔ پھر اس کے پاس اماں کا انتظار کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا اور وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔

☆

دکھ کی کیفیت سے نکل کر اب وہ غصے کی حالت میں تھی۔ یعنی ایک تو چوری اُوپر سے سینہ زوری۔ وہ بہت تلملا کر سوچ رہی تھی کہ وہ خود تو قابل بھروسہ نہیں رہا تھا اور اس کی آزمائش چاہتا تھا کہ پہلے دیکھوں گا، آیا وہ میری ہم مزاج ہے کہ نہیں۔ مزید اب رعب جما رہا تھا کہ تم میری منکوحہ ہو۔

''ہونہہ!'' وہ سر جھٹک کر کچن میں آ گئی۔ بھابھی ٹرے میں لوازمات سجا رہی تھیں۔ وہ سمجھ گئی توصیف کی اماں آ چکی ہیں پھر بھی قصداً انجان بن کر پوچھنے لگی۔

''کون آیا ہے بھابھی؟''

''تمہاری ساس۔'' بھابھی نے پہلے کام میں مصروف رہ کر جواب دیا۔ پھر اُسے دیکھ کر مسکرا کر کہنے لگیں۔ ''لگتا ہے آج تو بڑی بی تاریخ لے کر ہی جائیں گی۔''

''کیا مطلب؟'' وہ ٹھٹھک گئی۔ ''کیا اسی مقصد سے آئی ہیں۔''

''ہاں شاید۔ امی سے کہہ رہی تھیں کہ توصیف ایک دو مہینے کے لیے لاہور جا رہا ہے۔ اس کے واپس آتے ہی شادی کریں گے اور اسی حساب سے تاریخ رکھنے کو کہہ رہی تھیں۔''

''اچھا۔'' بھابھی کے سامنے وہ اس قدر کہہ کر پھر فوراً وہاں سے اپنے کمرے میں آ گئی اور بہت مضطرب سی اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگی۔ اندیشہ تھا کہیں امی اس سے پوچھے بغیر ہاں نہ بھر لیں۔ گو کہ وہ آپی کو بتا چکی تھی کہ ابھی وہ شادی نہیں کرنا چاہتی اور پتا نہیں انہوں نے امی سے کیا کہا تھا۔ پھر اب تو صورتِ حال ہی اور تھی یعنی وہ شادی شدہ تھا اور اس بارے میں اس نے ابھی کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا، کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس حقیقت کو جان کر امی ابو کا ردِ عمل کیا ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ابو غصے میں آ کر فوراً اس رشتے کو ختم کرنے کی بات کرتے یا پھر اس کے برعکس اُسے مجبور کیا جاتا اور ان دونوں باتوں سے ہٹ کر وہ خود سے کوئی فیصلہ کرنا چاہتی تھی جب ہی کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ حالانکہ وہ حد درجہ متنفر ہو چکی تھی۔

دل یہی چاہتا تھا کہ اپنی محبت کے قاتل کو کبھی معاف نہ کرے اور ہمیشہ کے لیے اُس سے قطع تعلق کر لے لیکن کیونکہ وہ جذباتی لڑکی نہیں تھی اس لیے دل کی باتیں سننے کے باوجود فوری عمل کرنے کے بجائے دوسرے پہلوؤں پر سوچنے بیٹھ جاتی تو ہر پہلو سے خود کو خسارے میں محسوس کرتی۔

محبت سے دستبردار ہو کر دل کو سمجھایا جا سکتا تھا۔ لیکن اس کے بعد اپنی طرف ہونے والی سنگ باری کو وہ نہیں روک سکتی تھی۔ ظاہر ہے پانچ سال کم نہیں ہوتے۔ جہاں سب اُس کی رخصتی کے منتظر تھے وہاں وہ طلاق لے کر اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ بہر حال ان ساری باتوں کو سوچنے اور سمجھنے کے باوجود وہ فوری شادی پر تیار نہیں تھی۔ اس لیے اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ امی کو بلا کر انہیں منع کر دے کہ وہ ابھی شادی کے لیے ہامی نہ بھریں لیکن مسئلہ یہ تھا کہ ابھی تک امی نے براہِ راست اُس سے اس سلسلے میں بات نہیں کی تھی آپی یا اَب بیہ کا سہارا لیتیں اس لیے اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

کتنی دیر تک اپنی بے بسی پر کڑھتی رہی پھر محض دھیان ہٹانے کی خاطر میگزین اُٹھا کر اُس کی ورق گردانی کرنے لگی۔

توصیف کی اماں چلی گئیں۔ اس کے بعد وہ کمرے سے نکلنے کا سوچ رہی تھی کہ امی خود آ گئیں۔ غالباً ان کے پاس وقت نہیں تھا کہ پہلے آپی کو بلاتیں پھر اپنی بات اس تک پہنچاتیں خود ہی کہنے لگیں۔

''توصیف کی اماں شادی کی تاریخ لینے آئی تھیں۔ اور میرا بھی یہی خیال ہے کہ اب مزید دیر نہیں ہونی چاہیے۔ انہوں نے دو مہینے بعد کا کہا ہے۔''

امی خاموش ہو کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں اور اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ انہوں نے اسے خبردار کیا ہے یا اُس کی رضامندی مانگی ہے۔ جبھی چپ چاپ انہیں دیکھے گئی تو قدرے توقف سے وہ کہنے لگیں۔

''میں آج تمہارے ابو سے بات کر لیتی ہوں پھر انہیں تاریخ دے دیں گے۔''

''نہیں۔'' اس کے منہ سے بلا ارادہ ہی نکل گیا۔ پھر فوراً سنبھل کر کہنے لگی۔ ''میرا مطلب ہے میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔''

''کیوں؟'' امی کا انداز تیکھا تھا اس لیے، وہ ان سے اصل بات کہنے سے ہچکچا گئی اور کچھ رُک کر بولی۔

''اس لیے کہ میں نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا!''

''ثوبیہ!'' امی تنبیہی لہجے میں ٹوک کر بولیں۔

''یہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے کہ کبھی توصیف کوئی شرط لے کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کبھی تم۔ اور اَب تم کیا فیصلہ کرنا چاہتی ہو۔ اوّل تو توصیف میں کوئی برائی نہیں اور اگر ہوتی بھی تو اس

مقام پر ہم سوئے نظر انداز کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔''

''لیکن میں کیا کروں، چاہوں بھی تو نظر انداز نہیں کر سکتی۔'' اس کے عاجزی سے کہنے پر امی چونک کر بولیں۔

''کیا مطلب، کیا نظر انداز نہیں کر سکتی؟'' اور وہ پہلے شش و پنج میں گرفتار ہوئی پھر ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی، تو امی کچھ پریشان ہو کر قریب آ گئیں اور اسکے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولیں۔

''ثوبیہ! کیا بات ہے بیٹا! مجھے بتاؤ۔ یوں رو کر مجھے پریشان مت کرو۔ جانتی ہو میرا بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا ہے۔'' اُن کی آخری بات پر وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑنے لگی، پھر سر جھکا کر بولی جیسے یہ توصیف کا نہیں خود اس کا جرم ہو۔

''وہ توصیف نے امریکہ میں شادی کر لی تھی۔''

''کیا؟'' امی ایک دم سناٹے میں آ گئیں۔ اس نے دزدیدہ نظروں سے دیکھا پھر اپنے کندھے پر رکھے اُن کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ چونک کر پوچھنے لگیں۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ کیا توصیف نے خود بتایا ہے؟'' اُس نے نفی میں سر ہلایا۔

''پھر؟''

''بس معلوم ہو گیا۔''

''ایسے کیسے کسی نے کہہ دیا اور تم نے یقین کر لیا۔''

''ایسے ہی نہیں، کسی نے کہا اور توصیف نے جھٹلایا بھی نہیں۔ پھر کیسے یقین نہ کروں۔''

اس نے کہا تو امی کتنی دیر تک پرسوچ انداز میں اسے دیکھتی رہیں۔ پھر پوچھنے لگیں۔

''اب کہاں ہے اس کی بیوی؟''

''پتا نہیں۔ شاید وہیں امریکہ میں ہے۔''

وہ انکشاف کر کے بہت عجیب سا محسوس کر رہی تھی جبھی جز بز ہو کر بولی۔

''کیا اس کی اماں کو معلوم ہے؟'' امی کے ذہن میں مسلسل سوال اُٹھ رہے تھے اور وہ اُلجھ کر بولی۔

''مجھے یہ سب نہیں معلوم میں نے زیادہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی۔ اب بتائیں میں کیا کروں؟ کیا یہ بات نظر انداز کر دینے والی ہے؟''

امی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئیں اور خود کلامی کے

انداز میں بولنے لگیں۔

"یہ تو اچھا نہیں کیا توصیف نے۔ اسی خدشے کے پیش نظر تو ماں بہن نے پہلے ہی یہاں نکاح کیا پھر بھی۔ دیکھنے میں تو ایسا نہیں لگتا۔ اب میں تمہارے ابو کو بتاؤں گی، تو کتنا افسوس ہوگا انہیں۔"

پھر اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگیں۔

"سنو، تم ابھی کسی سے ذکر نہیں کرنا اور دیکھو دل پر بوجھ نہیں ڈالو، پتا نہیں اصل حقیقت کیا ہے؟"

"اصل حقیقت تو یہی ہے امی کہ وہ شادی کر چکے ہیں۔"

"ہاں لیکن۔" امی کچھ کہتے کہتے رہ گئیں پھر اٹھتے ہوئے بولیں۔ "بہر حال تم کسی سے ذکر نہیں کرنا۔ اور اطمینان رکھو تمہارے ساتھ کوئی زبردستی نہیں ہوگی۔"

اس نے خاموشی سے امی کو جاتے ہوئے دیکھا۔ پھر آزردگی میں گھر کر پیشانی گھٹنوں پر رکھ لی۔ امی کو بتا کر جانے کیوں دل کا بوجھ بجائے کم ہونے کے اور سوا ہوگیا تھا۔ گو کہ یہ حقیقت چھپنے والی نہیں تھی، جیسے اس پر آشکار ہوئی اسی طرح کبھی نہ کبھی اور سب بھی جان جاتے۔ لیکن پتا نہیں کیوں اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ شخص جو سب کی نظروں میں ایک مقام رکھتا تھا۔ اس کی لغزش کے قصے زبان زد عام ہوں، اور اس سوچ میں محبت کے ساتھ اس بندھن کا بھی دخل تھا۔ گویا اس کے لاشعور میں یہ بات موجود تھی کہ وہ بہر حال اس کا شوہر ہے۔

☆

پھر اگلے دو تین روز تک وہ منتظر رہی کہ امی پھر اس سلسلے میں بات کر کے اسے کریدنے کی کوشش کریں گی۔ لیکن انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی البتہ اس رات ابو نے اسے اپنے کمرے میں بلا لیا۔ پہلے یونہی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر پوچھنے لگے۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"جی!" اس نے چونک کر دیکھا تو کہنے لگے۔

"بیٹا! شادی تو تم ابھی کرنا نہیں چاہتیں اور مجھے تمہارا یوں بیکار بیٹھنا اچھا نہیں لگتا۔ کسی اور سبجیکٹ میں ماسٹر کر لو یا اور بہت سے کورسز ہیں۔ میرا مطلب ہے خود کو مصروف کرو۔"

پھر خوبصورتی سے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہنے لگے۔

"دھیان بٹانا ضروری ہے بیٹا! ورنہ مسلسل ایک ہی بات کو سوچ سوچ کر اور اس پر کڑھتے ہوئے تم کبھی صحیح فیصلہ نہیں کر سکو گی، پہلے اپنے اندر کی گھٹن سے نجات حاصل کرو پھر سوچو

اور مجھے یقین ہے بیٹا کہ تم کبھی غلط فیصلہ نہیں کرو گی، بس ایک بات کا خیال رکھنا کہ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے توصیف کو صفائی کا موقع ضرور دینا، میری بات سمجھ رہی ہو ناں۔"

"جی۔" اس نے سر جھکا لیا۔ تو ابو نے مزید اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا گویا ان کے نزدیک اتنا ہی کافی تھا اور دوبارہ پہلی بات کی طرف آ گئے۔

"ہاں تو اب کیا کرنا چاہو گی؟" اور وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں جاب کرلوں؟"

"تمہاری مرضی، میری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے۔"

"شکریہ ابو" اس نے کہا پھر ان کی اجازت سے اپنے کمرے میں آ گئی۔

ابو نے ٹھیک کہا تھا کہ دھیان بٹانے کی ضرورت ہے گزشتہ ایک ماہ سے وہ مسلسل ذہنی انتشار کا شکار تھی۔ اب پہلے مرحلے پر ہی یعنی "ضرورت ہے" کے اشتہار دیکھتے ہوئے اس کا دھیان بٹ گیا تو ایک طرح سے اس نے خود کو پر سکون محسوس کیا۔

ورنہ تو لگتا تھا کسی بھی وقت اس کا ذہنی توازن بگڑ جائے گا۔ بہر حال ایک دو جگہ اس نے اپلائی کر دیا اور کوئی دو ہفتے بعد ایک جگہ سے انٹرویو کال آئی تو وہ خوش ہوگئی۔ امی کو بتا کر ان کے کمرے سے نکل رہی تھی کہ فون کی بیل سن کر لابی میں آ گئی۔ ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔

"کیسی ہو ثوبیہ؟" اس کے لہجے کی غیر معمولی سنجیدگی پر اس کا دل ڈوبنے لگا کچھ رک کر بولی۔

"آپ کیسے ہیں؟"

"کسی نا کردہ گناہ کی سزا بھگت رہا ہوں، مزید ستم یہ کہ سزا کی مدت بھی معلوم نہیں۔"

"کیا واقعی نا کردہ گناہ ہے؟" اس کے لہجے میں آپ ہی آپ طنز آ سمایا۔

"میرے نزدیک، البتہ تم جو چاہو سمجھ سکتی ہو۔"

"لاہور سے کب آئے؟" وہ بات بدل گئی۔

"لاہور نہیں گیا، بلکہ مجھے جانا ہی نہیں تھا۔ وہ تو محض اماں کو تمہاری طرف آنے سے روکنے کی خاطر، خیر چھوڑو، کوئی اور بات کرو۔"

وہ خاموش رہی تو قدرے توقف سے کہنے لگا۔

"سنو، میں تم سے ملنا چاہتا ہوں، دیکھو منع نہیں کرنا۔"

"سوچوں گی۔"

اس نے کہہ کر فون بند کر دیا اور اپنے کمرے میں آئی تو اس کے لہجے کی آزردگی کو بری

طرح محسوس کر رہی تھی اور اپنی یہی کیفیت اسے پریشان کرتی تھی کہ کبھی ایک دم تنفر ہو جاتی اور کبھی دل چاہتا سب بھلا دے۔ ملنا چاہتی اور ملنے کا خیال پریشان بھی کرتا۔ جبھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ اس وقت بھی وہ بہت کوشش کے باوجود اس کے خیال کو جھٹک نہیں سکی، ایسے ہی گم صم سی بیٹھی تھی کہ بیہ آ گئی۔ شادی کے بعد وہ کافی موٹی ہو گئی تھی لیکن انداز ویسے ہی بچگانہ سے تھے۔ اس کے سامنے دھم سے گری تو وہ اپنی جگہ اُچھل گئی جس پر وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

''توبہ ہے بیہ تم تو دن بدن پھیلتی جا رہی ہو۔ کچھ کنٹرول کرو خود پر ورنہ پھٹ جاؤ گی۔''

اس نے کہا تو بیہ اور زور سے ہنسی۔

''فیصل بھی یہی کہتے ہیں لیکن میں کیا کروں؟''

''ڈائیٹنگ کرو۔'' اس کا مشورہ بیہ کو بالکل پسند نہیں آیا منہ بنا کر بولی۔

''اوں، مجھ سے نہیں ہو گی۔'' پھر پوچھنے لگی۔ ''کیا بہت بری لگتی ہوں۔''

''یہ تو فیصل سے پوچھو۔''

''وہ کہتے ہیں بری تو نہیں لگتیں بس ڈرتا ہوں کہیں لوگ تمہیں میری آپا جان نہ سمجھنے لگیں۔''

اس نے بڑی سادگی سے بتایا اور وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

''ٹھیک تو کہتے ہیں۔''

''کوئی نہیں۔ وہ پہلے اپنے آپ کو تو دیکھیں، گنجا سر موٹی توند۔''

''چہ چہ شرم کرو، شوہر ہیں تمہارے۔'' اس نے فوراً ٹوکا تو مسکرا کر بولی۔

''غلط تو نہیں کہہ رہی۔ کیا ان کا سر گنجا نہیں ہے اور کیا۔''

''اچھا بس یہ کوئی خامیاں نہیں ہیں۔ اصل تو انسان کا کردار ہوتا ہے، مزاج ہوتا ہے اور اس لحاظ سے تو وہ بہت اچھے ہیں تمہیں چاہتے بھی بہت ہیں۔''

وہ فیصل کی خوبیاں گنوا کر بولی تو بیہ نے فوراً اعتراف کیا۔

''یہ تو ہے۔''

''بس تو اور کیا چاہیے تمہیں؟''

''مجھے تو واقعی کچھ نہیں چاہیے، تم بتاؤ تم نے کیا سوچا ہے؟''

''میں جاب کر رہی ہوں، دیکھو آج ایک جگہ سے انٹرویو کی کال آئی ہے۔''

وہ سمجھ گئی تھی کہ بیہ کا اشارہ توصیف کی طرف ہے پھر بھی یکسر انجان بن گئی، اور تکیے کے نیچے سے لفافہ نکال کر اسے دکھانا چاہتی تھی لیکن وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر بولی۔

''یہ جاب کا مشورہ کس نے دیا ہے تمہیں؟''

''ابو نے، نہیں میرا مطلب ہے ابو کو میرا فارغ بیٹھنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ میں نے سوچا جاب کر لوں۔''

''میں سمجھی نہیں۔'' بیہ واقعی اُلجھ گئی۔ کیونکہ اسے ابھی اصل صورت حال معلوم نہیں تھی۔

''اور وہ تمہاری شادی اُس میں کیا مسئلہ ہے؟''

''کوئی مسئلہ نہیں، بس میں ابھی کرنا نہیں چاہتی۔'' وہ نظریں چرا کر بولی۔

''کیوں؟''

''کوئی خاص بات نہیں ہے یار چھوڑو اس قصے کو، یہ بتاؤ امی سے ملی ہو۔'' اس نے جھنجھلا کر بات بدلی۔

''ہاں سب سے مل کر آ رہی ہوں۔'' بیہ جواب دے کر پھر اسی بات پر آ گئی۔ ''نہیں آخر تم شادی سے کیوں منع کر رہی ہو اور ابو نے بھی بڑے آرام سے تمہیں جاب کی اجازت دے دی، مجھے تو کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے۔ سچ بتاؤ ثوبیہ، کیا ہوا ہے؟''

''کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔ بے شک امی سے پوچھ لو۔'' اس نے اکتا کر کہا تو بیہ کچھ دیر تک کھوجتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر پوچھنے لگی۔

''توصیف بھائی آتے ہیں؟''

''ابھی تمہارے آنے سے کچھ دیر پہلے فون آیا تھا ان کا۔ ٹھیک ٹھاک ہیں، تمہارا پوچھ رہے تھے۔''

بیہ نے توصیف کے آنے کا پوچھا اور وہ اُس کے فون کا بتا کر قصداً مبالغہ آرائی سے کام لینے لگی، بہت ہلکا پھلکا انداز تھا اور تھوڑی کوشش سے وہ بیہ کا دھیان بٹانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

☆

وہ انٹرویو دے کر نکلی تو کچھ مایوس تھی کیونکہ اتنی بہت ساری لڑکیاں تھیں اور اسے نہیں امید تھی کہ قسمت خاص اس پر مہربان ہو گی، بلکہ قسمت سے تو وہ یوں بھی شاکی تھی۔ بہرحال ایسے ہی مایوسی کے عالم میں اسٹاپ پر کھڑی تھی کہ توصیف نے گاڑی بالکل اس کے قریب آن روکی۔ غالباً دور ہی سے دیکھ لیا تھا اور وہ ایک دم پیچھے ہٹی پھر اس پر نظر پڑی تو رُک گئی، جس پر اس نے فوراً دروازہ کھول دیا۔

''آ جاؤ، میں ڈراپ کر دوں گا۔'' وہ فوراً بیٹھنے کے بجائے دور سے آتی بس کو دیکھنے لگی۔

''کم آن ثوبیہ!'' وہی لہجہ جس پر سب بھلا دینے کو دل چاہتا تھا۔ اس نے ہونٹ بھینچ کر دیکھا پھر بیٹھتے ہی بولی۔

''مجھے گھر جانا ہے!''

''گھر ہی لے جاؤں گا۔'' ذومعنی جملہ کہہ کر اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ پھر قدرے توقف سے پوچھنے لگا۔

''یہاں کس سلسلے میں آئی تھیں؟''

''انٹرویو کے لیے آئی تھی۔''

''انٹرویو؟'' پھر فوراً سمجھ کر بولا۔ ''جاب کا ارادہ ہے؟''

''ہوں۔'' وہ مختصر جواب دے کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی، اب خود پر غصہ آ رہا تھا کہ کیوں اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''سنو!'' کچھ دیر بعد اسے متوجہ کرنا پڑا۔ ''اس طرح منہ موڑ کر مت بیٹھو پلیز۔''

''کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ تاسف سے کہہ کر سامنے دیکھنے لگی۔

''کیا بہت ناراض ہو؟''

''میں کیوں ناراض ہونے لگی۔ اور اگر ہوں بھی تو۔''

''مجھے بہت فرق پڑے گا۔'' وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔ ''جو زندگی میں کچھ کشش محسوس ہوتی ہے، وہ بھی نہیں ہوگی۔''

''اچھا!'' وہ استہزائیہ ہنسی۔

''تمہیں شاید میرا یقین نہیں ہے۔''

''آپ کس طرف جا رہے ہیں؟'' وہ اس کی بات یکسر نظر انداز کر کے اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے لگی۔

''فکر مت کرو، تمہیں گھر ہی لے جاؤں گا۔'' وہ جز بز سی ہو کر خاموشی اختیار کر گئی اور کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کرنے کے بعد وہ کہنے لگا۔

''سنو، نرما کے بارے میں نہیں پوچھو گی؟''

''کیا پوچھوں؟'' وہ اُلٹا اس سے پوچھنے لگی تو وہ ذرا سے کندھے اچکا کر بولا۔

''یہی کہ کون ہے وہ اور میں نے اس سے شادی کیوں کی وغیرہ وغیرہ۔''

''یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔'' وہ اس کے حد درجہ کٹھور پن پر چیخ پڑا۔

''میرا ذاتی معاملہ اور تمہارا میری ذات سے کوئی تعلق نہیں بتاؤ۔ کیا ہمیشہ اسی طرح مجھ سے لاتعلق رہ سکتی ہو تم۔''

معاً احساس ہونے پر ہونٹ بھینچ گیا اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے لگا۔

''بہرحال تمہیں جاننے سے دلچسپی ہے یا نہیں، میں بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ نرما سے مجھے جذباتی وابستگی نہیں تھی اور ہو سکتی بھی نہیں تھی کیونکہ میں اپنا دل اور دل میں بسنے والا ہر جذبہ یہیں تمہارے نام کر گیا تھا اس کے بعد میرے پاس کیا تھا جو میں کسی اور کی جھولی میں ڈالتا۔ بلکہ نرما نے تو مجھے سنو مین (برف کا آدمی) کا خطاب دے ڈالا تھا کیونکہ اسے دیکھ کر میرے اندر کبھی ہلچل نہیں مچی، یوں سمجھو، وہ میری زندگی میں آئی ہی نہیں کیونکہ ایک مجبوری کا بندھن تھا جسے میں مجبوری میں سمجھ کر بھی نہیں نبھا سکا۔''

وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا، کہ وہ کوئی سوال کرے گی، لیکن وہ کچھ نہیں بولی تب وہ تفصیل بتاتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں جب یہاں سے گیا تو میرے لیے سب سے بڑا مسئلہ رہائش کا تھا کیونکہ کچھ لیٹ ہو جانے کی وجہ سے ہاسٹل میں مجھے جگہ نہیں ملی تھی۔ ایک پاکستانی بھائی نے ازراہِ ہمدردی کچھ دن اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔ اسی دوران میں نے کوشش کی کہ کسی کو اپنے ساتھ شریک کر کے ایک چھوٹا سا اپارٹمنٹ کرائے پر لے لوں اور ایسا تو نہیں ہوا، البتہ نرما کے اپارٹمنٹ میں بطور پے انگ گیسٹ، میرا مسئلہ حل ہو گیا۔ نرما اپنی امریکن ماں کے ساتھ رہتی تھی اس کا باپ پاکستانی تھا اور اس کی وہی پرانی کہانی تھی یعنی اس کا باپ بغرض تعلیم امریکہ گیا تھا۔ اس کی ماں سے شادی کی اور جب تک وہاں رہا اس بندھن کو نبھایا پھر جب تعلیم ختم ہو گئی تو واپس آنے سے پہلے اُسے طلاق دے آیا۔ اس وقت نرما دو سال کی تھی۔ بہرحال نرما اور اس کی ماں نے مجھے یہی کہانی سنائی تھی۔ مجھے نہیں معلوم اس میں کتنی صداقت ہے اور مجھے اس سے کوئی غرض بھی نہیں تھی، ظاہر ہے میرا مسئلہ رہائش تھا اور میں غلط بیانی سے کام نہیں لوں گا ثوبیہ! حقیقت یہ ہے کہ رہائش کے ساتھ مجھے کچھ گھر کا سا آرام مل گیا تھا۔ یعنی تنہائی محسوس نہیں ہوتی تھی، گو کہ نرما اور اس کی والدہ کی اپنی اپنی جاب تھی پھر دوسری مصروفیات اس کے باوجود رات میں ہم ساتھ کھانا کھاتے اس کے بعد بھی کچھ دیر گپ شپ رہتی جو اپنے گھر سے دوری کے احساس کو کسی حد تک کم کر دیتی تھی اور یقین کرو میں نے ابتدا ہی میں اُن دونوں کو تمہارے بارے میں بتا دیا تھا اور یہ کہ میں آدھا شادی شدہ ہو چکا ہوں۔ پھر بھی نرما کی ممی نے مجھے مشکل میں ڈال دیا۔''

وہ پھر اس خیال سے خاموش ہوا کہ وہ کچھ کہے گی۔ لیکن اس نے تو جیسے خصوصاً اس

معاملے میں کچھ نہ کہنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ بس اس کے خاموش ہونے پر ایک لمحہ کو اسے دیکھا پھر فوراً سیدھی ہوگئی اور اس کا دیکھ لینا ہی کافی تھا کہ یہ یقین تو مل گیا تھا کہ وہ اس کی بات سن رہی ہے۔ جبھی وہ مزید گویا ہوا۔

"اصل میں نرما کی ممی کو کینسر تھا۔ پھر بھی میں کہوں گا بہت باہمت عورت تھی۔ مسلسل بیماری سے لڑتی رہی۔ میری موجودگی میں دوبار اس کی ایسی حالت ہوئی کہ میں سمجھا زندگی سے اس کا ناتا ٹوٹ رہا ہے، لیکن وہ کہتی میں ابھی نہیں مروں گی اور واقعی یوں لگا جیسے اس نے موت کو شکست دے دی ہو، پھر تیسری بار وہ ہمت ہار گئی یا شاید تھک گئی تھی۔ اس وقت جب میں نے کہا کہ وہ ٹھیک ہوجائے گی تو وہ مایوسی سے بولی تھی کہ نہیں اب میں ٹھیک نہیں ہوسکتی اور تبھی اس نے مجھے نرما سے شادی کرنے کو کہا تھا۔ وہی بات تھی کہ وہ بیٹی کی طرف سے پرسکون ہونا چاہتی تھی۔ اس کے بعد ظاہر ہے نرما کا کوئی نہیں تھا۔ بہرحال میں نرما سے شادی کے لیے تیار نہیں تھا۔ البتہ نرما کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اس کے دل میں کیا تھا۔ پہلے اس نے بھی شادی سے انکار کیا پھر جب ماں کی حالت دیکھی تو مجھ سے عاجزی سے بولی تھی کہ میں اس سے شادی کرلوں۔ ممی کو دکھانے کی خاطر ہی سہی۔ اس کے بعد جب چاہے اسے چھوڑ سکتا ہوں، یوں ایک مرتی ہوئی عورت کی آخری خواہش پوری کرنے کی خاطر ہماری شادی ہوئی۔ لیکن وہ شادی نہیں تھی ثوبیہ، کیونکہ نرما نے لال جوڑا ضرور پہنا لیکن تمہاری قسم میں نے اسے بیوی نہیں بنایا۔"

اس کے پہلو بدلنے پر ایک نظر اس پر ڈال کر بولا۔

"اس وقت اپنی عزیز ترین ہستی کی قسم کھانا میری مجبوری ہے، بہرحال اس کے بعد کوئی ہفتہ دس دن نرما کی ممی زندہ رہی تھیں پھر نرما کو فوراً طلاق دینا کوئی ایسا مشکل تو نہیں تھا لیکن وہ لڑکی بالکل تنہا ہوگئی تھی، پھر ایک صدمے سے دوچار تھی۔ مزید طلاق دے کر اسے یہ احساس دلاتا کہ میں بھی اس کا کچھ نہیں، یہ زیادتی میں نہیں کرسکا اور شاید یہی میرا جرم ہے کہ انسانیت کے ناطے میں نے اس کا دکھ شیئر کیا اس کی دلجوئی کی اور بس۔"

وہ بات ختم کرکے اسے دیکھنے لگا تو وہ راستے پر نظر دوڑاتے ہوئے بولی۔

"میرا خیال ہے اب گاڑی گھر کی طرف موڑ لیں۔"

وہ اس درجہ بے اعتنائی پر بری طرح سلگ گیا۔ لیکن بولا کچھ نہیں، فوراً ایک موڑ کاٹا اور اسپیڈ سے گاڑی بھگانے لگا۔ اس کی اچانک خاموشی اور لحظہ بہ لحظہ بڑھتی اسپیڈ اس کے غصے کو ظاہر کر رہی تھی، جس سے اندر ہی اندر وہ کچھ خائف سی ہوگئی اور جیسے ہی اس نے گھر کے سامنے گاڑی روکی

فوراً اُتر کر اندر چلی آئی۔

یہ نہیں تھا کہ اسے توصیف احمد کی باتوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ یقین کرنے کے باوجود عجیب سی الجھن میں گرفتار ہوگئی تھی۔ رات کتنی دیر تک وہ اس کی باتوں کو نئے سرے سے سوچتی رہی اور گو کہ کسی پہلو سے وہ اس پر شبہ نہیں کر رہی تھی، پھر بھی جانے کیسی کسک تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کہیں کوئی غلطی ضرور ہوئی ہے اور کتنا الجھنے کے بعد بھی وہ سمجھ نہیں پائی کہ بجائے خوش ہونے کے وہ بے چین سی کیوں ہے۔

صبح ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ آج آپی کی طرف چلی جائے کہ توصیف کا فون آگیا۔ کل جس طرح آخر میں وہ غصے میں آگیا تھا اس سے وہ ابھی تک خائف تھی، جبھی اس کی آواز سن کر کچھ گھبرا سی گئی اور وہ پہلے شکوہ کرتے ہوئے بولا۔

"تم نے تو شاید قسم کھا رکھی ہے خود.....فون نہ کرنے کی۔"

"نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔" اس کے بجھے ہوئے لہجے کو وہ نظر انداز کر گیا۔

"اچھا خیر، یہ بتاؤ پھر تم نے کیا سوچا ہے؟"

"کس بارے میں؟" وہ بلاارادہ کہہ گئی، تو وہ جیسے بمشکل خود پر ضبط کرنے کے بعد کہنے لگا۔

"دیکھو ثوبیہ! تم نہ نادان ہو نہ انجان، خود کو کتنا بھی لاتعلق ظاہر کرو، لیکن میں یقین سے کہہ رہا ہوں کہ تمہاری صبح بھی میرے نام سے ہوئی ہوگی اور شام بھی۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کل میری ساری باتیں سننے کے بعد تم نے کچھ سوچا نہ ہو۔" ٹھیک تو کہہ رہا تھا۔

وہ کسی طرح اسے جھٹلا نہیں سکتی تھی۔ جبھی کچھ رُک کر بولی۔

"آپ کا یقین غلط نہیں ہے۔ میں نے بہت سوچا لیکن کسی نتیجے پر نہیں پہنچی۔" معاً اس کی خوداعتمادی لوٹ آئی اور وہ پورے اعتماد سے بولنے لگی۔ "دیکھیں ناں توصیف احمد یہ کوئی معمولی یا مذاق کی بات تو نہیں تھی یعنی آپ نے نرما سے شادی کی خواہ کسی بھی مجبوری کے تحت آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا اسی وقت مجھے سارے معاملات لکھ بھیجتے، تب تو میں سمجھتی کہ آپ نے مجھ پر اعتماد کیا اور اب یوں لگ رہا ہے جیسے آپ نے مجھے کسی قابل سمجھا ہی نہیں۔"

"یہ بات نہیں ہے ثوبیہ! اصل میں سب کچھ اتنا اچانک ہوا، پھر میں تو آخر تک آمادہ نہیں تھا۔"

"چلیں مان لیتی ہوں، پھر یہاں آکر آپ نے کون سا بتا دیا۔ ایک تیسرے شخص کی زبانی انکشاف ہوا ناں!"

''میری جان جو قصہ ختم ہو چکا تھا۔ اسے دہرانا کوئی ایسا ضروری تو نہیں تھا پھر بھی میں تمہیں بتانا چاہتا تھا لیکن کب بتاتا۔ ہماری ملاقات بس۔'' وہ قدرے اطمینان سے ہوا کہ کسی طرح وہ بات کرنے پر آمادہ تو ہوئی۔ لیکن وہ اس کے طرز تخاطب پر پھر نروس سی ہو گئی تھی۔ جبھی کچھ بول نہیں سکی اور وہ پوچھنے لگا۔

''کیا سوچنے لگیں؟''

''کچھ نہیں، بس آپ انتظار کریں۔''

''کتنا انتظار؟''

''برس دو برس یا۔''

''بس......!'' وہ ٹوک کر کہنے لگا۔ ''میں اتنا انتظار نہیں کر سکتا۔ شام میں فون کروں گا۔ اس وقت بتا دینا کہ میں اماں کو کب بھیجوں۔''

''لیکن۔'' وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن دوسری طرف فون بند ہو گیا۔ وہ ریسیور رکھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اب آپی کی طرف جانے کا موڈ نہیں رہا تھا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر کہ آج کوئی خاص کام بھی نہیں ہے وہ تیار ہو گئی۔

آپی کے گھر میں اتفاق سے سب موسمی بخار کی لپیٹ میں آئے ہوئے تھے۔ بچے آپی اور ان کی ساس سارا گھر الٹا پڑا تھا۔ وہ پریشان ہو گئی اور آپی سے اُلجھنے لگی۔

''اتنی غیریت برتنے لگی ہیں آپ۔ کم از کم فون ہی کر دیتیں۔ آدمی دکھ سکھ میں بھی ایک دوسرے کے کام نہ آئے تو اور وہ دولہا بھائی کہاں ہیں؟''

''آفس۔ وہ بھی آج ہی گئے ہیں۔ تین دن سے وہ بھی پڑے ہوئے تھے، اور اماں بے چاری الگ۔'' آپی بتاتے ہوئے اٹھ بیٹھیں۔

''حد کرتی ہیں آپ بھی۔'' وہ تاسف کا اظہار کرتی بچوں کے پاس آئی۔ انہیں چھو کر دیکھا پھر ان سے کھانے کا پوچھا تو آپی کہنے لگیں۔

''بس ایک ایک پاپا کھایا ہے دونوں نے، ڈاکٹر نے دلیہ بتایا ہے اور اماں کے لیے کھچڑی، اگر بنا دو تو۔''

''میں ابھی بنا دیتی ہوں۔'' وہ آپی کے کمرے سے نکل کر پہلے ان کی ساس کے پاس آئی۔ کچھ دیر ان کا حال احوال پوچھا پھر کچن کا رخ کیا۔ دونوں چولہوں پر دلیہ اور کھچڑی ایک ساتھ چڑھا کر برتن دھو ڈالے۔ پھر پہلے سب کو کھلا پلا کر دوا دی۔ اس کے بعد صفائی میں لگ گئی، تین چار

دن سے جھاڑو نہیں لگی تھی۔ اتنی گرد تھی۔ آپی اور ان کی ساس بھی منع کرتی رہیں لیکن وہ کام میں لگی رہی۔ بچوں کی اُلٹیوں سے چادریں اور کتنے کپڑے خراب ہو چکے تھے، وہ بھی دھو ڈالے۔ سارا دن اسی میں گزر گیا۔ امی کو اس نے دوپہر ہی میں فون کر دیا تھا کہ اگر آپی کی طبیعت ٹھیک ہوئی تو وہ شام میں آ جائے گی ورنہ نہیں۔ شام میں دولہا بھائی ڈاکٹر کو ساتھ لے کر آئے۔ اسی وقت امی کا فون آ گیا۔ سب کی خیریت معلوم کرنے کے ساتھ انہوں نے اس کی واپسی کا پوچھا تو اس نے منع کر دیا۔

''نہیں امی! آج میں یہیں رُک جاتی ہوں۔ آپی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ صبح آپ آ جایئے گا۔''

''کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے۔'' امی تشویش میں مبتلا ہونے لگیں تو وہ فوراً بولی۔

''نہیں نہیں، پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ موسمی بخار ہے اور ایسی حالت میں وہ بچوں اور اماں کی تیمارداری تو نہیں کر سکتیں پھر گھر کا کام الگ۔ ایسا نہ ہو زیادہ بیمار پڑ جائیں۔ اس لیے میں نہیں آ رہی۔''

''اچھا اچھا۔ میں صبح آؤں گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ فون رکھ کر کمرے میں آئی تو دولہا بھائی ممنونیت کے ساتھ بولے۔

''شکریہ ثوبیہ۔ تم نے آ کر بہت اچھا کیا۔ میں سارا دن پریشان رہا کہ پتا نہیں گھر کی کیا حالت ہو گی؟''

''آپ کو پہلے ہی مجھے بلا لینا چاہیے تھا۔''

''میں نے کہا تھا ان سے لیکن یہ کہنے لگے پتا نہیں تم کیا سوچو کہ گھر میں ضرورت پڑی ہے تو بلا رہے ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے آپ ہمیں اپنا نہیں سمجھتے۔''

''ارے نہیں، تمہاری آپی تو بس۔'' وہ آپی کو گھورنے لگے تو وہ فوراً موضوع بدل کر پوچھنے لگی۔

''اچھا خیر، یہ بتائیں رات کے کھانے میں کس نے کیا کھانا ہے۔ میں جلدی سے بنا دوں۔''

''سب کے لیے دودھ دلیہ البتہ تم اپنے لیے بلکہ چھوڑو تمہارے لیے میں چکن لے آؤں گا۔'' انہوں نے کہا تو وہ ہنسنے لگی۔

''کیا ہوا؟''

''اللہ کی شان، بیمار لوگ دلیہ کھائیں گے اور میں۔'' وہ اسی طرح ہنستی ہوئی کچن میں آ گئی۔

پھر رات میں سونے کے لیے وہ آپی کی ساس کے کمرے میں آ گئی، کچھ دیر وہ اس سے یونہی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں اور انہی باتوں کے دوران انہوں نے اس سے اس کی شادی کی بابت بھی پوچھا تھا۔ تبھی اسے یاد آیا کہ توصیف نے شام میں فون کرنے کو کہا تھا اور اب آپی کی ساس تو سو چکی تھیں لیکن وہ مسلسل اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کتنے یقین سے کہہ رہا تھا۔

''تمہاری صبح میرے نام سے ہوتی ہوگی اور شام بھی۔'' اس کے ہونٹ آپ ہی آپ مسکرانے لگے، کروٹ بدلی تب بھی کہیں قریب ہی اس کی سرگوشی تھی۔

''میں جب تنہا ہوتا تو ایسے ہی ساحل پر نکل جاتا پھر وہاں ایک گوشے میں بیٹھ کر تصور کرتا کہ دوسرے کنارے پر تم کھڑی ہو، پھر کبھی ہاتھ ہلاتا کبھی رومال کبھی تمہیں پکارتا اور کبھی کسی سیپ کو چوم کر تمہاری طرف پھینکتا، کیا تمہارے ہاتھ کبھی ایسی سیپ آئی۔'' تاریکی اور سناٹے میں اس کی دھڑکنوں نے شور مچا دیا تو گھبرا کر اس نے تکیے میں منہ چھپا لیا۔

صبح تک آپی کافی بہتر تھیں پھر بھی اس نے انہیں اٹھنے نہیں دیا۔ خود ہی ناشتا بنا کر سب کو کھلایا۔ اس کے بعد برتن دھو کر فارغ ہوئی تھی کہ امی آ گئیں۔ پھر جب تک امی آپی اور ان کی ساس کے پاس بیٹھیں اس نے دوپہر کا سارا کام نمٹا دیا۔ آپی کی ساس یوں بھی بہت اچھی خاتون تھیں، اس کے ذرا ذرا سے کام پر ڈھیروں دعائیں دیں۔

پھر آپی کی طرف سے اطمینان ہونے پر ہی وہ امی کے ساتھ گھر آئی۔ سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ الماری میں سے کپڑے نکال کر اس نے سید ھا واش روم کا رُخ کیا۔ نہا کر نکلی تو سمیرا کو اپنے کمرے میں دیکھ کر کچھ حیران ہوئی۔

''تم کب آئیں؟''

''کیا میری آمد غیر متوقع ہے جو تم حیران ہو رہی ہو۔'' سمیرا اُس کی حیرت محسوس کرتے ہوئے بولی۔

''نہیں، یہ بات نہیں ہے۔ بس وہ ابھی جب میں نہانے جا رہی تھی اس وقت تو تم نہیں تھیں۔''

''میں ابھی آئی ہوں، بلکہ بھیجی گئی ہوں۔'' سمیرا نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو اس تمام عرصے میں پہلی بار جواباً اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اچھا تم بیٹھو، میں پہلے چائے لے آؤں۔'' وہ گیلے بالوں کو جھٹکتی ہوئی کمرے سے نکل گئی، کچھ دیر بعد چائے لے کر آئی تو بیٹھتے ہی بتانے لگی۔

''میں کل سے آپی کے ہاں تھی، ابھی آئی ہوں۔''

''خیریت!''

''ہاں اب تو اللہ کا شکر ہے سب خیریت ہے۔ کل آپی کی طبیعت خراب تھی اور بچے بھی بیمار جبھی مجھے وہاں رکنا پڑا۔ تم سناؤ اکیلی آئی ہو کیا؟'' آخر میں اس نے پوچھا تو سمیرا الٹا اس سے پوچھنے لگی۔

''اور کیسے آنا چاہیے تھا۔''

''مجھے کیا پتا۔ تم کبھی اکیلی آئیں نہیں اس لیے میں نے پوچھ لیا۔ خیر چائے لو ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' سمیرا نے کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا اور کچھ دیر خاموشی سے چائے پینے کے ساتھ سوچتی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھتی رہی۔ پھر کپ ٹرے میں رکھ کر اپنا پرس اُٹھایا اور کھول کر اس میں سے ایک پیکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

''یہ بھائی نے تمہارے لیے بھیجا ہے۔''

''کیا ہے؟'' اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

''پتا نہیں، خود ہی دیکھ لو۔'' اس نے پیکٹ تھام لیا۔ تب سمیرا مزید گویا ہوئی۔ ''بس اتنے سے کام کے لئے بھائی نے مجھے میرے گھر سے بلوایا اور یہ پیکٹ دے کر کہنے لگے کہ تمہیں دے آؤں حالانکہ یہ کام وہ خود بھی کر سکتے تھے یا تم نے انہیں یہاں آنے سے منع کیا ہے؟''

''میں نے؟'' وہ چونک کر دیکھنے لگی، کیونکہ اس کا سارا دھیان پیکٹ کی طرف تھا۔

''خیر یہ تمہارا آپس کا معاملہ ہے۔ اور میں تو سچ مچ تم دونوں کے معاملے میں نہ بولنے کی قسم کھا چکی ہوں۔'' سمیرا بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں بول رہی تھی لیکن صاف لگ رہا تھا کہ وہ شادی میں تاخیر ہونے سے خاصی جھنجھلائی ہوئی ہے۔ پھر چائے کا کپ اٹھا کر ایک ہی گھونٹ میں خالی کیا اور اسے رکھنے کے ساتھ ہی خود بھی کھڑی ہو گئی۔

''اب مجھے اجازت دو۔''

''کیا مطلب؟'' وہ حیران ہوئی۔

''بس اسی کام سے آئی تھی۔ چائے بھی پی لی۔ مزید بیٹھ کر کیا کروں؟''

''یہ کیسی باتیں کر رہی ہو تم؟'' وہ اس کے نروٹھے پن کو محسوس کرتے ہوئے بولی۔

''برا مت مانو، مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں۔ سارا غصہ اپنے بھائی پر ہے۔ پتا نہیں کیا سمجھتے ہیں خود کو۔ اور کیا تمہیں ان پر غصہ نہیں آتا۔ آخر کیا سوچ کر تمہیں اپنا پابند کر کے بٹھائے ہوئے ہیں۔ میں آج دوٹوک بات کروں گی اُن سے۔'' وہ اپنے آپ روانی میں بولے گئی، اس کی سنی ہی

نہیں، نہ اس کے روکنے پر رکی۔

''عجیب لڑکی ہے۔'' وہ اس کے جانے کے بعد گہری سانس کھینچ کر گرنے کے انداز میں بیڈ پر بیٹھی اور دونوں ہاتھوں میں سر تھامنا چاہتی تھی کہ پیکٹ پر نظر پڑی۔ فوراً اٹھا کر کھولنے لگی۔ ایک ڈائری اور اس کے اوپر ہی ایک تہہ شدہ کاغذ رکھا تھا۔ وہ پہلے اسے کھول کر دیکھنے لگی۔

ثوبیہ!

میرا خیال تھا، کل شام تم شدت سے میرے فون کی منتظر ہوگی، لیکن اس کے برعکس تمہارا راہِ فرار اختیار کرنا مجھے اچھی طرح سمجھا گیا ہے کہ تم میرے ساتھ سمجھوتہ بھی نہیں کرنا چاہتیں اور میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں، تم سے شدید محبت کرنے کے باوجود میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔ جہاں رہو خوش رہو۔ جب کہو گی، میں تمہیں اس بندھن سے آزاد کردوں گا اور ہاں یہ ڈائری میرے پاس تمہاری امانت تھی۔ اگر تمہیں یاد ہو تو باہر جاتے ہوئے میں نے تم سے کہا تھا کہ میں ہر روز تمہارے نام ایک تحریر لکھوں گا تو یہ ڈائری گواہ ہے کہ میں کسی ایک دن بھی تمہیں نہیں بھولا تھا، میرا خیال تھا جذبوں سے گندھی ہوئی یہ تحریریں میں تمہیں رونمائی میں دوں گا لیکن۔''

مخلص، توصیف احمد

وہ کتنی دیر تک گم صم بیٹھی رہ گئی جبکہ دماغ میں آندھیاں چلنے لگی تھیں۔ بڑی مشکل سے خود کو سہارا دے کر کھڑی ہوئی اس کے بعد جیسے اچانک اُس کے اندر بجلی بھر گئی تھی۔ برق رفتاری سے لابی میں آئی اور اس کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری طرف فون اسی نے اُٹھایا۔ غالباً سیرا ابھی نہیں پہنچی تھی اور اس کے انتظار میں اس کا لہجہ بیزار تھا۔ جبکہ وہ اس کی آواز سنتے ہی کہنے لگی۔

''مجھے نہیں معلوم تھا توصیف احمد کہ آپ اتنے بدگمان واقع ہوئے ہیں۔''

''کون ثوبیہ؟'' اس کا چونکنا ظاہر تھا اور وہ پھٹ پڑی۔

''جناب اور میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ مجھے راہِ فرار اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اتنی جرأت رکھتی ہوں کہ جو بھی بات، ہو آپ کے سامنے کہہ سکوں، سمجھے آپ۔''

''بالکل نہیں۔'' اس کے آرام سے کہنے پر وہ چیخ کر بولی۔

''کیا نہیں؟''

''دھیرے بولو، ورنہ میں بالکل نہیں سمجھ پاؤں گا کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا۔'' وہ غصے سے فون پٹخ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ حقیقتاً اس وقت اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا کیا کر ڈالے۔ سوچ سوچ کر پاگل ہوئی جا رہی تھی کہ آخر اس نے کیا سمجھ کر اتنی بڑی بات لکھ ڈالی کہ تم جب چاہو، میں تمہیں اس بندھن سے آزاد کردوں گا۔ کتنی دیر تک ادھر سے ادھر ٹہلتی رہی۔ پھر آ کر بیٹھی تو پہلے اس کا خط پھاڑا اس کے بعد ڈائری اٹھائی اور پڑھے بغیر ایک ایک صفحہ پھاڑ کر ہوا میں اچھالنے لگی۔ یہ سراسر اس کا اضطراب تھا۔ پہلے چند صفحات پھاڑتے اور ہوا میں اچھالتے ہوئے اس کی حرکت جنونی سی تھی۔ پھر دھیرے دھیرے اس میں کمی آتی گئی اور اس وقت جب صفحہ پھاڑتے ہوئے وہ بے حد آزردہ سی تھی اور ہوا میں اچھالتے ہوئے اس کے ہاتھوں میں جیسے جان ہی نہیں تھی، تبھی وہ دستک دیے بغیر اندر چلا آیا۔ سارے صحن میں یہاں وہاں صفحات بکھرے تھے، اور ابھی بھی وہ دھیرے دھیرے ایک صفحہ پھاڑ رہی تھی۔ سر جھکا ہونے کے باعث کھلے بالوں نے اس کا چہرہ چھپا دیا تھا۔ وہ حیران سا بے آواز قدموں سے اس کے قریب چلا آیا۔ اور جھک کر اس کے ہاتھ سے ڈائری لیتے ہوئے بولا۔

''تمہارے نزدیک میرے جذبوں کی کوئی اہمیت نہیں۔'' وہ چونکی پھر جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بولی۔

''کیوں آئے ہیں آپ؟''

''تمہاری جرأت دیکھنے آیا ہوں۔ کتنی ہے تمہاری جرأت، ذرا میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو کہ تم مجھ سے نفرت کرتی ہو۔'' وہ اس کا بازو تھام کر اپنے مقابل کرتے ہوئے بولا۔

''کہہ سکتی ہو؟''

''ہاں۔'' براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ اپنے آپ میں نہیں رہی۔

''ایک بار نہیں ہزار بار کہہ سکتی ہوں، محبت کرتی ہوں میں آپ سے شدید محبت۔''

''محبت۔'' وہ اچانک خوشگوار سے احساس میں گھر کر دلکشی سے مسکرایا تب اپنے الفاظ پر غور کر کے وہ بری طرح سٹپٹائی اور اس کی طرف سے رُخ موڑ کر بولی۔

''نہیں، میں کچھ غلط کہہ گئی ہوں۔''

''اس غلطی کی سزا تو تمہیں بھگتنی پڑے گی، چلو میرے ساتھ!''

''کہاں!'' وہ بے اختیار اس کی طرف پلٹی اور وہ اتنا قریب کھڑا تھا کہ سر اس کے شانے سے جا لگا۔ فوراً پیچھے ہٹنا چاہتی تھی لیکن اب بھلا وہ کہاں اُسے دور ہٹنے دے سکتا تھا۔

کہاں جانتے تھے پہلے؟

وہ جتنی حسین تھی، اس سے زیادہ مغرور اور نک چڑھی، کسی اور کو تو کیا گھر میں اپنے بہن بھائیوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ اور اس میں قصور بہن بھائیوں کے ساتھ اس کی سہیلیوں کا تھا جنہوں نے اس کے حسن کے قصیدے پڑھ پڑھ کر اس کا دماغ خراب کر دیا تھا۔

''ہائے ثانیہ! خدا کے لیے یہ کالا اسکارف مت لیا کر۔'' صبح کالج میں سب سے پہلا جملہ اسے یہی سننے کو ملتا تھا۔

''کیوں؟'' وہ ادا سے پوچھتی۔

''چاند دیکھ لے تو سیاہ بادلوں سے جھانکنا چھوڑ دے۔'' ارم کی تشبیہ البتہ ہر روز بدلتی تھی، اس لیے وہ اس کی طرف ضرور متوجہ ہوتی۔

''سچ بتا، راستے میں کتنے لوگ گرتے ہیں؟'' عفت کو یہی تجسس رہتا تھا۔

''کبھی گنے نہیں۔'' وہ اٹھلا کر کہتی۔

اور گو کہ یہی سچ تھا کہ راستے میں کتنے لوگ اسے ٹھہر کر دیکھتے اور کتنے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگتے تھے لیکن اس نے کبھی پروا نہیں کی کیونکہ وہ خود کو کوئی ماورائی مخلوق سمجھنے لگی تھی۔ اور اسی حساب سے اس کا خیال تھا کہ اس کے لیے آسمان سے اتر کر کوئی شہزادہ ہی آئے گا جس کے حسین محل میں وہ شہزادیوں کی سی آن بان سے رہے گی۔ ملازم ہاتھ باندھے اس کے حکم کے منتظر ہوں گے۔ اسے کوئی کام نہیں کرنا پڑے گا۔ حالانکہ وہ ابھی بھی کوئی کام نہیں کرتی تھی۔ امی اور چھوٹی دونوں بہنیں ہی لگی رہتیں۔

اگر کسی وقت امی اس سے کسی کام کو کہہ دیتیں تو اس کا پہلا جواب یہی ہوتا کہ میں کام کرنے کو نہیں پیدا ہوئی۔ پھر سو عذر.....

''میرے ناخن ٹوٹ جائیں گے، ہاتھ خراب ہوں گے، وغیرہ وغیرہ۔''

جتنی دیر وہ عذر تراشتی اتنی دیر میں کتنے کام ہو سکتے تھے۔ پہلے تو امی مغز ماری سے

بچنے کی خاطر خود ہی کرتیں یا چھوٹی دونوں سے کروا لیتیں لیکن پھر انہیں احساس ہوا کہ اس طرح تو وہ بالکل ہی نکمی ہو جائے گی اور آخر اسے پرائے گھر بھی جانا ہے جہاں سب سے پہلے کام پوچھا جائے گا۔ اور بس اسی دن سے وہ اس کے پیچھے پڑ گئیں۔ ہر کام کے لیے اسی کو پکارتیں اور اس کے کورے جواب پر امی کا طویل لیکچر شروع ہو جاتا۔ کبھی غصے سے اور کبھی آرام سے بھی بیٹھ کر سمجھاتیں۔

''دیکھو، ہم سفید پوش لوگ ہیں اور ہمارے گھر میں ہمارے ہی جیسے لوگ آئیں گے۔ جو لڑکیوں میں پہلے ہنر دیکھتے ہیں پھر اس کی شکل وصورت۔''

''آپ کہہ دیجیے گا، مجھ میں کوئی ہُنر نہیں۔ آٹا تک نہیں گوندھ سکتی۔''

بجائے سمجھنے کے الٹا تیز ہو کر بولی تو امی کو غصہ آ گیا۔

''پھر کون بیاہنے آئے گا تجھے، بتا؟''

''بہت آئیں گے، انتخاب کرنا مشکل ہو جائے گا، آپ کو، میں کوئی معمولی لڑکی نہیں ہوں۔'' اس نے گردن اکڑا کر کہا تو امی دانت پیس کر بولیں۔

''کوئی حور پری بھی نہیں ہے۔''

''پتا نہیں کیسی ماں ہیں آپ جنہیں میرا حسن نظر نہیں آتا، سامنے والی خالہ کو دیکھا ہے۔ اپنی کالی کلوٹی بیٹی کو دنیا کی حسین ترین لڑکی کہتی ہیں۔''

''کیوں نہ کہے اتنا آرام جو پہنچاتی ہے اسے۔ گھر دیکھا ہے اس کا، شیشے کی طرح چمکتا ہے۔ ماں کو ہل کر پانی نہیں پینے دیتی۔ بھاگ بھاگ کر کام کرتی ہے اور ایسی ہی لڑکیوں کی سسرال میں قدر ہوتی ہے۔''

''بس رہنے دیں۔ مجھے ایسی قدر نہیں چاہیے۔'' اس نے اکتا کر اپنی طرف سے بات ختم کر دی لیکن امی کو پتنگے لگ گئے تھے۔

''اور کیسی قدر چاہیے بتا۔ کوئی ساری زندگی تجھے سامنے بٹھا کر پوجے گا نہیں، یہ سارے چونچلے دو چار دن کے ہوتے ہیں پھر وہی ہانڈی چولہا۔''

''جو مجھ سے ہانڈی چولہے کی توقع رکھے گا، اسے میں صاف منع کر دوں گی۔'' وہ مطلق بھی ہار ماننے کو تیار نہیں تھی۔ آخر امی سر پیٹتی اٹھ کر چلی گئیں۔

☆

روزانہ کی طرح اسے آفس سے گھر پہنچنے میں گیارہ بج گئے تھے۔ دن بھر کی تھکی ہاری

اماں گو کہ اب پہلے کی طرح شکوہ نہیں کرتی تھیں۔ شاید عادی ہوچکی تھیں، جب ہی دروازہ کھول کر خاموشی سے کچن میں کھانا گرم کرنے چلی جاتیں اور وہ قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم سا بنا ان کے پیچھے آ کر کہتا۔

''دیر ہو جاتی ہے اماں! آپ سو جایا کریں۔''

''سو جاؤں گی تو پھر دروازہ کون کھولے گا۔''

''ہاں! یہ بھی ایک مسئلہ ہے۔'' اس نے کہا تو اماں فوراً بولیں۔

''اسی لیے کہتی ہوں، شادی کرلو۔''

''ہائیں! اس کا شادی سے کیا تعلق؟'' اس نے قصداً انجان بن کر حیرت کا مظاہرہ کیا۔

''کیوں نہیں، پھر وہ جاگے گی تمہارے لیے اور دروازہ بھی کھولے گی۔ مجھ بوڑھی جان میں اب اتنی ہمت نہیں ہے۔ سارا دن گھر کے کام ہی ختم نہیں ہوتے پھر تمہارے انتظار میں آدھی رات گزر جاتی ہے۔ تمہاری بیوی آئے گی تب مجھے کچھ آرام ملے گا۔'' اماں نے اپنا احساس دلا کر کہا جب ہی وہ صاف انکار نہیں کرسکا۔

''ہاں اماں! دعا کریں۔ میری پروموشن ہو جائے پھر شادی......''

''ارے ایک سال سے یہی سن رہی ہوں، کب ہوگی وہ۔''

''پروموشن؟''

''ہاں وہی...... کب ہوگی؟''

''انشاء اللہ جلدی ہوگی۔ بس آپ دعا کریں۔'' اس نے ہمیشہ کی طرح آس دلا کر ٹالنے کی کوشش کی۔

''ارے میں تو ہر وقت دعا کرتی ہوں۔'' اماں نے کہا پھر قدرے توقف سے پوچھنے لگیں۔

''سنو، بات چلاؤں تمہاری؟''

''کہاں؟'' وہ اچھل پڑا۔

''کہیں بھی۔ لڑکیوں کی کمی تھوڑی ہے۔ آس پڑوس، سامنے، ہر گھر میں لڑکیاں موجود ہیں۔'' اماں نے کہا تو وہ کچھ مطمئن ہوکر بولا۔

''نہیں نہیں اماں! ابھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور آس پڑوس کا تو سوچیں بھی نہیں۔''

''پھر...... رشتہ داروں میں تو کوئی ہے نہیں۔''

''اچھا ہی ہے، نہیں ہے۔'' وہ بے اختیار کہہ کر پھر فوراً سنبھل بھی گیا۔ ''میرا مطلب

ہے۔ اچھا ہے نا۔ سب کی شادیاں ہوگئیں۔''

''اب مجھے تمہاری فکر ہے۔ اللہ کرے کوئی اچھی لڑکی مل جائے جو مجھ دکھیاری کا بھی خیال کرے، آج کل کی لڑکیاں تو بس میاں سے رشتہ جوڑتی ہیں۔ اس کے گھر والوں کا کوئی خیال نہیں۔''

''ارے نہیں اماں! وہ ایسی نہیں ہے۔'' وہ بے دھیانی میں بول کر پھنس گیا۔

''وہ کون؟'' اماں نے فوراً پکڑ لیا۔

''وہ...... میرا مطلب ہے جس سے میری شادی ہوگی، اگر اس نے آپ کا خیال نہیں کیا تو میں اسے تیسرے دن واپس اس کے گھر پہنچا دوں گا۔'' اس نے سٹپٹا کر بات بنائی لیکن اماں مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

''خیر یہ تو بعد کی بات ہے، پہلے میری پروموشن تو ہوجائے۔'' وہ کہتا ہوا فوراً اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا کہ کہیں اماں مزید کریدنا نہ شروع کردیں۔ اور وہ کیا بتاتا، ابھی تو خود بھی زیادہ نہیں جانتا تھا۔

اس کا نام پتا کچھ بھی نہیں، بس اتنا معلوم تھا کہ وہ اس محلے میں پچھلی کسی لائن میں رہتی ہے۔ روزانہ صبح آٹھ بجے جب وہ آفس کے لیے گھر سے نکل کر اسٹاپ پر کھڑا ہوتا تو وہ اسے اسی راستے سے آتی دکھائی دیتی تھی۔ کالج یونیفارم میں گنتی کی دو کتابیں سینے سے لگائے خراماں خراماں چلتی ہوئی وہ جب اسٹاپ پر آتی تو وہاں موجود ہر شخص کے اندر بے چینی پھیل جاتی تھی۔ جسے اس لڑکی سے زیادہ وہ محسوس کرتا اور بری طرح سلگتا تھا۔ بس نہیں چلتا تھا کہ ہر شخص کی آنکھوں پر پٹی باندھ دے۔ اور پھر صرف اس کی آنکھیں دیکھیں سیاہ اسکارف میں چمکتا چاند چہرہ۔ جو ہر روز اسے نئے خواب دکھلاتا تھا۔

اس وقت وہ اماں کی مشکوک نظروں سے بچ کر بھاگ آیا تھا لیکن آگے اس کے تصور سے بچنا ممکن ہی نہیں تھا۔ جب سے اسے دیکھا تھا وہ اسی طرح اسے سوچتے، اس کے تصور سے باتیں کرتے اور پھر خود کو اگلے دن اس سے بات کرنے پر تیار کرتے کرتے سوتا تھا۔ لیکن جب وہ سامنے آتی تو جانے کیسے اس کی ساری ہمتیں جواب دے جاتیں۔ اور یہ واقعی عجیب بات تھی کیونکہ وہ بھی کوئی عام سا نوجوان نہیں تھا۔ اچھی خاصی اٹریکٹو پرسنالٹی تھی پھر یونیورسٹی میں شعلہ بیاں مقرر مانا جاتا تھا اس کے علاوہ بھی اس میں کچھ ایسی خوبیاں تھیں جن کی بدولت وہ اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں بھی خاصا مقبول رہا تھا۔ پھر اس کے سامنے پتا نہیں کیسے اس کی زبان گنگ ہوجاتی

تھی۔ جس پر بعد میں وہ کبھی جھنجھلاتا کبھی خود کو سخت سست کہتا پھر بھی دیکھنے سے آگے بات نہیں بڑھ رہی تھی۔

یونہی کتنے دن گزر گئے۔ ادھر اماں کا اس کی شادی کے لیے اصرار بڑھنے لگا اور یہ اب صرف ان کا ارمان نہیں مجبوری بھی تھی کہ ایک تو بڑھاپا، دوسرے جوڑوں کے درد کے باعث اب ان سے کام نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے اٹھتے بیٹھتے اسے ٹوکنے لگی تھیں اور وہ ہمیشہ سے ان کا فرمانبردار، اسے شدت سے احساس تھا کہ اس کی بوڑھی ماں کو اب آرام کی ضرورت ہے لیکن کیا کرتا یہاں وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تھا۔ جو اس چاند کا تمنائی ہو کر کچھ اور سوچنے پر آمادہ ہی نہیں تھا جب ہی اماں کو پروموشن کے بہانے ٹالے جا رہا تھا جب کہ اس کی پروموشن ہوئے دو مہینے ہو چکے تھے۔

☆

''پھر کون بیاہنے آئے گا تجھے۔'' امی نے اس کی بات پر غصے میں کہا تھا اور جواب میں اس نے گردن اکڑائی تھی۔

''بہت آئیں گے انتخاب کرنا مشکل ہو جائے گا آپ کو۔''

اور اس کی بات سچ ہو گئی تھی۔ قریب اور دور کے کزنز کے علاوہ جان پہچان کے کتنے لوگ سوالی بن کر آ گئے تھے۔ وہ کالج سے آتی تو ہر روز ایک نیا رشتہ موجود ہوتا۔ جس سے امی واقعی بوکھلا گئی تھیں اور اسے بتاتے ہوئے پریشان ہو گئیں۔

''کیا کروں، میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، کسے منع کروں، کہاں ہامی بھروں۔''

''کہیں ہامی بھرنے کی ضرورت نہیں ہے سب کو منع کر دیں۔'' وہ بڑے آرام سے بولی تھی۔

''ہائیں، سب کو منع کر دوں! کیوں؟'' امی نے بمشکل اپنے لہجے پر قابو پا کر ٹوکا پھر بھی وہ ان کے اندر اٹھتا ابال محسوس کر کے محظوظ ہو کر بولی تھی۔

''کیونکہ مجھے ان میں سے کوئی بھی پسند نہیں ہے۔''

''پھر کون پسند ہے؟'' اب امی کو ضبط کرنا مشکل ہو گیا تھا، تیز لہجے میں پوچھا تو وہ ناک سکیڑ کر بولی۔

''فی الحال کوئی نہیں۔''

''کیا مطلب ہے تیرا۔ تو پہلے کسی کو پسند کرے گی پھر شادی؟''

''اس میں کیا برائی ہے؟'' وہ انتہائی معصوم بن کر الٹا ان سے پوچھنے لگی۔

''دیکھ، شریف لڑکیوں کے یہ لچھن نہیں ہوتے۔ تجھے کالج میں اس لیے نہیں داخل کرایا

کہ تو بے لگام ہو جائے۔'' ضبط کی کوشش میں امی اسی طرح بات کرتی تھیں۔

''یا اللہ! کہاں پھنس گئی۔'' اس نے سر پیٹا پھر ہاتھ جوڑ کر بولی۔

''خدا کے لیے امی! پہلے آپ اپنی زبان ٹھیک کریں۔''

''ایں...... میری زبان کو کیا ہوا؟''

''جاہلوں کی طرح تو تڑاخ کرنا چھوڑیں اور کچھ تہذیب سیکھیں۔'' اس نے ناگواری سے سر جھٹک کر کہا تو امی تلملا گئیں۔

''اللہ کی شان! چار جماعتیں کیا پڑھ گئی۔ اب مجھے تہذیب سکھائے گی۔''

''کیا کروں۔ آپ کے اماں ابا نے جو نہیں سکھائی۔'' وہ شاید لحاظ کرنا جانتی ہی نہیں تھی۔

''اپنی اوقات میں رہ۔ زیادہ اونچا مت اڑ، نہیں تو منہ کے بل گرے گی۔''

''آپ تو چاہتی ہی یہی ہیں۔''

''تیری دشمن ہوں نا۔''

''اور کیا......'' وہ پیر پٹختی ہوئی اندر چلی گئی تو اسے سنانے کو امی مزید اونچا بولنے لگی تھیں۔

''آنے دے باپ کو...... ابھی فیصلہ کرواتی ہوں۔ چار دن میں تیرے ہاتھ پیلے کر کے تجھے رخصت نہ کیا تو میرا نام نہیں۔ بڑی آئی مجھے تہذیب سکھانے والی۔'' پھر اس سے چھوٹی نادیہ کو دیکھ کر امی کا بقیہ غصہ اس کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔

''اور تو یہاں کیا کر رہی ہے۔ خبردار جو بڑی کی طرح زبان چلائی تو۔''

''میں کیا کہہ رہی ہوں۔'' نادیہ منمنائی۔

''کہہ کے تو دیکھ، زبان کھینچ لوں گی۔ چل جا برتن دھو۔''

''ثانیہ سے کہیں، میں نے صبح بھی دھوئے تھے۔'' نادیہ نے ہلکا سا احتجاج کیا۔

''وہ یہاں نہیں، سسرال جا کے دھوئے گی۔ جہاں جوتے پڑیں گے۔ یہاں نواب زادی کے ہاتھ خراب ہوتے ہیں۔ ناخن ٹوٹتے ہیں۔'' امی پھر شروع ہو گئی تھیں اور ان کی ایسی ہی باتوں سے وہ اور ضد پکڑتی تھی۔ کیونکہ ابھی اتنی میچور نہیں تھی جو یہ سوچ لیتی کہ وہ جو کہہ رہی ہیں اس کے بھلے کو کہہ رہی ہیں، اس کے برعکس وہ اسے اپنی دشمن نظر آتی تھیں۔ بلکہ یہاں تک سوچ لیتی کہ وہ اس کے حسن سے جلتی ہیں اور نہیں چاہتیں کہ اس کی کسی اچھی جگہ شادی ہو۔

اور یہ جو اتنے رشتے آئے تھے تو ان میں چند ایک واقعی بہت اچھے تھے جن میں انتخاب کرنا بہت مشکل تھا۔ لیکن اس نے کسی کے بارے میں جاننے کی کوشش ہی نہیں کی اور پہلے مرحلے

پر ہی صاف انکار کر دیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ان میں وہ نہیں ہے جو ہر صبح اس کا ہر قدم اپنے دل پر شمار کرتا ہے اور جب وہ قریب جاتی ہے تو قصداً انجان بن کر اپنی نظریں کسی اور سمت بھٹکا دیتا ہے۔ جانے کون ہے۔ اس کا نام پتا، وہ کچھ نہیں جانتی تھی بس اتنا معلوم تھا کہ اسی محلے میں اگلی کسی لائن میں رہتا ہے۔

اس رات وہ اس کے بارے میں سوچتے ہوئے بہت دیر سے سوئی تھی جب ہی صبح معمول کے مطابق خود سے اس کی آنکھ نہیں کھلی۔ جب نادیہ نے ہلا کر پوچھا کہ وہ کالج نہیں جائے گی تب ہڑبڑا کر اٹھی اور جلدی جلدی تیار ہو کر ناشتہ کیے بغیر گھر سے نکل آئی کیونکہ آٹھ تو یہیں بج گئے تھے۔

"اللہ کرے ابھی اس کی وین ہی نہ آئی ہو؟" وہ دل ہی دل میں دعا کرتی بہت تیز قدموں سے چلنے لگی تھی۔ بوکھلاہٹ الگ سوار ہوگئی تھی جو اس وقت مایوسی میں بدل گئی جب وہ اسے نظر نہیں آیا پھر بھی متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی کہ جانے کس سمت سے نکل کر وہ اس کے سامنے آ کر یوں مسکرائے جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ اور وہ انجان بنتے بنتے بھی مسکرائی تھی۔ جب ہی وہ قریب چلا آیا۔

"السلام علیکم!"

وہ جواب میں صرف سر ہلا سکی۔

"میں وقار ہوں اور آپ؟" اس نے اپنا نام بتا کر پوچھا تو وہ اپنی وین دیکھ کر اس کی طرف بڑھنے سے پہلے بولی تھی۔

"ثانیہ!"

☆

حسب معمول اس نے رات گیارہ بجے اپنے دروازے پر دستک دی تھی لیکن آگے خلاف معمول دروازہ کھولنے والی کوئی اور تھی جسے دیکھ کر وہ نہ صرف حیران ہوا بلکہ یہی سمجھا کہ غلطی سے کسی اور دروازے پر آ گیا ہے۔ جب ہی سوری کہہ کر واپس پلٹنے لگا تھا کہ وہ بول پڑی۔

"آپ وقار ہیں؟"

"جی.....؟" اس کا جی سوالیہ تھا لیکن وہ اثبات میں سمجھی تھی۔

"اماں نے کہا تھا، میں دروازہ کھول دوں۔"

"کس کی اماں نے؟" وہ ابھی بھی حیران تھا۔

"آپ کی۔"

"اچھا....." اس نے دروازے کا جائزہ لیا پھر اندر داخل ہو کر پوچھنے لگا۔

"اماں کہاں ہیں؟"

"سو رہی ہیں..... آپ منہ دھولیں، میں کھانا گرم کرتی ہوں۔" وہ جواب کے ساتھ کہتی ہوئی کچن میں چلی گئی تو وہ محض اس کے بارے میں جاننے کے لیے پہلے اماں کے کمرے میں جا کر انہیں جھنجھوڑنے لگا۔

"اماں! اماں اٹھیں۔"

"کیا ہے؟" اماں اس کے ہاتھ جھٹک کر ناگواری سے دیکھنے لگیں۔ "کیوں اتنی رات کو پریشان کر رہے ہو؟"

"میں خود پریشان ہو رہا ہوں۔" وہ دروازے کی طرف دیکھتا ہوا بولا کہ کہیں وہ آ تو نہیں رہی۔

"کاہے کو؟" اماں اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"وہ..... وہ..... لڑکی کون ہے۔ اتنی رات کو ہمارے گھر میں کیا کر رہی ہے؟"

"کون لڑکی؟" اماں نیند سے جاگی تھیں، فوراً سمجھیں نہیں۔

"وہی جس نے دروازہ کھولا ہے اور اب کچن میں کھانا گرم کر رہی ہے۔" اس نے جھنجھلا کر کہا تو اماں بجائے جواب دینے کے اس کی تعریف کرنے اور دعائیں دینے لگیں۔

"ارے اللہ خوش رکھے۔ نیک نصیب کرے۔ کیسی پیاری بچی ہے۔"

"اوفوہ! ہے کون؟" وہ مزید جھنجھلایا۔ "اور یہاں کیوں آئی ہے؟"

"خود سے نہیں آئی، میں لے کر آئی ہوں اسے اور اس کی اماں کو۔" اماں نے برا مان کر کہا تو اچھل پڑا۔

"اے بیٹا! بے چاری دکھیا عورت جوان بیٹی کو لے کر کہاں جاتی۔ میں لے آئی کہ جب تک کوئی دوسرا ٹھکانا نہیں ہوتا، یہاں رہ لیں۔ میں نے تمہارا کمرہ دے دیا ہے انہیں، تم یہاں میرے پاس سو جانا۔ کچھ دنوں کی بات ہے۔ کسی کے کام آنا ثواب کا کام ہے۔" اماں اپنا بولے جا رہی تھیں اس نے سر پیٹ لیا۔

"یا اللہ! میں کیا پوچھ رہا ہوں۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔"

"کیا..... کیا پوچھ رہے ہو تم؟"

"یہ کون ہیں اور آپ انہیں کہاں سے لائی ہیں؟" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اپنا سوال دہرایا تو اماں اس پر تعجب کرتے ہوئے بولیں۔

"لو، تم نہیں جانتے، ادھر شیخ صاحب کے ہاں ایک کمرے میں رہتی تھیں دونوں ماں بیٹی۔ دو سو روپے ماہوار کرایہ دیتی تھیں لیکن آج صبح شیخ صاحب نے انہیں فوراً کمرہ خالی کرنے کو کہہ دیا۔ اب بتاؤ بھلا اتنی جلدی دوسرا انتظام کیسے ہوسکتا تھا۔ مجھے پروین کی امی نے بتایا تو میں جا کر لے آئی دونوں کو، اچھا کیا ناں۔"

"ہاں بہت اچھا کیا۔" وہ جل کر بولا تھا۔ "اب میں کہاں جاؤں؟"

"کہیں نہیں، یہ رہا تمہارا پلنگ۔" اماں نے بڑے آرام سے اس کے پلنگ کی طرف اشارہ کیا وہ اس پر گرتے ہوئے بولا۔

"مجھے یہاں نیند نہیں آئے گی، میں اپنے کمرے میں جاؤں گا۔"

"بیٹا کچھ دنوں کی بات ہے۔ انہیں کوئی اور کمرہ مل جائے گا تو چلی جائیں گی۔" اماں نے دلاسہ دے کر کہا۔

"ہاں، کچھ دن، مہینے نہیں ہونے چاہئیں۔" وہ وارننگ دے کر کہنے لگا۔

"اور یہ آپ نے اسے کام سے کیوں لگا دیا۔ مہمان ہے، کوئی نوکر تو نہیں۔"

"نہیں، میں نے تو نہیں کچھ کہا۔ خود ہی سارا دن بھی لگی رہی۔ مجھے ایک کام نہیں کرنے دیا۔ اللہ خوش رکھے اسے۔ بڑی نیک، خدمت گزار بچی ہے۔ جس گھر جائے گی......" اماں پھر اس کی تعریف میں شروع ہوگئی تھیں۔ وہ اکتا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے بھوک لگی ہے۔"

"ہاں جاؤ، کھانا گرم کردیا ہوگا اس نے۔" اماں نے کہا تو وہ بڑبڑاتا ہوا کمرے سے نکل آیا اور پہلے کچن کی کھڑکی سے جھانک کر اس کے نہ ہونے کا یقین کیا پھر اندر داخل ہوا تو پہلی نظر ٹرے پر پڑی، جس میں اس نے کھانا رکھ دیا تھا۔

وہ وہیں بیٹھ گیا اور پہلے نوالے پر ہی اس کے منہ سے بے ساختہ واہ نکلا تھا پھر وہ روزانہ کی نسبت زیادہ کھا گیا۔ پھر چائے کی شدید خواہش کو اس خیال سے دبا دیا کہ اماں کو اٹھ کر آنا پڑے گا۔ پہلے تو وہ یہیں ہوتی تھیں اور وہ جب تک کھانا کھاتا اماں چائے بنا دیتی تھیں لیکن اب انہیں بلانا اچھا نہیں لگا۔ پہلے بھی انہیں نیند میں سے اٹھا چکا تھا۔ اس لیے پانی پر اکتفا کر کے کچن سے نکلا تو وہ سامنے آگئی۔

"چائے بنا دوں؟"

"جی! مجھ سے کچھ کہا؟" اسے واقعی شبہ ہوا تھا۔

"جی! میں چائے کا پوچھ رہی ہوں، بنا دوں؟"

"نہیں شکریہ، آپ کو پہلے ہی زحمت ہوئی۔" وہ کہہ کر فوراً اندر آ گیا اور اماں کو جاگتے دیکھ کر تعجب سے پوچھنے لگا۔

"آپ سوئیں نہیں۔"

"اچھی بھلی سو گئی تھی۔ تم نے اٹھا دیا۔" اماں نے اپنی نیند خراب ہونے پر اب ناراضی کا اظہار کیا۔

"مجھے کیا پتا تھا، میں اس لڑکی کو دیکھ کر پریشان ہو گیا پھر آپ سے نہ پوچھتا تو اور کس سے......"

"صبح پوچھ لیتے۔"

"ہاں، تب تک میں اپنے آپ سوچتا الجھتا رہتا اور یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اسے نکال باہر کرتا پھر آپ ہی ناراض ہوتیں۔" وہ بولتا ہوا اپنے پلنگ پر لیٹ گیا لیکن جگہ کی تبدیلی اسے بری طرح کھلنے لگی تھی۔ کچھ دیر خود کو تسلی دیتا رہا کہ کچھ دنوں کی بات ہے پھر یقین کے لیے اماں سے پوچھنے لگا۔

"اماں! یہ لوگ جلدی یہاں سے چلی جائیں گی ناں؟"

"ہاں دیکھو، جب کوئی انتظام ہوگا؟" اماں کے اطمینان سے کہنے پر وہ تپ کر اٹھ بیٹھا۔

"یہ بات نہیں کریں اماں! اگر ایک سال تک ان کا انتظام نہ ہوا تو......؟"

"ہو جائے گا، تمہیں کاہے کی فکر ہے۔ تمہارے سر پر تو نہیں بیٹھیں۔"

"کمرے میں تو بیٹھی ہیں۔" وہ فوراً بولا تھا۔

"اچھا بس زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اماں ٹوک کر کہنے لگیں۔ "سارا دن تو کمرہ خالی پڑا رہتا ہے۔ رات کے رات آتے ہو تم صبح چل دیتے ہو۔ ایک چھٹی کا دن وہ بھی گھر پر نہیں ٹکتے۔"

"تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ میرا کمرہ کرائے پر اٹھا دیں۔"

"کوئی کرائے پر نہیں اٹھایا۔ حالانکہ وہ بے چاری تو دے رہی تھیں پیسے لیکن میں نے نہیں لیے۔"

''یہ آپ نے بہت اچھا کیا ورنہ یہیں جم جاتیں، بہر حال ان سے کہیے گا، جلدی اپنا کہیں اور انتظام کرلیں کیونکہ ہمیں کمرے کی ضرورت ہے۔'' اس کے ذہن پر صرف اپنا کمرہ سوار تھا۔

''کیا ضرورت ہے؟'' اماں کچھ بے دھیانی میں کہہ گئیں۔

''کیوں میری بیوی آئے گی تو کہاں رہے گی؟'' اس نے اپنے تئیں اماں کے دل کی بات کہی تھی لیکن وہ مایوسی سے بولیں۔

''پتا نہیں کب آئے گی؟''

''آپ لانے کا سوچیں گی تو آئے گی نا؟''

''میں تو تھک گئی سوچ سوچ کر اور تم پتا نہیں کیا سوچے ہوئے ہو۔'' اماں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا تو وہ مسکرا کر بولا۔

''میں سوچ چکا ہوں بلکہ لڑکی بھی پسند کر چکا ہوں۔''

''ہائیں کون ہے؟'' اماں فوراً اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''ہے ایک لڑکی بہت پیاری، آپ دیکھیں گی تو بس دیکھتی رہ جائیں گی۔'' وہ اس کا تصور کر کے بولا۔

''بتاؤ نا کون ہے۔ کہاں رہتی ہے، میں کل ہی اس کے ہاں جاؤں گی۔'' اماں کی بے صبری پر وہ ذرا سا ہنسا پھر کہنے لگا۔

''کل نہیں اماں! پہلے آپ میرا کمرہ سیٹ کریں پھر......''

اماں یہی سمجھیں کہ وہ کمرہ کی وجہ سے انہیں چکر دے رہا ہے جب ہی غصے سے بولیں۔

''بھول جاؤ اس کمرے کو۔ تمہیں اگر اکیلے سونے کی عادت ہے تو کل سے میں اپنا بستر وہاں لے جاؤں گی۔ لیکن ان سے کمرہ خالی کرنے کو نہیں کہوں گی۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ واقعی نہیں سمجھا تھا کہ اماں کو کس بات پر غصہ آیا ہے۔

''کوئی مطلب نہیں۔ چلو لائٹ بند کرو۔ ساری نیند خراب کر کے رکھ دی۔'' اماں کروٹ بدل گئیں، تب بھی بڑبڑائے جا رہی تھیں۔

اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں کندھے اچکائے پھر اٹھ کر لائٹ آف کر دی۔

☆

وہ اپنی دوستوں کو بتائے بغیر آخری پیریڈ چھوڑ کر کالج سے نکلی تو گیٹ کے سامنے ہی وہ مظفر کھڑا تھا اور اسے دیکھتے ہی لپک کر قریب آیا تھا۔

''میں ڈر رہا تھا کہیں تم بھول نہ جاؤ۔''

وہ قصداً ہنس پڑی۔ مقصد مترنم ہنسی کا جادو بکھیرنا تھا اور وہ تو پہلے ہی اس کے سحر میں آ چکا تھا۔

''چلو۔ کہیں بیٹھ کر بات کریں گے۔''

اس نے کوئی پس و پیش نہیں کی اور بڑے آرام سے اس کے ساتھ بائیک پر بیٹھتے ہی پوچھنے لگی۔

''یہ بائیک کس کی ہے؟''

''اگر میں کہوں میری تو؟''

''میں یقین نہیں کروں گی۔'' وہ فوراً بولی تھی۔

''کیوں؟''

''کیونکہ صبح تم وین پر جاتے ہو۔'' اس نے یقین نہ کرنے کی وجہ بتائی تو وہ خاموش رہا تھا تصدیق یا تردید نہیں کی اور وہ شاید جاننا چاہتی تھی جب ہی ریسٹورنٹ میں بیٹھتے ہی کہنے لگی۔

''تم نے بتایا نہیں بائیک تمہاری ہے یا کسی سے مستعار لائے ہو۔''

''میری ہے۔'' اس کے سرسری جواب پر وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

''پھر صبح وین پر کیوں جاتے ہو؟''

''تمہارے لیے، یہی سننا چاہتی تھیں نا تم اور یہی سچ ہے۔'' وہ اچانک اسے اپنی نظروں کی گرفت میں لے کر بولا تھا۔ اور وہ اتنی بے باک نہیں تھی جتنا خود کو ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب ہی ہنسنے کی کوشش میں ناکام ہو گئی تھی۔ مزید گلابی رخسار دہک اٹھے تھے۔ جن کی تپش سے وہ دیوانہ ہو رہا تھا۔

''تم نے سچ مچ مجھے بالکل دیوانہ کر دیا ہے، اتنے سے دنوں میں لگتا ہے، میں صدیوں کی مسافتیں طے کر آیا ہوں۔ اس سے آگے میں تنہا نہیں چل سکتا۔'' وہ بے خودی میں بولتا ہوا اس کا ہاتھ تھام گیا۔

''میرا ساتھ دو گی نا۔''

وہ خود اس کی تمنائی تھی۔ کیسے منع کرتی البتہ فوراً اقرار کرنا بھی مشکل تھا کیونکہ اس کے دلنشین لہجے نے اندر کی دنیا تہہ و بالا کر دی تھی۔ دل اس بری طرح دھڑک رہا تھا کہ وہ اسے قابو کرنے کی سعی میں لگی رہی۔

"جواب دو ثانیہ! مجھ سے شادی کرو گی؟" اس نے اصرار کیا۔

"یا اللہ!" وہ سرخ پڑ گئی۔ "مجھے نہیں پتا۔"

"کیا نہیں پتا؟" وہ اُس کے سرخ چہرے کو شوق سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ شادی وادی، یہ سب امی ابو کو پتا ہے۔ تم ان سے بات کرو۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ لیکن پہلے تم ہامی بھرو پھر میں بات آگے بڑھاؤں گا۔" وہ اس کے ہاتھ کو ہلکا سا جھٹکا دے کر بولا۔

"مجھے نہیں پتا۔ میں کنفیوز ہو رہی ہوں۔ تم پلیز، کوئی اور بات کرو۔"

"اور بات......؟" وہ ادھر اُدھر دیکھ کر بولا۔ "آج موسم بہت خوبصورت ہے۔"

"ہیں......" وہ ہنس پڑی۔

"تمہیں یہ موسم پسند ہے۔"

"تم ساتھ ہو تو ہر شے حسین لگ رہی ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا تو وہ اترا کر بولی۔

"میری فرینڈز بھی یہی کہتی ہیں۔"

"اچھا، اور کیا کہتی ہیں؟"

"بہت کچھ، پھر کبھی بتاؤں گی۔ ابھی چلو۔" وہ گھڑی دیکھ کر بولی۔

"اتنی جلدی۔"

"کالج ٹائم ختم ہو چکا ہے اور مجھے اسی حساب سے گھر پہنچنا ہے۔" وہ امی کی باز پرس کا سوچ کر فوراً کھڑی ہو گئی۔

"چلو وقار! دیر ہو گئی تو میرے لیے بہت مشکل ہو گی۔"

"پھر کب ملو گی؟" وہ بہت سستی سے اٹھا تھا۔

"روزانہ صبح ملاقات ہوتی تو ہے۔"

"وہ تو کوئی ملاقات نہیں۔ میں تمہارے گھر آؤں گا۔" اس نے کہا تو وہ گھبرا گئی۔

"نہیں......ابھی گھر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"پھر کب؟"

"بتاؤں گی۔" وہ کہہ کر آگے چل پڑی تھی۔

اور یہ بھی غنیمت ہوا کہ معمول کے مطابق گھر پہنچ گئی ورنہ امی کو مطمئن کرنا مشکل ہی نہیں

تقریباً ناممکن تھا۔ پھر بھی اس کے دل میں کیونکہ چور تھا اس لیے کتابیں رکھ کر واش روم میں بند ہو گئی۔ اور وہاں سے نکلی تو کچن میں کھانا گرم کرنے لگی تب ہی نادیہ چائے کے برتن لے کر آ گئی۔

"کون آیا ہے؟" اس نے ٹرے دیکھ کر پوچھا۔

"پتا نہیں۔" نادیہ نے پہلے لاعلمی کا اظہار کیا پھر شرارت سے بولی۔ "شاید تمہاری ساس۔"

"پھر کوئی رشتہ آیا ہے؟" اس نے فوراً سمجھ کر پوچھا تو نادیہ آنکھیں پھیلا کر بولی۔

"بڑی تیز ہو گئی ہو۔"

"اس میں تیزی کی کیا بات ہے۔ خیر امی سے کہو۔ صاف منع کر دیں۔" اس نے چولہا بند کرتے ہوئے کہا تو نادیہ چیخ کر بولی۔

"میں کیوں کہوں، خود کہہ دو۔ ویسے تم چاہتی کیا ہو؟"

"بتاؤں گی۔" وہ بڑے آرام سے بولی اور سالن کی پلیٹ میں ایک روٹی رکھ کر کچن سے نکل آئی۔

اور اس شام امی خلافِ عادت بہت پیار سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

"دیکھو بیٹی! اچھے رشتے آنے اور شادی کی یہی مناسب عمر ہوتی ہے۔ یہ عمر نکل جائے تو پھر اچھے رشتے چھوڑ بُرے بھی نہیں آتے۔ تم کیوں اس بات کو نہیں سمجھتیں۔"

"سمجھتی ہوں۔" وہ اپنے ناخنوں سے کھیلتے ہوئے لاپروائی سے بول رہی تھی۔

"پھر کیوں منع کرتی ہو؟" امی اس کے جواب پر حیران اور انداز پر اندر ہی اندر تلملائی تھیں۔

"آپکو جلدی کس بات کی ہے؟، میری عمر کوئی اتنی زیا تو نہیں ہو گئی۔" اس نے کہا تو امی زچ ہو کر بولیں۔

"میرے آگے دو اور بھی ہیں۔"

"تو آپ ان کی کر دیں۔" اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"ان کی کر دوں، اور دنیا کو کیا جواب دوں کہ بڑی چھوڑ کر چھوٹی کی کیوں کی؟، پھر رشتے تمہارے لیے آئے ہیں ان کا نام تو کسی نے نہیں لیا۔"

"تو آپ لے دیں۔"

"میں کیسے لے دوں۔" امی شاید آج کوئی فیصلہ کر لینا چاہتی تھیں جب ہی ضبط کا دامن مضبوطی سے تھامے بیٹھی تھیں۔

"جیسے وہ میرا نام لیتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے، ہمیں ثانیہ کی نہیں نادیہ کی کرنی ہے۔"

"اور وہ پوچھیں، ثانیہ کی کیوں نہیں تو؟"

"تو صاف کہہ دیں۔ ثانیہ کو گھرداری نہیں آتی۔ نہ کبھی آئے گی کیونکہ اسے ہانڈی چولہے سے سخت نفرت ہے۔ جھاڑ پونچھ سے الرجی ہوتی ہے۔ کپڑے دھونے سے وہ مرجانا زیادہ پسند کرتی ہے اور......"

"بس بیٹی! بس، مزید خوبیاں مت گنواؤ۔ کہیں میں خوشی سے مر ہی نہ جاؤں۔ امی نے بے بسی سے ہاتھ جوڑ کر ٹوکا تو وہ ہنسنے لگی۔ امی تاسف سے بولیں۔

"آخر تمہارا مقصد کیا ہے؟"

"میرا تو کوئی مقصد نہیں۔"

"تو پھر سن لو۔ مجھے اور تمہارے ابو کو بھی شکیل صاحب کا بیٹا پسند آیا ہے۔ میں باقی سب کو جواب دے کر ادھر ہامی بھر لیتی ہوں تاکہ......" امی کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ وہ بول پڑی۔

"ہامی بھرنے سے پہلے آپ انہیں میری خوبیاں گنوایئے گا۔ یہی جو میں نے ابھی بتائی ہیں اور اگر آپ نہیں بتائیں گی تو میں بتا دوں گی بلکہ نکاح نامے میں لکھوانے کی شرط بھی رکھوں گی۔"

ضبط کا دامن پھسلتے پھسلتے آخر چھوٹ ہی گیا۔

"سن، کوئی بادشاہ بھی اگر بھولے بھٹکے آ گیا ناں تو وہ بھی یہ شرطیں نہیں مانے گا۔ ساری زندگی اسی دہلیز پر بیٹھی رہے گی۔ سمجھی۔ دنیا میں ایک اکیلی تو حور پری نہیں ہے۔ ہزاروں لاکھوں ہوں گی۔ لیکن تیری طرح ڈھیٹ، بے غیرت کوئی نہیں ہے۔"

"اے اللہ! یہ کہاں سے آ گئی میرے گھر میں۔ اس کے بدلے کوئی لولی لنگڑی دے دی ہوتی۔"

"پہلے مانگی ہوتی۔ اب تو آ چکی......" وہ سُلگ کر کہتی امی کے پاس سے ہٹ گئی تھی۔

☆

اس نے معمول بنا لیا تھا، روزانہ آفس سے لنچ ٹائم میں کالج چلا جاتا۔ پورا ایک مہینہ ہو گیا تھا اس سے اس طرح ملتے ہوئے۔ اس کے باوجود وہ اسے سمجھ نہیں سکا تھا۔

"کبھی بہت معصوم نظر آتی۔ کبھی بہت مغرور۔ کبھی سیدھی سادی عام سی لڑکی اور کبھی بہت چالاک، درحقیقت وہ کیا تھی وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا پھر بھی اس کی طرف کھنچا چلا جا رہا تھا تو اس میں

اس کا قصور نہیں تھا۔ اس کے حسن میں ایسا ہی جادو تھا جس نے اس کے دل میں آگ لگا دی تھی کہ وہ تڑپ تڑپ کر اس کی آرزو کر رہا تھا۔ اور اس نے یہاں تک سوچ لیا تھا کہ اگر خدانخواستہ وہ اسے نہ ملی تو وہ زہر کھا لے گا۔ ہر روز وہ اس کے سامنے ایک ہی بات دُہراتا کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اور وہ اگر منع نہیں کرتی تھی تو ہامی بھی نہیں بھر رہی تھی۔ پتا نہیں اس کے ساتھ کیا مسئلہ تھا۔ اس وقت وہ یہی سوچتا ہوا گھر آیا تھا کہ آگے اماں نے نیا شوشہ چھوڑ دیا۔

"کیا؟" وہ یوں دیکھنے لگا جیسے اماں مذاق کر رہی ہوں۔

"ہاں! تم نے بہت چکر دے لیے مجھے۔ کبھی نوکری کا بہانا، کبھی ترقی کا اور میں جانتی ہوں کوئی لڑکی وڑکی پسند نہیں کی تم نے۔ اس لیے اب میں تمہاری بات چلا رہی ہوں۔" اماں نے اسے لتاڑتے ہوئے کہا تو وہ محض تفریحاً پوچھنے لگا۔

"اچھا کہاں چلا رہی ہیں؟"

"یہیں اسی گھر میں۔" اماں نے بہت سنجیدگی سے کہا لیکن وہ فوراً سمجھا نہیں تھا۔

"اسی گھر میں، کیا مطلب؟"

"یہ اپنی سجو کے ساتھ۔" اماں نے جتنے پیار سے سجو کا نام لیا وہ اسی قدر غصے میں آ کر چیخا تھا۔

"کیا...... کہاں وہ کہاں یہ...... اُف آپ نے سوچا کیسے؟"

"کیوں کیا برائی ہے اس میں۔ اچھی سلجھی ہوئی لڑکی ہے، صفائی ستھرائی، کھانا پکانا۔ سینا پرونا، کیا نہیں آتا اسے، جس دن سے آئی ہے مجھے تو آرام ہی آرام ہے۔"

"بس خدا کے لیے۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر انہیں مزید کچھ کہنے سے روکا پھر اپنے آپ سوچتا ہوا بولا۔

"ہوں۔ اب سمجھا، یہ ماں بیٹی کس چکر میں یہاں آئی ہیں۔ بے وقوف نہیں ہوں میں۔ جایئے ان سے کہیں، ابھی میرا کمرہ خالی کریں۔ نہیں تو میں خود......" وہ اٹھنے لگا تھا کہ اماں نے ڈانٹ دیا۔

"خبردار جو تم اُدھر گئے تو......"

"تو آپ جائیں...... چند دنوں کا کہا تھا۔ ایک مہینے سے زیادہ ہو گیا ہے، ان سے کہیں۔ ہم اس سے زیادہ مہربانی نہیں کر سکتے۔ فوراً اپنا کہیں انتظام کریں۔" وہ غصے اور ناراضی سے بول رہا تھا۔

"کوئی مہربانی نہیں کی ہم نے۔ اللہ ان کا احسان ہے کہ مجھ اکیلی بوڑھی عورت کا خیال کرتی ہیں۔ ارے تم تو صبح کے نکلے رات میں آتے ہو۔ کبھی خیال بھی نہیں آتا ہوگا تمہیں کہ پیچھے اماں زندہ ہے کہ مرگئی۔ اماں کی آواز بھرا گئی تھی جس سے اس کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا، مزید نادم ہو کر بولا۔

"کیا کروں اماں! نوکری ایسی ہے۔ چھوڑ دوں تو کھائیں کہاں سے۔"

"ٹھیک ہے، نوکری چھوڑ کر میرے پاس نہیں بیٹھ سکتے، بہو تو لا سکتے ہو میرے لیے۔" اماں کی تان پھر بہو پر ٹوٹی تھی۔

"ہاں......" وہ گہری سانس کھینچ کر کہنے لگا۔ "کچھ دن صبر کریں پھر میں آپ کو اس کے گھر لے جاؤں گا۔"

"کب سے سن رہی ہوں، سچ بتاؤ۔ کوئی ہے بھی یا ایسے ہی......"

"ہے اماں ہے اور ایسی ہے کہ......بس کیا کہوں۔ آپ خود دیکھ لیجیے گا۔" اس نے زور دے کر جوش سے کہا۔

"اللہ جلدی وہ دن لائے۔" اماں نے ہاتھ پھیلا کر کہا۔

"بس، آپ دعا کریں اور ہاں، آئندہ اس کا نام نہیں لیجیے گا۔ وہ کون ہے تجو مجو......"

"اچھا جاؤ۔ کھانا کھاؤ، گرم کر دیا ہوگا اس نے۔" یہاں بھی اس کا نام آ گیا تھا۔ وہ جھنجھلاتا ہوا کمرے سے نکل کر کچن میں آیا تو حسب سابق کھانا ٹرے میں رکھا تھا اور روزانہ کی طرح پہلے نوالے پر ہی اس کے منہ سے بے ساختہ واہ نکلا تھا لیکن پھر وہ جان بوجھ کر بری بری شکلیں بنانے لگا۔ جیسے بھوک کی وجہ سے زبردستی کھانا پڑ رہا ہو۔

پھر آخری نوالہ منہ میں رکھ کر اٹھا تھا کہ وہ کچن کے دروازے میں آ کر کھڑی ہوئی جس سے وہ قدرے سٹپٹا گیا تھا کیونکہ اس تمام عرصے میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اس طرح براہ راست سامنے آئی تھی اور حقیقتاً وہ بھی پہلی بار براہ راست اسے دیکھ رہا تھا۔ دبلی پتلی معمولی نقوش والی بہت عام سی لڑکی تھی، لیکن کھڑی یوں تھی جیسے ایک عالم فتح کر آئی ہو کہ وہ چاہنے اور کوشش کے باوجود اپنے لہجے میں ذرا سی سختی نہیں لا سکا۔ اس کے برعکس جھجک کر پوچھنے لگا۔

"کیا بات ہے؟"

"میں چائے بنانے آئی تھی۔ آپ کھانا کھا چکے؟"

"ہاں!" وہ باہر نکلنا چاہتا تھا لیکن راستے میں وہ کھڑی تھی۔

"چائے پئیں گے؟"

"نہیں، راستہ چھوڑیں۔" اسے کہنا پڑا۔

"سوری!" وہ ایک طرف ہٹ گئی اور جیسے ہی وہ باہر نکلا فوراً بولی۔

"ایک منٹ رکیں گے۔"

"جی......" وہ مجبوراً رک کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا تو وہ کچن میں داخل ہو کر کہنے لگی۔

"مجھے افسوس ہے کہ ہماری وجہ سے آپ کو پریشانی ہو رہی ہے۔ میں نے ایک جگہ بات کر لی ہے اور اس پہلی تاریخ کو ہم انشاء اللہ آپ کا کمرہ خالی کر دیں گے۔"

وہ سمجھ گیا کہ وہ جو اتنی اونچی آواز میں اماں سے بول رہا تھا تو یقیناً سن چکی ہے پھر بھی مروتاً کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے تلافی ہو سکتی البتہ کھسیا ضرور گیا تھا۔ جب ہی کچھ کہے بغیر فوراً اندر آ گیا۔

"کھا لیا کھانا؟" اماں نے یونہی پوچھ لیا تھا جب ہی وہ بھی اَن سنی کر گیا اور دونوں پلنگوں کے درمیان تھوڑی سی جگہ پر ادھر سے ادھر ٹہلتا ہوا بولا۔

"کھانا کھاتے ہی سونا پڑتا ہے۔ جب ہی آج کل طبیعت بھاری رہتی ہے۔"

"اتنی دیر سے جو آتے ہو۔ ایسا کرو، رات کا کھانا آٹھ بجے وہیں دفتر میں کھا لیا کرو۔" اماں نے مخلصانہ مشورہ دیا جس پر وہ چڑ کر بولا۔

"پھر کہیں گی، سو بھی وہیں جایا کرو۔"

"توبہ، تم سے تو بات کرنا مشکل ہے۔" اماں نے لیٹتے ہی دیوار کی طرف منہ کر لیا تو وہ لائٹ آف کرنے سوئچ بورڈ تک گیا لیکن پھر کچھ خیال آنے پر واپس پلٹ کر اماں کو پکار کر بولا۔

"اماں! ایک بات بتائیں۔"

"کیا؟" اماں نے کوئی حرکت کیے بغیر پوچھا۔

"ادھر دیکھیں۔" وہ ان کے پاس بیٹھ گیا اور کندھا ہلا کر اپنی طرف متوجہ کر کے پوچھنے لگا۔

"یہ جو ماں بیٹی ہیں، یہ کرتی کیا ہیں؟"

"کیا مطلب؟" اماں سمجھی نہیں لیکن پوری طرح متوجہ ضرور ہو گئی تھیں۔

"میرا مطلب ہے، ان کی آمدنی کا کیا ذریعہ ہے۔ کوئی پنشن وغیرہ آتی ہے کیا۔ یا لڑکی کا باپ کہیں باہر رہتا ہے؟"

"نہیں۔ اس کا باپ نہیں ہے۔ نہ ہی کوئی پنشن آتی ہے۔"

"پھر......!"

"پھر کیا...... سلائی کڑھائی کرتی ہیں دونوں ماں بیٹی، اسی پر گزارا ہے۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" اماں نے بتا کر ٹوکا۔

"یونہی خیال آیا تھا کہ لڑکی کوئی نوکری تو کرتی نہیں پھر ان کی گزر اوقات۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"لائٹ آف کر دوں؟"

"ہاں......" اماں پھر کروٹ بدل گئیں تو وہ لائٹ آف کر کے اپنی جگہ پر آلیٹا اور روزانہ کی طرح اندھیرے میں اس حسین چہرے کی ضیاء کو سوچتے سوچتے سویا تھا۔

☆

اور اگلے روز جب وہ اس کے ساتھ اسی مخصوص ریسٹورنٹ میں بیٹھا تو بہت سنجیدہ ہو کر کہنے لگا۔

"دیکھو ثانیہ! میں نے تمہاری طرف پیش رفت محض دوستی یا محض وقت گزاری کے لیے نہیں کی تھی۔ میں نے تمہیں دیکھا، پسند کیا اور پھر تم سے شادی کا فیصلہ کر کے تمہاری طرف بڑھا تھا اور اگر تمہیں یاد ہو تو میں نے پہلی ملاقات میں ہی تم سے پوچھا تھا کہ مجھ سے شادی کرو گی اور تم اب تک مجھے ٹال رہی ہو۔ کیوں؟"

وہ اس کی سنجیدگی سے قدرے خائف ہو گئی تھی۔ جبھی فوراً کچھ نہیں بولی۔

"جواب دو ثانیہ! کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟" اس نے پھر اصرار سے پوچھا۔

"مسئلہ؟" وہ پُرسوچ انداز میں بولی۔ "ہاں مسئلہ تو ہے۔"

"کیا......؟" وہ سوالیہ نشان بن گیا۔

"کیا کیا؟" وہ پہلے اپنے انداز میں ہنسی پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہنے لگی۔

"ایسا ہے وقار کہ میرے لیے بہت سے پرپوزل آئے ہوئے ہیں، اتنے کہ پوری ایک لسٹ بن گئی ہے اور ٹاپ آف دی لسٹ میں تمہیں بتاؤں، اپنے محلے کے شکیل صاحب جنہیں یقیناً تم جانتے ہو گے انہوں نے اپنے بیٹے کا پرپوزل دیا ہے۔ پھر ڈاکٹر عارف اور سمو صاحب اور......"

"بس مجھے پوری لسٹ مت بتاؤ۔" اس نے ٹوک دیا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"جل گئے؟"

"ہاں۔" اس نے صاف گوئی سے اعتراف کیا تو وہ ہنسی روک کر کہنے لگی۔

"میرا مقصد تمہیں جلانا نہیں تھا۔ بہر حال تم نے مسئلہ پوچھا۔ میں وہی بتا رہی ہوں۔ میں نہیں چاہتی ہوں کہ ان پروپوزلز کی موجودگی میں تمہارا پروپوزل آئے اور لسٹ میں تمہارا نام آخری نمبر پر لکھا جائے۔ پہلے مجھے ان سب کو ٹالنے دو۔ اس کے بعد تم آنا۔"

"انہیں ٹالنے میں کیا مشکل ہے، صاف منع کر دو۔" اس نے کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"کیا بتاؤں۔ روزانہ امی سے تکرار ہوتی ہے۔ وہ زبردستی مجھ سے ہامی بھروانے پر تلی ہوئی ہیں۔"

"پھر...... کیا تم ان کی بات مان لو گی؟" وہ اب واقعی پریشان ہو گیا تھا۔

"نہیں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، میں بہت ضدی ہوں، اپنی منوا کے چھوڑتی ہوں۔"

اس کے انداز میں ہٹ دھرمی اور خودسری تھی جس پر وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر پوچھنے لگا۔

"کیسے منواؤ گی؟"

"میں نے امی سے کہہ دیا ہے کہ جہاں بھی وہ ہامی بھرنے کا سوچیں، وہاں پہلے میری عادات بتا دیں۔ نہیں تو میں خود بتا دوں گی۔ اس کے بعد مجھے یقین ہے، سب اپنا اپنا پرپوزل واپس لے لیں گے۔" اس نے محظوظ ہو کر بتایا تو وہ قدرے الجھ کر پوچھنے لگا۔

"کیا مطلب...... تمہاری عادات......"

"بھئی۔ صاف بات ہے، مجھے گھرداری نہیں آتی۔ نہ میں کبھی سیکھوں گی۔ کیونکہ مجھے ہانڈی چولہے سے سخت نفرت ہے۔ جھاڑ پونچھ سے الرجی ہوتی ہے اور کپڑے برتن دھو کر میں اپنے ہاتھ خراب نہیں کر سکتی۔ میں شادی ہی اس شخص سے کروں گی جو مجھ سے یہ سب کام کرنے کو نہیں کہے گا۔" وہ اپنی عادات بتاتے ہوئے آخری جملہ روانی میں بول گئی تھی تو وہ جو اس کی عادات پر ہی حیران ہو رہا تھا آخری بات پر اچھل پڑا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں، مجھے اپنی رنگت، اپنی جلد، اپنا حسن دھوئیں میں خراب نہیں کرنا۔ تم ایمانداری سے بتاؤ، اگر میں کوئی عام سی لڑکی ہوتی، کالی پیلی تو کیا تم اس طرح میرے دیوانے ہوتے۔" وہ اپنی بات پر نہ صرف قائم بلکہ اس سے منوانے پر بھی تل گئی۔

"نہیں۔" اس کی نظروں میں اچانک دبلی پتلی بدرنگ سی تجو کا سراپا آن سمایا تھا جب ہی اس کا سر نفی میں ہلتا گیا۔

''پھر میں اپنے حسن کی حفاظت کیوں نہ کروں۔'' وہ گردن اکڑا کر بولی تھی۔

''ہاں، یہ تمہارا حق ہے۔'' وہ پھیکی ہنسی ہنسا پھر پوچھنے لگا۔ ''تم ابھی اپنے گھر میں کوئی کام نہیں کرتیں؟''

''بالکل نہیں۔''

''تمہاری امی کچھ کہتی نہیں۔''

''بہت کچھ کہتی ہیں، لیکن میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔'' وہ ڈھٹائی سے بولی تھی۔

''بہرحال۔ تم اپنی جگہ ٹھیک سہی لیکن میری اماں کے سامنے ایسی باتیں نہیں کرنا۔'' اس نے کہا تو وہ تنک کر بولی۔

''کیوں......؟''

''کیونکہ وہ پرانے خیال کی عورت ہیں، نہیں سمجھیں گی۔ پھر یار! میں جو مان رہا ہوں تو ان سے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔'' اس نے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ یقین کی خاطر پوچھنے لگی۔

''تم مان رہے ہو؟''

''ہاں......'' وہ ''مجبوری ہے'' کہتے کہتے رہ گیا۔

''ایسے ہی زبانی ہاں نہیں چلے گا۔ میں نکاح نامے پر بھی لکھواؤں گی۔'' اس نے کہا تو وہ فوراً بولا۔

''نہیں تم ابھی لکھوالو۔ اس وقت یہ باتیں نہیں ہوں گی۔''

''کیوں؟''

''عجیب بے وقوف لڑکی ہو۔ لوگ کیا کہیں گے اور مجھے نہیں تمہارے بارے میں الٹی سیدھی باتیں ہوں گی جو میں برداشت نہیں کرسکتا۔ سمجھیں۔''

''سمجھ گئی۔'' وہ ہنسنے لگی۔

''پھر میں اماں کو کب بھیجوں؟'' اس نے پوچھا تو وہ فوراً بولی۔

''جب چاہو۔ میں آج ہی امی سے بات کراوں گی پھر تم کل پرسوں جب بھی......''

''ٹھیک ہے، لیکن تم یاد رکھو، اماں کے سامنے کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہوگی۔'' اس نے پھر تنبیہہ کی تھی۔

☆

امی کیونکہ ہر روز اسے آنے والے رشتوں کے بارے میں بتا کر پھر اس سے ہامی بھرواتے

کی کوشش کرتی تھیں۔ اس لیے اس کی جھجک ختم ہوگئی تھی بلکہ یہاں تو باقاعدہ تکرار ہوتی تھی جب ہی اس نے بڑے آرام سے امی کو وقار کے بارے میں بتا کر یہ بھی کہہ دیا کہ وہ شادی کرے گی تو اسی سے۔ جس پر امی کہنا تو بہت کچھ چاہتی تھی لیکن مصلحتاً خاموشی اختیار کرلی کہ پہلے رشتہ دیکھ لیں۔

ویسے انہیں یقین تھا کہ اس نے جسے پسند کیا ہے وہ اگر شہزادہ نہیں تو شہزادے سے کم بھی نہیں ہوگا اور پھر امی کے ساتھ نادیہ اور سعدیہ بھی اس شہزادے کی طرف سے آنے والے پیام کا شدت سے انتظار کرنے لگیں۔ جو چوتھے روز آیا تھا۔

''میں وقار کی ماں ہوں۔'' اماں نے سیدھے سادے انداز میں اپنا تعارف کرایا تو امی نے پہلے سرتاپا انہیں دیکھا پھر ڈرائنگ روم میں لے جانے کے بجائے وہیں برآمدے میں رکھے تخت کی طرف اشارہ کرکے بولیں۔

''جی آئیں، بیٹھیں۔''

''آپ کی ماشاء اللہ کتنی بیٹیاں ہیں؟'' اماں نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''تین۔'' امی نے خاصے نروٹھے پن سے جواب دیا۔

''ثانیہ کہاں ہے؟'' اماں نے پھر پوچھا۔

''بلاتی ہوں، ثانیہ!'' امی نے وہیں سے پکارا اور اس کا جواب اندر سے آیا۔

''کیا ہے؟''

''یہاں آؤ۔''

''کیوں؟''

''ارے آؤ تو......''

''میں نہیں آرہی......''

اماں ہونق بنی ادھر دیکھ، ادھر کی سن رہی تھیں۔

''کم بخت کو ذرا تمیز نہیں۔'' امی جھنجھلاتی ہوئی اٹھ کر اندر گئیں تو اماں گردن موڑ کر واپسی کا راستہ دیکھنے لگیں اور اس سے پہلے کہ اٹھتیں وہ آگئی۔

''السلام وعلیکم!''

''ہیں......'' اماں کی آنکھیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وقار نے ٹھیک تو کہا تھا کہ آپ بس دیکھتی رہ جائیں گی۔

''ماشاء اللہ۔'' کتنی دیر بعد ان کے منہ سے نکلا تھا، پھر امی کو دیکھ کر کہنے لگیں۔

''میں اسی کے لیے آئی ہوں، وقار نے بھیجا ہے مجھے۔ بہت پیاری بیٹی ہے آپ کی۔ میرا وقار بھی کم نہیں ہے۔ ماشاء اللہ چاند سورج کی جوڑی سجے گی۔''

''کہاں رہتی ہیں آپ؟'' امی نے ان کی کسی بات پر دھیان دیے بغیر پوچھا۔

''یہاں سے تین گلی آگے چوتھا مکان ہے میرا۔ آپ آئیے گا نا۔'' اماں اسے دیکھ کر اتنی خوش تھیں کہ انہیں امی کا نروٹھا پن بالکل برا نہیں لگ رہا تھا۔

''ظاہر ہے آؤں گی۔ دیکھوں گی، تب ہی بات بڑھے گی۔''

''کل آجائیں۔ چھٹی کا دن ہے۔ وقار بھی گھر پر ہوگا۔ ورنہ تو صبح کا گیا رات میں آتا ہے۔'' اماں نے دعوت دے کر کہا۔

''کیا کرتا ہے؟'' امی نے پوچھنے کے ساتھ اسے بھی وہاں سے جانے کا اشارہ کیا لیکن وہ ڈھیٹ بنی بیٹھی رہی۔

''ماشاء اللہ اچھی نوکری ہے، ترقی بھی ہوگئی ہے۔''

''اچھا آؤں گی۔'' امی نے احسان کیا پھر اس سے بولیں۔

''جاؤ چائے لاؤ۔''

''نادیہ لا رہی ہے۔'' وہ کہہ کر اندر آ گئی اور امی کا رویہ سوچ کر کڑھنے لگی کہ اوروں کے سامنے تو بچھ بچھ جاتی ہیں اور وقار کی اماں کے ساتھ یہ سلوک۔ پتا بھی ہے کہ مجھے ان ہی کے گھر جانا ہے۔ وہ اپنے طور پر گویا فیصلہ کر چکی تھی۔

اور پھر اس وقت تو امی کچھ نہیں بولیں، یعنی اس رشتے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا لیکن اگلے روز جب وقار کے گھر سے ہو کر آئیں تب جو شروع ہوئیں تو چپ ہی نہیں ہوئیں۔

''ہیں...... دماغ تو بڑے اونچے ہیں اور پسند کیا ٹٹ پونجیے کو۔ ہے کیا اس کے پاس۔ ایک کمرے میں دونوں ماں بیٹا رہتے ہیں۔ دوسرے کو کرائے پر اٹھا رکھا ہے۔ تجھے کہاں رکھے گا۔ بتا۔''

''اور پتا ہے، اس کی ماں کیا کہہ رہی تھی۔ مجھ بوڑھی سے اب کام نہیں ہوتا، بہو آجائے گی تو آرام ہوجائے گا۔ اور سچ سچ اس بڑھیا کو ایسی ہی بہو کی ضرورت ہے، نوکرانی تو رکھ نہیں سکتے، اتنی حیثیت ہی نہیں ہے۔ تو کس دھوکے میں آ گئی۔''

''میں کسی دھوکے میں نہیں آئی۔ جانتی ہوں کہ وہ کیا ہے۔'' اس نے بمشکل اپنے اندر اٹھتے اُبال کو دبا کر کہا تھا۔

''اور وہ...... وہ جانتا ہے تجھے کچھ نہیں آتا؟ اسے بھی پہلے جا کر بتا، نہیں تو میں بتاؤں گی بلکہ نکاح میں لکھوانے کی شرط رکھوں گی کہ تجھ سے گھرداری نہیں کروائے گا۔ تو صرف شوکیس میں سجنے کے لیے جائے گی۔ بہت حور پری ہے ناں تو۔'' امی نے اپنے تئیں اس کا حربہ اسی پر آزما کر کہا تو وہ تن کر بولی۔

''ہاں ہوں میں حور پری اور شوکیس میں سجنے کے لیے ہی جاؤں گی، آپ فکر نہیں کریں میں نے اسے دھوکے میں نہیں رکھا، سب بتا دیا ہے کہ مجھے کچھ نہیں آتا اور نہ میں کروں گی۔ اس کے بعد بھی اس نے اپنی ماں کو بھیج دیا تو اس کا کیا مطلب ہے؟''

''اس کا مطلب ہے وہ دنیا کا سب سے احمق آدمی ہے اور خود غرض بھی۔'' امی نے اس کے بارے میں فیصلہ سنا دیا۔

''اب تو آپ یہی کہیں گی۔'' وہ چڑ کر بولی تھی۔

''غلط نہیں کہہ رہی اور یہ تو اپنے دل سے نکال دے کہ میں تیری اس کے ساتھ شادی کردوں گی۔ ہاں اگر گھرداری سیکھ لے تو سوچ سکتی ہوں۔'' یہاں امی نے اس کے لیے شرط رکھ دی تو وہ تلملا گئی۔

''آپ صاف کیوں نہیں کہتیں کہ آپ میرے لیے اچھا سوچ ہی نہیں سکتیں۔''

''دشمن ہوں نا تیری۔''

''ہاں پکی دشمن، اور سنیں میری شادی وقار سے ہی ہوگی۔'' وہ ہمیشہ کی طرح ہار ماننے کو تیار نہیں تھی۔

''جس سے بھی ہو، میری بلا سے۔'' آخر امی نے ہی اس کی طرف سے پیٹھ موڑ کر بات ختم کی پھر سامنے نادیہ کو دیکھ کر اس سے بولیں۔

''یہ میری بیٹی نہیں ہے۔ ضرور اسپتال میں کسی سے بدل گئی تھی۔''

نادیہ جو اس صورتحال سے پریشان تھی۔ ان کی اس بات پر بے ساختہ ہنسنے لگی۔

''ہنسنے کی کیا بات ہے، ٹھیک تو کہہ رہی ہیں۔'' وہ روٹھے ہوئے انداز میں نادیہ سے کہتی اندر چلی گئی۔ اور واقعی اسی نہج پر سوچنے لگی تھی کہ کہیں کوئی گڑبڑ ہوئی ضرور ہے۔ جب ہی امی کا رویہ اس کے ساتھ ایسا ہے، ورنہ نادیہ اور سعدیہ کے ساتھ تو ہمیشہ بہت پیار سے بات کرتی ہیں، اور میں پکار بھی لوں تو کاٹ کھانے کو دوڑتی ہیں۔

''ثانیہ!'' نادیہ نے آ کر اس کی سوچوں کو منتشر کردیا تو وہ بولی کچھ نہیں بس ناگواری سے

دیکھنے لگی تھی۔

''کیا ہو جاتا ہے تمہیں، ذرا ذرا سی بات پر اتنا ہنگامہ کھڑا کر دیتی ہو۔'' نادیہ غالباً اسے سمجھانے آئی تھی۔

''میں کرتی ہوں؟ وہ شروع ہوتی ہیں پہلے اور سنو۔ یہ ذرا سی بات نہیں۔ میری زندگی کا سوال ہے۔ میں وقار کو پسند کرتی ہوں، تم ابھی گئی تو تھیں امی کے ساتھ سچ بتاؤ کیسا ہے؟''

''خیر وہ تو واقعی بہت اچھا، بہت ہینڈسم ہے لیکن جیسی زندگی تم چاہتی ہو تو وہ شاید وقار افورڈ نہیں کرسکتا۔'' نادیہ نے ایمانداری سے وقار کی تعریف کر کے کہا تو وہ تڑخ کر بولی۔

''کیوں نہیں کرسکتا، میں نے کون سے محلوں اور ہیرے جواہرات کی ڈیمانڈ کی ہے۔ اپنے بارے میں میں نے اسے سب کچھ بتا دیا ہے۔ اپنی ہر عادت، ہر بات اور اس نے تو کوئی احتجاج نہیں کیا بلکہ اسی وقت لکھ کر دے دیا کہ وہ ساری زندگی مجھ سے گھر کا کوئی کام نہیں کروائے گا۔ اب یہ اس کا مسئلہ ہے کہ وہ خود کرے یا کوئی ملازم رکھے۔''

''اب میں کیا کہوں جب تمہارے پاس ہر بات کا جواب موجود ہے۔'' نادیہ نے بہت جلدی ہتھیار ڈال دیے پھر پوچھنے لگی۔

''اچھا سنو، تم نے وقار کا گھر دیکھا ہے؟''

''نہیں، کیوں؟''

''دو کمرے ہیں، ایک میں شاید کرائے دار ہیں اور دوسرے میں وہ دونوں ماں بیٹا ہوتے ہیں۔ البتہ صحن کافی کھلا ہے۔ جب کہ کچن ایک اور شاید باتھ روم بھی ایک ہی ہے۔'' نادیہ نے وقار کے گھر کا نقشہ بیان کیا تو وہ قصداً انجان بن کر بولی۔

''پھر؟''

''پھر یہ کہ تم غلطی کر رہی ہو۔ اس کے مقابلے میں شکیل صاحب کا گھر......'' نادیہ نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

''بات سنو، شکیل صاحب کے گھر میں اگر چھ کمرے ہیں تو چار بہوئیں بھی موجود ہیں ایک کمرہ شکیل صاحب اور ان کی بیگم کا ہے۔ ایک ڈرائنگ روم، چار بہوؤں کے پاس اور جو پانچویں جائے گی۔ وہ کہاں رہے گی۔''

''یا اللہ! تم سے جیتنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ پھر بھی میں تم سے یہ ضرور کہوں گی کہ تم وقار سے شادی ضرور کرو لیکن شرطیں مت باندھو۔'' نادیہ ہار مان کر بھی سمجھانے سے باز نہیں آئی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا، تم لوگوں کو کیوں اعتراض ہے۔ جب ماننے والا مان رہا ہے۔'' اس نے زچ ہو کر کہا تو نادیہ گہری سانس کھینچ کر پوچھنے لگی۔

''اچھا یہ بتاؤ، اگر وقار تمہاری شرط نہ مانتا تو تم کیا کرتیں؟''

''صاف انکار کر دیتی کہ جاؤ کوئی اور لڑکی دیکھو۔'' اس نے فوراً کہا تو نادیہ بھی فوراً بول پڑی۔

''اس کا مطلب ہے، تمہیں اس سے محبت نہیں ہے۔''

اس سے فوری جواب نہیں بن پڑا اور قدرے سٹپٹا بھی گئی تھی اور نادیہ کو موقع مل گیا۔

''تم انتہائی خود پسند اور کام چور ہو۔ میں بچپن سے دیکھتی آ رہی ہوں، تم نے کبھی جو امی کے کسی کام کو ہامی بھری ہو، الٹا ان سے ہر بات میں ضدیں بھی باندھنے لگیں۔ پھر جب انہوں نے یہ احساس دلانے کی کوشش کہ آگے سسرال میں مشکل ہوگی تو یہاں تم نے اپنے حسین ہونے کا فائدہ اٹھا کر وقار جیسے شریف آدمی کو اپنے جال میں پھنسا لیا۔ لیکن یاد رکھو حسن کا جادو بہت زیادہ عرصے نہیں چلتا۔''

''بکواس بند کرو۔'' نادیہ نے آئینہ دکھایا تھا وہ چیخ پڑی۔

''تم سب مجھ سے جلتے ہو۔''

''کیا کریں، تم اتنی حسین جو ہو۔'' نادیہ نے مزید تمسخر سے کہا اور سر جھٹکتی اٹھ کر چلی گئی تو وہ کتنی دیر اسے گالیاں دیتی رہی تھی۔

☆

وہ خلاف معمول آج چار بجے ہی آفس سے آ گیا تھا کیونکہ صبح اماں سے کہہ کر گیا تھا کہ وہ آج ضرور ثانیہ کے ہاں جائیں اور ان کا جواب لے کر آئیں۔ گو کہ اسے یقین تھا کہ وہاں سے انکار نہیں ہوگا پھر بھی اماں سے سننا چاہتا تھا جب ہی جلدی گھر آیا تو آگے اس کے کمرے میں جو بڑی مستعدی سے جھاڑ پونچھ کر رہی تھی۔ وہ دروازے میں رک کر کھانسا تو وہ ایک دم ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگی۔

''وہ اماں کہاں ہیں؟'' وہ اس کے متوجہ ہونے پر بلا ارادہ پوچھ گیا۔

''وہ شاید آپ کے سسرال گئی ہیں۔'' وہ بتا کر پھر ٹیبل صاف کرنے لگی۔

''اچھا۔ تم یہ صفائی کیوں کر رہی ہو؟ میرا مطلب ہے، رہنے دو۔ اماں آئیں گی تو کرلیں گی۔'' اس نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"اماں بے چاری بوڑھی ہوگئی ہیں۔ یہ سب کام ان کے کرنے کے نہیں ہیں۔" وہ مصروف رہ کر بے تاثر لہجے میں بولی۔

"مجبوری ہے۔ تم نہیں تھیں تب بھی تو کرتی تھیں اور جب تم چلی جاؤ گی تب بھی وہی کریں گی۔" وہ بے سوچے سمجھے بول گیا تو اس نے فوراً ٹوکا۔

"تب کیوں، آپ کی بیوی آجائے گی تو وہ کرے گی۔"

"ہاں، اسے تو میں بھول ہی گیا۔" اس نے سٹپٹا کر بات بنائی تو وہ ہنس پڑی۔ بولی کچھ نہیں۔

"میری بیوی آتے ہی کاموں میں تو نہیں لگ جائے گی اور اماں بھی نہیں کرنے دیں گی اسے۔" اس کے دل میں کیونکہ چور تھا جب ہی وضاحت کرنے لگا۔

"ہاں، اماں بہت سیدھی اور مروت والی ہیں لیکن آنے والی کو تو خیال ہوگا نا۔ سنا ہے بہت خوبصورت ہے۔"

"ہاں بہت......" وہ اس کی تعریف پر خوش ہوگیا۔

"میں ضرور دیکھنے آؤں گی۔" اس نے شوق سے کہا تو وہ پوچھنے لگا۔

"کیوں شادی میں نہیں آؤ گی؟"

"آپ بلائیں گے؟"

"کیوں نہیں، ضرور بلاؤں گا بلکہ ابھی دعوت دے رہا ہوں۔ تم ضرور آنا اور ہاں تم نے گھر کہاں لیا ہے؟" اس نے اچانک خیال آنے پر پوچھا تو وہ ذرا سے ہنس کر بولی۔

"گھر نہیں، ایک کمرہ ہے۔ یہیں پچھلی گلی میں اگر آپ کے گھر میں پچھلی طرف دروازہ ہوتا تو بالکل سامنے پڑتا۔"

"پھر تو آرام سے آجا سکتی ہو۔" وہ کہہ کر اپنے پلنگ پر بیٹھا اور جوتے اتارنے لگا تو وہ کمرے سے نکل گئی۔

"سمجھدار لڑکی ہے۔" اس نے سوچا اور آرام سے لیٹ گیا۔

کچھ دیر بعد اماں آئیں تو وہ بے صبری سے اٹھ کر پوچھنے لگا۔

"کیا رہا اماں؟"

"سانس تو لینے دو۔" اماں نے چادر اتار کر ایک طرف رکھی پھر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"مرضی تو ہے ان کی، لیکن باتیں اکھڑی اکھڑی کرتی ہیں۔"

"کیا...... کیا کہہ رہی تھیں؟"

"پہلے سجو اور اس کی ماں کا پوچھا کہ یہ یہاں کیوں رہتی ہیں۔ پھر اپنی بیٹی کا کہنے لگیں کہ اسے کوئی کام کاج نہیں آتا۔ میں نے کہا سب سیکھ جائے گی۔ آج کل لڑکیاں پڑھائی میں زیادہ زور دیتی ہیں، اور گھرداری جب سر پر پڑتی ہے تب ہی سیکھتی ہیں......" اماں تفصیل سے بتاتے ہوئے سانس لینے کو رکی تھیں کہ وہ بول پڑا۔

"ہاں یہ آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔" پھر پوچھنے لگا۔ "اور کیا کہا؟"

"اور جو اس کے لیے درجن بھر رشتے آئے ہوئے ہیں، ان کا بتایا پھر کہنے لگیں۔ آپ کے بیٹے نے پتا نہیں کیا جادو کر دیا ہے میری بیٹی پر کہ وہ اچھے اچھے رشتوں کو چھوڑ کر بس اسی کا نام لیے جا رہی ہے۔ جب ہی مجھے مجبوراً ہامی بھرنی پڑ رہی ہے۔"

"ہامی بھرلی......" اس کے لیے باقی ساری باتیں بے معنی ہوگئی تھیں، بس ہامی کا سن کر خوش ہوگیا تو اماں ہنس کر بولیں۔

"کیسے نہ بھرتیں، جادو جو کر دیا ہے تم نے۔"

"ارے اماں! جادو تو اس کا چلا ہے۔ دیکھا نہیں، کتنی خوبصورت ہے، سارے خاندان میں آپ کی واہ واہ ہوجائے گی۔" اس نے کہا تو اماں فوراً تائید کر کے کہنے لگیں۔

"ہاں، تمہاری تائی بہت اتراتی تھیں اپنی بیٹیوں پر، اب میری بہو دیکھیں گی تو جل جائیں گی۔"

"اچھا یہ بتائیں۔ شادی کا کیا بولیں؟"

"وہ تو کچھ نہیں بولیں، میں ہی کہہ آئی ہوں اگلے مہینے کروں گی۔" اماں بتا کر کہنے لگیں۔

"پہلی کو تمہارا کمرہ خالی ہوجائے گا، پھر جا کر تاریخ رکھ آؤں گی۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" اس نے تائید کی۔ تب ہی سجو چائے لے کر آگئی تو اماں اسے دعائیں دیتے ہوئے کہنے لگیں۔

"خوش رہو بیٹی! اللہ نیک نصیب کرے۔ تم نے تو مجھے بہت آرام طلب بنا دیا ہے۔ چلی جاؤ گی تو کیا کروں گی۔ اب تو اٹھ کر پانی پینا مشکل لگتا ہے۔"

"میں کوئی بہت دور تو نہیں جا رہی اماں! یہیں پیچھے تو ہوں گی۔ جب کوئی کام ہو، کھڑکی میں سے پکار لیجیے گا۔" اس نے پتا نہیں اس وقت یہ کیوں نہیں کہا کہ پھر بہو آجائے گی جب کہ وہ یہی جواب سوچ کر مجوبز ہو رہا تھا۔

''جیتی رہو، تمہاری اماں کیا کر رہی ہیں؟''

''سلائی۔''

''ارے ہاں۔ کل میں بھی اپنی بہو کے جوڑے نکالوں گی، کچھ تم سی دینا۔'' اماں نے کہا تو وہ خلوص سے بولی۔

''کچھ کیوں، میں سب سی دوں گی اور ٹانک بھی دوں گی۔''

''ہاں اماں پہلی سے پہلے پہلے یہ سارے کام کروالیں پھر تو یہ چلی جائیں گی۔'' وہ خاصی خودغرضی اور بے مروتی کا مظاہرہ کر گیا تھا اور وہ برا مانے بغیر بولی۔

''فکر نہیں کریں۔ میں وہاں سے آ کر بھی کردوں گی۔''

اور پھر واقعی اس لڑکی نے کسی موقع پر اماں کو یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ اکیلی ہیں۔ سارے کام اپنے ذمے لے کر اتنی خوبی سے نمٹائے کہ اماں اسے دعائیں دیتے نہیں تھکتی تھیں۔

شادی کے دنوں میں مہمانوں کی خاطر مدارات سے لے کر ولیمے کی تقریب تک وہ ہر کام میں پیش پیش تھی۔ اس کے بعد یوں غائب ہوئی کہ جیسے کبھی یہاں تھی ہی نہیں۔ شاید اسے اطمینان ہوگیا تھا کہ اماں اب اکیلی نہیں ہیں۔ ان کا خیال کرنے والی بہو آ گئی ہے۔

☆

وہ تو پہلے ہی بہت حسین تھی۔ مزید اب ہار سنگھار کر کے بالکل ہی ہوش اڑا دیتی تھی۔ ایک ہفتہ ہوگیا تھا اس کی شادی کو اور ابھی تک اسے دیکھنے آنے والوں کا سلسلہ جاری تھا۔

''اے بہن! کہاں سے ڈھونڈی ایسی چاند سی بہو۔''

''ایمان سے خالہ! تمہاری بہو بہت پیاری ہے۔''

اماں اس کی تعریف پر خوش تو ہوتی تھیں لیکن جس طرح انہیں آنے والیوں کے لیے چائے پانی کا انتظام کرنا پڑتا، اس سے وہ تھک گئی تھیں۔ حالانکہ وہ تھکنے والی نہیں تھیں۔ ساری زندگی اندر باہر کے سارے کام انہوں نے خود کیے تھے لیکن ادھر دو مہینے بجو نے جس طرح اپنی اماں کی طرح انہیں بھی چارپائی پر بٹھا کر کھلایا تھا تو اس سے وہ آرام طلب ہوگئی تھیں یوں بھی بوڑھی جان تھیں۔ آرام کے بعد دوبارہ کام ان کے بس کا نہیں تھا۔ پھر بھی ایک ہفتہ انہوں نے بہو کے بہت ناز اٹھائے تھے۔ اور چاہتی تھیں کہ ابھی کچھ دن اور وہ اسی طرح بجی سنوری بیٹھی رہے۔ لیکن ان کی بوڑھی ہڈیاں جواب دے گئیں۔

اس صبح ان سے اٹھا ہی نہیں گیا۔ بخار کے ساتھ جوڑ جوڑ دُکھ رہا تھا اس لیے ناشتہ کیا

بناتیں، خود ایک کپ چائے کے لیے ترس رہی تھیں، کیونکہ وقار ابھی چھٹی پر تھا تو آرام سے دس بجے کمرے سے نکلا تھا۔ وہ بھی اماں سے ناشتے کا پوچھنے لگا، لیکن آگے انہیں بے سدھ پڑا دیکھ کر پریشان ہوگیا۔

''اماں......!'' پکارنے کے ساتھ انہیں چھو کر دیکھا پھر بھاگا ہوا اپنے کمرے میں آیا۔

''ثانیہ! اماں کو بہت تیز بخار ہے۔''

''پھر......؟'' وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تھی۔ آئینے میں ہی اسے دیکھنے لگی۔

''میں ڈاکٹر کو لینے جا رہا ہوں، تم جب تک ناشتہ بنالو۔'' وہ روانی میں یا بے دھیانی میں کہہ گیا تھا۔

''کیا......؟'' وہ فوراً اس کی طرف گھومی تو جلدی سے بولا۔

''میرا مطلب ہے، تم اماں کے پاس جا بیٹھو۔''

''اور ناشتہ......؟''

''لیتا آؤں گا......'' وہ کہہ کر باہر نکل گیا تو اس نے پہلے اپنا سنگھار مکمل کیا پھر اماں کے کمرے میں آ کر یوں بیٹھ گئی جیسے ابھی ابھی اس کی ڈولی اتری ہو۔

اماں وقفے وقفے سے کبھی کراہتیں، کبھی غنودگی میں بڑبڑانے لگتیں تو وہ بس ایک نظر انہیں دیکھتی پھر بے نیازی سے اپنے ناخنوں سے کھیلنے لگتی۔ اتنی توفیق بھی نہیں ہوئی کہ انہیں پکار کر دلاسہ دیتی اور ہوتی بھی کیسے وہ کبھی اپنی امی کی بیماری میں ان کے قریب نہیں گئی تھی پھر یہ تو ساس تھیں۔

جب وقار ڈاکٹر کو ساتھ لے کر آیا تو اسے اتنے آرام سے بیٹھا دیکھ کر جز بز تو ہوا لیکن کیا کرسکتا تھا۔ البتہ دل میں ناراض ضرور ہوگیا تھا۔ جب ہی دوبارہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ اور بہت خاموشی سے ڈاکٹر کی تمام کارروائی دیکھتا رہا پھر اسے رخصت کر کے آیا تو اسی خاموشی سے جو ناشتہ لایا تھا پلیٹوں میں نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا اور خود اماں کے پاس بیٹھ کر ان کے پیر دبانے لگا۔

''تم ناشتہ نہیں کرو گے؟'' اس نے بہت سرسری انداز میں پوچھا۔

''نہیں......'' وہ توقع کر رہا تھا کہ اس کی خاموشی اور ناراضگی محسوس کر کے وہ اسے منائے گی اور ناشتہ کرنے پر اصرار کرے گی لیکن اس کے برعکس وہ شاکی ہو کر بولی۔

''کر کے آئے ہو گے نا؟''

"نہیں، میں پہلے اماں کو کھلاؤں گا۔" اس نے دوسرا حربہ آزمایا۔

"تمہاری مرضی۔" وہ اطمینان سے کھانے میں مصروف ہوگئی تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اٹھ کر چائے بنا لایا۔ اور اماں کو اٹھا کر انہیں چائے میں ڈبو کر بسکٹ کھلائے پھر دوا دے کر کہنے لگا۔

"ڈاکٹر نے سختی سے کام کرنے کو منع کیا ہے۔ کچھ دن مکمل آرام کریں۔"

"اچھا اچھا۔ یہ بتاؤ......تم دونوں نے ناشتہ کرلیا؟" اماں کو ابھی بھی ان کی فکر تھی۔

"آپ کی بہو نے کرلیا ہے۔ میں اب کروں گا۔" اس نے کہا تو اماں شوق سے پوچھنے لگیں۔

"کیا بنایا ہے دلہن نے، پراٹھے؟"

"نہیں اماں! دلہن کو پراٹھے کیا سادی روٹی بنانی بھی نہیں آتی اور آپ اس سے کہیے گا بھی نہیں، میں بازار سے لے آیا کروں گا اور آپ کے لیے چائے دلیہ وغیرہ میں خود بنادوں گا۔"

وہ اس خیال سے امی کو دھیرج سے سمجھا کر منع کر رہا تھا کہیں ساس بہو میں تکرار نہ ہو، مزید الزام بھی اپنے سر لے لیا۔

"ویسے اماں! مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میری بیوی گھر کے کام کاج کرے، میں اوپر کے کاموں کے لیے جلد ہی آپ کو کوئی ملازمہ رکھ دوں گا۔ ٹھیک ہے ناں۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" اماں نے پژمردگی سے کہا کیونکہ پہلے تو اسے بوڑھی ماں کے لیے ملازمہ رکھنے کا خیال کبھی نہیں آیا تھا۔

"چلیں۔ اب آپ آرام کریں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا پھر اس سے بولا۔ "چلو ہم باہر بیٹھتے ہیں۔"

وہ جیسے منتظر ہی تھی، فوراً اٹھ کر کمرے سے نکل گئی تو وہ پلیٹوں میں بچا کھچا ناشتہ لے کر اس کے پیچھے آگیا اور کچھ جتائے بغیر تخت پر بیٹھ کر کھانے لگا۔

"یہ تم نے بہت اچھا کیا وقار کہ اماں کو منع کردیا۔" اس نے کہا تو وہ بے دھیانی میں پوچھنے لگا۔

"کیا منع کردیا۔"

"یہی کہ مجھ سے کسی کام کو نہ کہیں۔"

"ظاہر ہے، جب تمہیں کرنا ہی نہیں ہے تو پھر کہنے کا فائدہ، اب دیکھو چائے بھی میں خود

بناؤں گا۔" وہ کہتا ہوا برتن لے کر اٹھا تو وہ فوراً بولی۔

"میں بھی پیوں گی۔"

"اچھی بات ہے۔" اسے بُرا ضرور لگا تھا لیکن ابھی ٹوکنا نہیں چاہتا تھا بلکہ شاید ٹوک سکتا ہی نہیں تھا۔ نہ ناراضی کا اظہار کرنا اس کے اختیار میں تھا۔ کیونکہ ابھی اس کے حسن کا نشہ رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا۔ پھر اولین دنوں میں تو عام ہی دلہن کے نخرے بھی اٹھائے جاتے ہیں اور وہ تو تھی ہی پریوں جیسی، جب ہی وہ بڑے آرام سے چائے بنا کر لے آیا پھر بیٹھا تو کہنے لگا۔

"میری آج چھٹیاں ختم ہوگئی ہیں۔ کل سے آفس جانا ہے۔"

"ہیں اتنی جلدی۔" وہ چائے کا سپ لے کر بولی۔

"ہاں، دیکھو، دس دن گزرتے پتا ہی نہیں چلا۔"

"ہوں۔" وہ مسکرائی پھر کہنے لگی۔ "چلو، کہیں باہر چلتے ہیں۔ آج سارا دن ہم خوب انجوائے کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے فوراً ہامی بھری لیکن پھر ایک دم اماں کا خیال آیا تو کہنے لگا۔

"لیکن یار! اماں اکیلی ہوجائیں گی۔"

"کیوں، پہلے وہ اکیلی نہیں رہتی تھیں۔" وہ بہت معصوم بن کر بولی تھی۔

"اکیلی رہتی تھیں، لیکن ابھی ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے نا! پتا نہیں کب کس چیز کی ضرورت پڑ جائے انہیں۔" اس نے دھیرج سے کہا تو وہ مایوسی سے بولی۔

"چلو نہیں جاتے۔"

"اتوار کا رکھ لیتے ہیں، انشاء اللہ اماں ٹھیک ہوجائیں گی۔ پھر چلیں گے۔" وہ اس کے مایوس ہونے پر بہلانے لگا تھا کہ اچانک بجو یاد آگئی۔ اچھل کر بولا۔

"نہیں۔ ابھی چلتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"بس تم تیار ہوجاؤ۔ میں بجو سے کہہ کر آتا ہوں، وہ اماں کے پاس آجائے گی۔" وہ اٹھتا ہوا بولا اور اسے بھی ہاتھ کھینچ کر اٹھا دیا تو وہ پوچھنے لگی۔

"یہ بجو کون ہے؟"

"اماں کی جاننے والی ہے۔" وہ تفصیل میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اسی قدر کہہ کر چلا گیا تو وہ اپنے کمرے میں آگئی اور آئینے کا جائزہ لے کر بس لپ اسٹک دوبارہ لگالی۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو ثمو اس کے ساتھ تھی۔ دبلی پتلی، معمولی نقش والی عام سی لڑکی جسے دیکھ کر پہلے وہ یہی سمجھی کہ شاید کوئی ماسی ہے لیکن جب اس نے تعارف کرایا تو حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

''یہ تمہاری کون ہے؟''

''میں اماں کو دیکھ لوں۔'' ثمو، سمجھدار لڑکی تھی، اس کے جواب سے پہلے ہی اماں کے کمرے میں چلی گئی تو وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔

''عجیب لڑکی ہو۔اس کے سامنے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''کیوں تمہیں اس کے سامنے بتاتے ہوئے شرم آتی تھی۔'' وہ ٹوک کر ہنسی پھر کہنے لگی۔

''ویسے میں سمجھی، کوئی ماسی پکڑ لائے ہو۔ایسا کرو۔اس کو رکھ لو کام کاج کے لیے۔''

''اس کی شکل پہ مت جاؤ، وہ پڑھی لکھی اور بہت سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔''

''یہ تو اور بھی اچھا ہے، ہر کام سلیقے سے کرے گی۔'' وہ پھر بھی باز نہیں آئی تو اس نے خاموشی اختیار کر لی اور بائیک کی چابی ڈھونڈنے لگا۔

''اب کیا ڈھونڈ رہے ہو، چلو۔''

''بائیک کی چابی کہاں ہے؟''

''مجھے کیا پتا؟'' وہ کہہ کر کمرے سے نکل آئی کہ کہیں اسے نہ ڈھونڈنی پڑے۔

☆

سارا دن گھوم پھر کر جب وہ دونوں گھر لوٹے تو اندھیرا پھیل چکا تھا اور ثمو اسی انتظار میں کھڑی تھی کہ وہ آئیں تو وہ اپنے گھر جائے۔اس کی بائیک بند ہونے تک رکی پھر فوراً بولی تھی۔

''میں جا رہی ہوں۔''

''اکیلی چلی جاؤ گی؟'' وہ پھر بے مروتی دکھا گیا۔

''ہاں، یہیں تو جانا ہے۔'' وہ کہہ کر باہر نکل گئی تو اس نے جا کر دروازہ بند کیا پھر ثانیہ کو ساتھ لے کر اماں کے کمرے میں آ گیا۔

''کیسی طبیعت ہے اماں؟''

''اب تو بہت بہتر ہے۔'' اماں اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''کچھ کھایا بھی ہے کہ نہیں۔'' وہ پوچھ کر شرمندہ ہوا کیونکہ اماں پھر ثمو کی تعریف کرنے لگی تھیں۔

''کیوں نہیں۔ اللہ بھلا کرے ثمو کا۔ سب کھلایا پلایا اور ابھی دوا بھی دے کر گئی ہے۔ بہت سگھڑ بچی ہے۔تمہارے لیے بھی کھانا بنا گئی ہے۔کھا کر تو نہیں آئے تم لوگ۔''

''نہیں۔ بہت بھوک لگی ہے۔ چلو وقار! پہلے کھانا کھا لیں۔'' وہ ڈھٹائی سے کہتی چلی گئی تو وہ اماں سے نظریں چُرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

''جاؤ۔ کھانا کھاؤ۔'' اماں نے کہا، تب وہ اٹھا تھا۔

پھر اگلے دن وہ پہلے اماں کو پھر اسے بھی اپنے ہاتھ سے ناشتہ بنا کر اور اپنے ساتھ کھلا کر آفس چلا گیا تو وہ ٹیپ آن کر کے لیٹ گئی حالانکہ جاتے جاتے وہ کہہ گیا تھا کہ وہ اماں کے کمرے میں چلی جائے تاکہ ان کا دل بہلا رہے لیکن وہ کہاں ماننے والی تھی اسے ہمیشہ سے من مانی کی عادت تھی۔

ابھی بھی بڑے آرام سے لیٹی اور ٹیپ سنتے سنتے سو بھی گئی تو پھر دوپہر کے کھانے پر اماں ہی نے آ کر اسے اٹھایا تھا۔ وہ نہ شرمندہ ہوئی نہ یہ پوچھنے کی زحمت گوارا کی کہ کھانا کس نے بنایا ہے۔اسے صرف کھانے سے غرض تھی۔اور اس کے بعد کیونکہ کرنے کو کچھ نہیں تھا اس لیے وہ مجبوراً اماں کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔

اور پھر اس کی یہی روٹین بن گئی۔ صبح وقار کے آفس جاتے ہی دوبارہ سو جاتی۔ دوپہر میں کھانے کے لیے اٹھتی، تب اماں کے پاس بیٹھتی اور شام میں اماں اس کے سامنے رات کے لیے روٹی بنانے کی بات کرتیں پھر بے چاری خود ہی اٹھ کر کچن میں چلی جاتیں لیکن اسے بالکل بھی احساس نہیں ہوتا تھا۔

اس شام امی اور نادیہ آئیں تو اسکا کمرہ دیکھ کر نادیہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

''اف کتنی گرد مٹی ہے۔''

''وقار کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا، صبح کے گئے رات میں آتے ہیں، چھٹی کے دن صفائی کریں گے۔'' اس نے اتنے آرام سے کہا کہ نادیہ نے حیران ہو کر امی کو دیکھا تو وہ ٹوکتے ہوئے بولیں۔

''یہ وقار کا کام نہیں، تم سارا دن کیا کرتی ہو؟''

''کچھ نہیں۔''

''جب ہی اتنی موٹی ہو رہی ہو۔'' نادیہ نے کہا تو وہ فوراً آئینے میں خود کو دیکھ کر بولی۔

''ہیں ... میں موٹی ہو رہی ہوں؟''

"اور کیا...... کمر دیکھو، کتنی چوڑی ہو گئی ہے۔"

"ہائے نہیں...... مجھے موٹاپے سے بہت خوف آتا ہے۔"

"تو کام کرو۔" امی کو موقع مل گیا۔ "بے کار بیٹھنے سے تو یہی ہوتا ہے۔ کچھ دنوں بعد پوری بھینس ہو جاؤ گی۔"

"کوئی نہیں۔ میں صبح سے ایکسرسائز شروع کروں گی پھر کچھ دنوں بعد دیکھیے گا پہلے جیسی ہو جاؤں گی۔" اس نے کہا تو امی تپ کر بولیں۔

"کام مت کرنا۔"

"کیوں کروں؟" وہ بھی تنک کر بولی تو نادیہ نے فوراً مداخلت کی۔

"اچھا بس۔ اب آپ دونوں پہلے کی طرح نہیں شروع ہو جائیے گا۔"

"انہیں سمجھاؤ۔ یہ میری سسرال ہے۔" وہ نخوت سے سر جھٹک کر بولی تو امی ایک دم نرم پڑ کر کہنے لگیں۔

"تو بیٹا! سسرال ہی لڑکی کا اصل گھر ہوتا ہے پھر اپنے گھر میں تم مہمانوں کی طرح کیوں رہ رہی ہو۔ آخر تمہاری ساس کب تک تمہیں بٹھا کر کھلائے گی۔ بے چاری بوڑھی عورت، تمہیں اس پر ترس بھی نہیں آتا۔"

"آتا ہے لیکن میں کیا کر سکتی ہوں۔" اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے، تب ہی اماں چائے لے کر آ گئیں تو نادیہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"ہائے اماں! یہ آپ نے کیا تکلیف کی۔"

"ثانیہ سے کہتیں، یہ بنا دیتی۔" امی الگ شرمندہ تھیں۔

"یہ کہاں چولہے کے پاس جاتی ہے۔" اماں نے بظاہر سیدھے سادے انداز میں کہا تھا لیکن درحقیقت اب ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ جسے بمشکل اس وقت انہوں چھلکنے سے روکا اور ٹرے رکھ کر فوراً واپس پلٹ گئیں تو امی اس سے بولیں۔

"سن لیا...... کیا جتا گئی ہیں۔"

"جتاتی رہیں۔ آپ جانتی ہیں مجھ پر کچھ اثر ہونے والا نہیں ہے۔" اس نے ڈھٹائی سے ٹرے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا تو امی تاسف سے بولیں۔

"افسوس ہے تم پر......" پھر ایک دم کھڑی ہو گئیں "چلو نادیہ......!"

"ہائیں! چائے تو پی لیں۔" اس نے ان کے اٹھنے پر تعجب کا اظہار کیا۔

"تم ہی پیو...... ڈھٹائی، بے غیرتی تمہیں آتی ہے۔" امی نے کہا اور نادیہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی لے گئیں تو وہ کچھ دیر ان کے پیچھے دیکھتی رہی پھر سر جھٹک کر بڑبڑانے لگی۔

"پتا نہیں۔ کیسی ماں ہیں۔ بجائے خوش ہونے کے ناراض ہوتی ہیں۔ ان کی جگہ کوئی اور ہوتی تو فخریہ ہر ایک کو بتاتی کہ اس کی بیٹی سسرال میں راج کر رہی ہے۔ ایک یہ ہیں، ہونہہ...... شروع سے مجھ سے جلتی ہیں۔"

اور شام کو وقار آیا تو وہ اس کے سامنے منہ پھلا کر اماں کے خلاف شروع ہو گئی تھی۔

"اماں نے اچھا نہیں کیا۔ میں نے ان سے چائے بنانے کو نہیں کہا تھا، خود ہی بنا کر لے آئیں اور پھر جتانے بھی لگیں۔ وہ بھی امی اور نادیہ کے سامنے۔"

"کیا مطلب؟" وہ تھکا ہارا آیا تھا، اس کی بات کچھ سنی اور کچھ نہیں البتہ امی اور نادیہ کا سن کر دیکھنے لگا تھا۔

"آج امی اور نادیہ آئی تھیں۔" وہ اسی طرح منہ پھلائے ہوئے بولی۔

"پھر......!"

"پھر بتا تو رہی ہوں، اماں ان کے لیے چائے بنا لائیں، پھر میرے بارے میں کہنے لگیں کہ یہ تو چولہے کے پاس جاتی ہی نہیں ہے۔"

"تو اس میں غلط کیا ہے۔ ٹھیک تو کہا انہوں نے۔" وہ اماں کی تائید کر کے جوتے اتارنے لگا تو وہ تلملا کر چیخنے لگی۔

"ہاں، یہی ٹھیک ہے۔ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجھے ہر ایک کے سامنے بے عزت کیا جائے۔ یہ دیکھو ٹرے ویسے کی ویسی رکھی ہے۔ امی اور نادیہ چائے پیے بغیر چلی گئیں۔"

"کیوں اماں اتنے پیار سے بنا کر لائیں، انہیں پینی چاہیے تھی۔" وہ بہت نرمی سے اسی مزید سلگا گیا۔

"پیار سے۔ یہ پیار سے بنی ہوئی ہے۔" اس نے غصے سے ہاتھ مار کر ٹرے الٹ دی۔ تو وقار نے ایک نظر مٹی دھول سے اَٹے فرش پر مزید چائے کو پھیلتے دیکھا پھر اٹھ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

☆

یہ نہیں تھا کہ وہ اس سے شادی کر کے پچھتا رہا تھا، پچھتانے کا سوال ہی نہیں تھا کیونکہ وہ اس کی محبت تھی اور اول روز کی طرح ابھی بھی وہ اس کے حسن کا دیوانہ تھا البتہ یہ ضرور چاہتا تھا کہ وہ

خود کو بدل ڈالے۔ لیکن وہ اس پر تیار ہی نہیں تھی۔ شادی کو چھ مہینے ہو گئے تھے اور اماں کا احساس کرنا تو دور کی بات وہ کبھی اس کی محبت میں بھی اس کے لیے کھانا گرم کر کے نہیں لائی تھی۔ وہ آفس سے خواہ کتنی دیر سے آتا اور کتنا ہی تھکا ہوا کیوں نہ ہوتا۔ اسے کھانا خود گرم کرنا پڑتا۔ اسی طرح صبح کے ناشتے میں ہوتا تھا کہ وہ جلدی جلدی ہر کام کر رہا ہوتا وہ آرام سے بیٹھی دیکھتی رہتی جس سے حقیقتاً اسے بہت غصہ آتا تھا لیکن ٹوکتا نہیں تھا کیونکہ چاہتا تھا کہ وہ خود سے احساس کرے تا کہ اسے یہ نہ سننا پڑے کہ میں نے شادی سے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ مجھے کچھ نہیں آتا نہ میں کروں گی اور تم نے لکھ کر دیا تھا کہ مجھ سے کسی کام کو نہیں کہو گے وغیرہ وغیرہ۔

اور گو کہ یہی سچ تھا لیکن اس وقت اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس کی شرطیں مان کر اس بری طرح پھنس جائے گا۔ اس کے برعکس اس کا خیال تھا کہ وہ آرام سے، محبت سے دھیرے دھیرے اسے گھرداری پر آمادہ کر لے گا اور جب بچے ہوں گے تب وہ مکمل گھر گرہستی عورت بن جائے گی۔ لیکن جس ڈھٹائی کا وہ مظاہرہ کر رہی تھی اس سے بے اولاد رہنے میں اسے عافیت نظر آ رہی تھی۔ بہر حال اس کے معاملے میں وہ تو ابھی تک خاموش تھا لیکن اماں خاموش نہیں تھیں۔ ظاہر ہے برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔ وہ آخر کب تک اسے کمرے میں سے بلا کر دسترخوان پر لا بٹھاتیں۔ اب تو پوچھتی بھی نہیں تھیں، اپنا کھانا بمشکل بنا پاتی تھیں اور وہ ایسی ڈھیٹ اسی میں سے نکالنے آ جاتی۔ تو اماں بے نقطہ سناتیں اور وہ کہاں خاموشی سے سننے والی تھی۔ اس نے تو کبھی اپنی امای سے ہار نہیں مانی تھی۔ یہاں بھی اس کی زبان کھل گئی تھی۔ کتنی بار وقار کے سامنے بھی جھگڑا ہو چکا تھا۔ وہ کبھی اس کی طرف جاتا کبھی بھاگ کر اماں کو چپ کرانے کی کوشش کرتا تھا۔

اس وقت وہ آفس سے لوٹا تو آگے وہ برآمدے میں کھڑی چلا رہی تھی۔

”تمہیں اگر نوکرانی چاہیے تھی تو لے آتیں اس بجو کو۔ وہی پکا پکا کر کھلاتی تمہیں اور تمہارے بیٹے کو بھی۔ مجھ سے یہ توقع مت رکھو۔“

”کیوں نہ رکھوں، تم آئی کس لیے ہو؟“ اماں کی آواز کچن سے آئی تھی۔

”کام کرنے کے لیے نہیں آئی؟“

”تو بیٹھی رہتیں اپنے گھر۔“

”آرام سے بیٹھی تھی۔“

وہ بائیک بند کر کے خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گیا کیونکہ فوراً اس صورتحال سے نمٹنے کی ہمت نہیں تھی۔ لیکن جب دیکھا کہ جھگڑا بڑھتا جا رہا ہے، تب مجبوراً اسے کمرے سے نکلنا پڑا اور پہلے اس سے بولا۔

”کچھ خیال کرو۔ آس پڑوس والے سنیں گے تو کیا کہیں گے۔“

”یہ بات تم اپنی اماں کو سمجھاؤ۔“ وہ پیر پٹختی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔ تو وہ اماں کے پاس کچن میں آ گیا اور پیڑھی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

”کیا ہوا اماں؟“

گناہ گار ہو گئی ہوں میں جو اسے دو روٹی ڈالنے کو کہہ دیا۔ نہ میں پوچھتی ہوں یہ آخر کب تک ایسے پلنگ توڑے گی۔ آج تو میں بیٹھی ہوں جب مر جاؤں گی تب بتاؤ۔ کون تمہارا کرے گا۔ اسے تو فکر نہیں ہے۔“

”ارے اللہ نہ کرے اماں! جو آپ کو کچھ ہو۔“ اس نے کہا تو اماں شاکی ہو کر بولیں۔

”میری ضرورت تمہیں صرف اس لیے ہے کہ پکا کر دوں؟“

”مت پکائیں، میں کب آ کر آپ سے کھانا مانگتا ہوں۔“ وہ ناراضی سے بولا۔

”نہیں مانگتے لیکن پکا تو مل جاتا ہے۔ خیر، میں اس جیسی نہیں ہوں جو مجھے فکر ہی نہ ہو۔ آج شام سے جوڑوں میں درد تھا۔ ابھی دیکھو، بخار بھی ہو گیا ہے جب ہی اسے روٹی ڈالنے کو کہہ گئی۔“ اماں نے پہلے جتایا لیکن پھر وضاحت بھی کرنے لگیں۔

”کیوں کہتی ہیں اس سے، مت کہا کریں۔ میں بازار سے لے آیا کروں گا۔ چلیں اٹھیں۔ اندر چلیں۔“ اس نے انہیں اٹھانے کے لیے ان کا ہاتھ تھاما تو تشویش سے بولا۔

”آپ کو تو تیز بخار ہے۔ چلیں۔ پہلے آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے چلوں۔“

”بس رہنے دو تم۔ کھانا کھاؤ۔“

”آ کر کھا لوں گا۔ آپ اٹھیں، چلیں۔ نہیں تو ڈاکٹر چلا جائے گا۔“

اس نے زبردستی انہیں اٹھایا اور بائیک پر بٹھا کر لے گیا تو آگے ڈاکٹر مریضوں سے فارغ ہو چکا تھا جب ہی دیر نہیں لگی اور وہ اماں کو دکھا کر اور ان کی دوا لے کر پندرہ منٹ میں واپس بھی آ گیا۔

”اب تم کھانا کھا لو۔“ اماں کو اس کے کھانے کی فکر تھی۔

”آپ نے کھا لیا؟“

”ہاں، تمہیں پتا ہے۔ میں مغرب کی نماز پڑھتے ہی کھا لیتی ہوں۔“

”چلیں پھر یہ دوا لیں۔“ اس نے انہیں دوا پلائی پھر لٹا کر کمبل اوڑھاتے ہوئے کہنے

لگا۔ ''میں کھانا کھالوں پھر یہیں آپ کے پاس آ کر سوؤں گا۔''

''کاہے کو۔''

''رات میں کسی وقت آپ کو کسی چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔'' اس نے ان کی سہولت کے لیے کہا لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

''نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں رات میں نہیں اٹھتی۔''

''سوچ لیں۔''

''جاؤ بیٹا! سونے دو مجھے۔'' انہوں نے عاجز آ کر کہا تو وہ لائٹ آف کر کے ان کے کمرے سے نکل آیا اور کچن سے کھانا لے کر اپنے کمرے میں آیا تو آگے وہ زبردستی آنکھیں بند کیے لیٹی تھیں۔

''تم نے کھانا کھالیا؟'' وہ ٹیبل پر بیٹھنے کے بجائے اپنی سونے کی جگہ پر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا لیکن ادھر سے جواب نہیں آیا تو اسے ہلا کر بولا۔

''اٹھو، کھانا کھاؤ۔''

''اپنی اماں کو کھلاؤ جا کر۔'' وہ آنکھیں کھولے بغیر ترخ کر بولی۔

''میں اماں کو نہیں کھلاتا بلکہ وہ مجھے کھلاتی ہیں اور تمہیں بھی۔'' اس نے قصداً ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا لیکن وہ اسی طرح بولی۔

''کمائی تو تمہاری ہے۔''

''کمائی کے قابل بھی انہوں نے ہی بنایا ہے۔'' اس نے کہا تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

''کیا کہنا چاہتے ہو تم؟''

''صاف صاف بات کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے تمہارے یہ انداز بالکل پسند نہیں ہیں۔ تم نے جو کہا میں نے مان لیا لیکن یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ تم اماں کے ساتھ بدتمیزی کرو۔''

''میں کرتی ہوں بدتمیزی؟'' وہ اس سے بھی لڑنے کو تیار تھی۔

''ہاں، تم کرتی ہو، کیا کہہ دیا تھا انہوں نے، یہی ناں کہ میرے لیے دو روٹی ڈال دو تو اس میں اتنا چلانے کی کیا بات تھی۔ آرام سے انکار کر کے اپنے کمرے میں آ جاتیں۔'' وہ سرزنش بھی دھیرج سے کر رہا تھا۔

''ہاں، آرام سے انکار کرتی تا کہ وہ پھر کہتیں۔''

''کہیں گی۔ وہ پھر بھی کہیں گی اور آئندہ تم ان کے سامنے زبان مت چلانا۔'' اسے

مجبوراً سخت لہجہ اختیار کرنا پڑا تھا۔

''تم......'' وہ تیز ہو کر جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ اس نے ٹوک دیا۔

''بس ثانیہ! بہت ہو گیا۔ تمہیں اگر غصہ دکھانا ہے تو کچھ کر کے دکھاؤ۔''

''یہ تو تم بھول جاؤ......'' وہ کہہ کر کمبل میں منہ چھپا کر لیٹ گئی تو وہ مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے کھانا کھانے لگا۔

''سنو......'' کچھ دیر بعد وہ کمبل سے منہ نکال کر پوچھنے لگی۔ ''کچھ کرنے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟''

''گھرداری۔'' وہ رومال سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔

''ہونہہ!'' اس نے دوبارہ منہ کمبل کے اندر کر لیا تو وہ سر جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوا پھر ٹرے اٹھائی تو ساتھ تکیہ بھی لے لیا اور اماں کے کمرے میں جا سویا تھا۔

صبح اسے اٹھنے میں کچھ تاخیر ہو گئی تھی جب ہی اس نے صرف اماں کو ناشتہ کرایا اور دوا دی۔ پھر جلدی جلدی تیار ہو کر آفس کے لیے نکلنے لگا تو وہ سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔

''میں نے رات سے کچھ نہیں کھایا۔''

''وہ سامنے کچن ہے۔ وہاں کھانے پینے کو سب موجود ہے، جو چاہے بناؤ کھاؤ۔'' وہ قصداً نروٹھے پن سے کہہ کر بائیک آگے بڑھانے لگا لیکن اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیے اور ضد سے بولی۔

''میں نہیں بنا سکتی۔ مجھے بس کھانا چاہیے۔''

''مجھے پہلے ہی دیر ہو گئی ہے، میں کچھ نہیں کر سکتا۔ ہٹو سامنے سے۔''

''نہیں۔ پہلے مجھے کچھ کھانے کو لا دو۔''

''سامنے سے ہٹو گی تو لا کر دوں گا۔'' اس نے زچ ہو کر کہا تو وہ لانے کا سن کر فوراً ہٹ گئی۔ اور وہ باہر نکلا تو پلٹ کر دیکھا ہی نہیں، سیدھا آفس چلا گیا۔ کیونکہ رات سوچ چکا تھا کہ اب وہ کچھ نہیں کرے گا۔ اور دیکھے گا کہ وہ کب تک بھوکی رہتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ تین وقت، اس کے بعد مجبور ہو کر خود ہی کچن میں جائے گی اور وہ کچن میں تو نہیں گئی اپنی امی کے ہاں چلی گئی تھی۔ اور جاتے ہی پہلے باقاعدہ اعلان کیا کہ وہ اب وقار کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ پھر امی کی ہمدردی حاصل کرنے کی خاطر فوراً ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی۔

''مجھے معاف کر دیں، میں نے آپ کی بات نہیں مانی تھی۔ آپ نے ٹھیک کہا تھا کہ ان

کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ایک ملازم نہیں رکھ سکتے۔ لیکن اس وقت میری عقل پر پتھر پڑ گئے تھے۔ بہت بڑی غلطی ہوئی مجھ سے۔"

"اب تو ہوگئی غلطی بیٹا!" امی اسے بہت اچھی طرح جانتی تھیں۔ اس لیے بڑے آرام سے بولیں تو وہ اپنی بات کا خلاف توقع ردّعمل دیکھ کر تلملا گئی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"مطلب غلطی کی ہے تو اب بھگتو بھی۔ میرے پاس کیا لینے آئی ہو؟"

"میں کچھ لینے نہیں آئی۔ بس اب یہیں رہوں گی۔" وہ ہٹ دھری سے بولی۔

"نہ بیٹی! ہم بیاہی بیٹی کو اس طرح گھر نہیں بٹھا سکتے، ہمارے آگے ابھی دو اور بھی ہیں۔ ہمیں اب ان کا سوچنا اور کرنا ہے۔ تمہاری ذمہ داری سے ہم بری ہوگئے۔ اب بس اتنا کر سکتے ہیں کہ ہنسی خوشی آؤ گی تو ایک وقت کا کھانا پوچھ لیں گے، اس سے زیادہ نہیں کر سکتے۔" امی نے صاف ہری جھنڈی دکھا دی تو وہ چیخ کر بولی۔

"بوجھ نہیں بنوں گی آپ پر، خود کماؤں گی اور سن لیں۔ یہ میرے باپ کا گھر ہے۔ آپ مجھے یہاں سے جانے کو نہیں کہہ سکتیں۔"

"ہاں دیکھتی ہوں۔ باپ کب تک بٹھاتا ہے تجھے۔" امی اٹھ کر اندر چلی گئیں تو وہ انہیں سنانے کو کتنی دیر اونچی آواز میں جانے کیا کیا بولتی رہی تھی۔

☆

اس کا خیال تھا کہ وہ ضد میں دوپہر تک بھوکی رہی ہوگی پھر شام میں ضرور کچھ نہ کچھ کھالیا ہوگا۔ دال چاول، آلو کی بھجیا، آملیٹ وغیرہ یعنی وہ آسان آسان کھانے سوچتا ہوا گھر آرہا تھا لیکن آگے وہ تھی ہی نہیں، اور بے چاری اماں بھوکی پیاسی بے سُدھ پڑی تھیں۔ وہ پہلے تو انہیں دیکھ کر سُن ہوگیا پھر آہستہ سے ہلا کر پکارا تو ان کے بند ہونٹوں سے ہوں کی آواز نکلی تھی۔

"اماں! اماں اٹھیں۔" اس بار اس نے ذرا زور سے پکارا۔

"اٹھیں اماں! میں پریشان ہورہا ہوں۔"

"ہیں......" اماں ذرا سی آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگیں تو وہ ان کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولا۔

"اب سوئیے گا نہیں، میں آپ کے لیے چائے لاتا ہوں۔" پھر فوراً جا کر چائے بنائی اور ساتھ بسکٹ لے کر دوبارہ کمرے میں آیا تو اماں پر پھر غنودگی طاری ہوگئی تھی، لیکن اس نے زبردستی انہیں اٹھا کر بٹھا دیا اور اپنے ہاتھ سے چائے میں ڈبو کر بسکٹ کھلائے پھر بقیہ چائے پلائی تو اماں کچھ ہوشیار ہوگئیں اور پہلی بات یہی کہی۔

"تم نے کھانا کھالیا؟"

"کھالوں گا، میری فکر نہیں کریں؟" وہ ان کے پیچھے تکیہ لگا کر اٹھتے ہوئے بولا پھر خالی کپ رکھ کر کہنے لگا۔

"ایسے کیسے پڑی رہیں سارا دن، بجو کو بلا لیتیں۔"

"نہیں۔ اب اسے نہیں بلانا۔" اماں نے منع کیا۔

"کیوں؟"

"بس یہ مناسب نہیں ہے کہ پرائی لڑکی آآ کر میرے گھر کا کام اور میری دیکھ بھال کرے۔ کوئی ہماری نوکر تھوڑی ہے۔ اس کی ماں کو برا لگ سکتا ہے، پھر محلے والے الگ باتیں بناتے ہوں گے۔" اماں نے رک رک کر کہا تو وہ خاموش ہو رہا کیونکہ وہ غلط نہیں کہہ رہی تھیں۔

"کھانا کھایا؟" اماں نے پھر پوچھا۔

"کھالوں گا، یہ بتائیں ثانیہ کس وقت گئی۔" اس نے پوچھا تو اماں الٹا پوچھنے لگیں۔

"کہاں؟"

"میکے۔"

"پتا نہیں بیٹا! مجھے تو سارا دن ہوش نہیں تھا ابھی اٹھی ہوں، جاؤ لے آؤ اسے۔" اماں نے لاعلمی کے اظہار کے ساتھ کہا تو وہ نہیں، کہتے کہتے رہ گیا کیونکہ ابھی انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا، جب ہی بات بدل گیا۔

"آپ کی دوا بھی لانی ہوگی؟"

"ابھی رکھی ہوگی۔ دن میں تو میں نے لی نہیں؟"

"ایک ہی خوراک ہے، پی لیں پھر میں کل کے لیے لے آتا ہوں۔" اس نے گلاس میں پانی ڈالا پھر انہیں ٹیبلٹس دے کر آخر میں مکسچر پلا کر کہنے لگا۔

"آپ سوئیے گا نہیں۔ میں دوا لے کر آتا ہوں۔ اور ہاں، دو بسکٹ سے کچھ نہیں ہوتا۔ میں ابھی آ کر دلیہ بنا دوں گا۔"

"دلہن کو بھی لیتے آنا، بار بار کہاں جاؤ گے۔" اماں نے کہا تو وہ ان سنی کر کے باہر نکل آیا کیونکہ اس کا اس وقت اسے لانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس لیے پہلے ڈاکٹر کے پاس گیا پھر اپنے

لیے کھانا اور اماں کے لیے پھل وغیرہ لے کر واپس آتے ہوئے اس نے اچانک کچھ سوچ کر بائیک اس کے گھر کی طرف موڑ دی تھی۔ اور جب اس کے گھر میں داخل ہوا تو پہلے مرحلے پر امی سے سامنا ہوگیا۔

''السلام علیکم! ثانیہ ہے؟'' اس نے سلام کر کے ثانیہ کا پوچھا تو امی جلدی سے بولیں۔

''ہاں ہاں آؤ اندر آؤ۔''

وہ خاموشی سے ان کے ساتھ کمرے میں آگیا جہاں وہ ابو کے سامنے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''لیجیے آگیا وقار۔'' امی نے کہا تو ابو کے ساتھ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا لیکن وہ قصداً نظر انداز کر کے ابو کی طرف متوجہ رہا اور سلام کے ساتھ کہنے لگا۔

''یہ مجھ سے پوچھنا تو کیا بتائے بغیر یہاں آگئی ہے۔''

''ہاں! میں اسے یہی سمجھا رہا تھا کہ اس طرح نہیں آنا چاہیے تھا۔ تم بیٹھو۔'' ابو نے امی کو کرسی آگے کھینچنے کا اشارا کیا۔

''نہیں۔ میں بیٹھ نہیں سکتا۔ میری اماں آج سارا دن بے ہوش پڑی رہی ہیں کوئی دیکھنے والا نہیں تھا۔ ابھی میں ان کے لیے دوا لے کر جا رہا ہوں۔'' وہ عجلت میں بتا کر کہنے لگا۔

''یہ اگر یہاں رہنا چاہتی ہے تو شوق سے رہے۔''

''نہیں......'' امی فوراً بول پڑیں۔ ''یہاں کیوں رہے گی، اپنے گھر جائے گی، پھر تمہاری اماں بیمار ہیں۔''

''تو یہ کون سا انہیں دیکھ لے گی۔'' اس نے طنز سے کہا تو وہ ابو کا خیال کیے بغیر تنفر سے بولی تھی۔

''یہ میری ذمہ داری نہیں ہے۔''

''سن لیا آپ نے، اس کا کام صرف کھانا اور سونا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتی، چھ مہینے سے میں برداشت کر رہا ہوں۔ میری بوڑھی، بیمار ماں دونوں وقت اسے پکا کر کھلاتی ہے اور یہ آج اسے بیماری کی حالت میں چھوڑ کر چلی آئی۔ ٹھیک ہے، اسے کھانا پکانا نہیں آتا لیکن کیا دو بسکٹ اور دوا بھی نہیں دے سکتی انہیں۔'' وہ خود کو روکتے روکتے بھی بہت کچھ کہہ گیا تھا۔

''امی، ابو کیونکہ اپنی بیٹی کی عادات سے واقف تھے۔ اس لیے سر جھکائے بیٹھے تھے۔

''میرا مقصد آپ کو شرمندہ کرنا نہیں ہے۔'' وہ ان کے سر جھکے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا۔

''میں صرف آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ یہ وہاں کیا کر رہی ہے اور اگر کسی دن

میری طرف سے کوئی زیادتی ہو جائے تو آپ مجھے الزام نہ دیں۔''

''نہیں نہیں بیٹا! ہم تو خود اسے ہی سمجھاتے ہیں۔'' ابو کے عاجزانہ لہجے پر اس نے تاسف سے اسے دیکھا پھر کہنے لگا۔

''ٹھیک ہے۔ آپ سمجھائیں اسے اور جب یہ سمجھ جائے تب بے شک میرے گھر چھوڑ جایئے گا اسے۔'' وہ اپنی بات ختم کر کے جانے لگا تھا کہ وہ ایک دم کھڑی ہوگئی۔

''میں ابھی چلوں گی۔''

''نہیں۔ ابھی کچھ دن یہیں رہو۔'' امی اب خود اسے روکنے لگیں تاکہ کچھ کام کاج سکھا کر بھیجیں اور وہ شاید سمجھ گئی تھی جب ہی اڑ گئی۔

''نہیں۔ میں ابھی جاؤں گی۔ چلو وقار......'' اور اس سے پہلے ہی باہر نکل گئی تو ابو، امی سے بولے۔

''تم کیوں روک رہی ہو۔ اچھا ہے اپنے گھر جا رہی ہے۔''

''اپنے گھر کو گھر سمجھے تب ناں۔'' امی اس کی موجودگی کے باعث سوچ کر رہ گئیں۔

''ٹھیک ہے۔ میں چلتا ہوں۔'' وہ خدا حافظ کہہ کر باہر آیا تو اسے یکسر نظر انداز کر کے بائیک اسٹارٹ کی اور اس کے بیٹھتے ہی آگے بڑھا دی، لیکن جب گھر میں داخل ہوا تب اسے بولنا پڑا۔ کیونکہ وہ سیدھی اپنے کمرے میں جا رہی تھی۔

''سنو، پہلے اماں کے پاس جا کر انہیں سلام کرو، ان کی طبیعت پوچھو ساتھ معافی بھی مانگو۔''

''معافی کس بات کی؟'' وہ تڑخ کر پوچھنے لگی۔

''انہیں بتائے بغیر جو گئی تھیں۔ چلو......'' وہ بائیک بند کر کے قریب آگیا تھا۔ اسے ساتھ لے کر اماں کے کمرے میں آگیا پھر بھی اس نے سلام تک نہیں کیا تو وہ اسے گھور کر اماں سے بولا۔

''آگئیں اماں! آپ کی بہو بیگم۔''

''ناراض ہے کیا؟'' اماں نے اس کا پھولا منہ دیکھ کر پوچھا تو وہ لاپروائی سے بولا۔

''پتا نہیں میں نے پوچھا نہیں، آپ پوچھ لیجیے۔''

''کیوں بیٹی؟''

''ہونہہ......'' وہ نخوت سے سر جھٹک کر پیر پٹختی ہوئی چلی گئی تو اماں اسے دیکھنے لگیں۔

''تم نے کچھ کہا ہے۔''

''ابھی تھوڑی، شروع سے بگڑی ہوئی ہے۔'' وہ دوسرے معنوں میں کہہ کر ہنسا۔ ''خیر

چھوڑیں آپ یہ پھل کھائیں؟''

''تم نے کچھ کھایا؟''

''کھانا لے آیا ہوں اب کھاؤں گا۔ آپ کو کچھ اور چاہیے تو بتائیں۔'' اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا تو اماں فوراً بولیں۔

''نہیں۔تم جاؤ کھانا کھاؤ۔''

''اچھی بات ہے۔'' وہ ان کے کمرے سے نکل آیا اور کل کی طرح کھانا لے کر اپنے کمرے میں گیا لیکن اب ثانیہ ٹیبل پر بیٹھا تھا اور اس سے پوچھا بھی نہیں بیٹھتے ہی کھانے میں مصروف ہوگیا۔

وہ کچھ دیر تیز نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

''سنو، میں اگر یہاں آ گئی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب جو تم کہو گے میں وہی کروں گی۔ ایسی کسی خوش فہمی میں مبتلا مت ہونا۔ ہمارے درمیان شادی سے پہلے جو معاہدہ ہوا تھا وہ ہمیشہ برقرار رہے گا۔ میں جیسی تھی، ہوں اور ایسے ہی رہوں گی۔تم مجھے بدلنے کی کوشش مت کرنا۔''

وہ جو ہاتھ میں نوالہ لیے اسے دیکھنے لگا تھا اور اندر ہی اندر حیران بھی ہو رہا تھا سر جھٹک کر بولا۔

''میرے پاس بے کار وقت نہیں ہے ثانیہ بیگم! جو میں تم پر ضائع کروں مجھے اور بہت کام ہیں۔''

''ہاں بس،تم اپنے کاموں میں لگے رہو۔مجھ پر تنقید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں تنقید کیوں کروں گا۔ میں تو تمہارا دیوانہ ہوں۔تمہارے حسن کا،تمہاری اداؤں کا اور اسی دیوانگی میں، میں نے پہلے کچھ سوچا تھا نہ اب سوچ سکتا ہوں۔'' وہ بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہتا ہوا کھانے کے برتن اٹھا کر کمرے سے نکل گیا تو وہ آئینے میں خود کو دیکھنے لگی تھی۔

اگلا دن چھٹی کا تھا، پھر بھی وہ معمول کے مطابق اٹھ گیا، کیونکہ رات بہت سارے کام سوچ کر سویا تھا اور اسی حساب سے پہلے اماں کو ناشتہ کرایا پھر اپنے لیے تو نہیں اس کے لیے بناتے ہوئے وہ بری طرح جھنجھلایا تھا کہ وہ اس کی طرح ڈھیٹ کیوں نہیں بن جاتا۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دے جب بھوک لگے گی تو خود ہی کرنے پر آمادہ ہوگی لیکن وہ یہ سب بس سوچ کر رہ گیا یا شاید بدمزگی نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے اسے اپنے ساتھ ناشتے پر بٹھا لیا تو وہ اترا کر بولی۔

''میں نے ایسے ہی نہیں تمہارا انتخاب کیا تھا۔ مجھے پتا تھا تم میرا بہت خیال رکھو گے اس لیے میں نے بڑے بڑے گھروں کے رشتے ٹھکرا دیے۔''

وہ کچھ نہیں بولا۔ خاموشی سے ناشتہ کر کے اٹھ گیا اور اپنے سارے میلے کپڑے جمع کر کے صحن میں لا رکھے پھر واشنگ مشین میں پانی ڈالنے لگا اگر وہ اس کا ساتھ دینے کے لیے بھی آ جاتی تو اسے بھی وہ غنیمت سمجھتا لیکن وہ بڑے آرام سے وہیں برآمدے میں بیٹھی دیکھ رہی تھی۔ جس سے بار بار اس کے اندر ابال اٹھ رہا تھا جسے ہر بار وہ بمشکل دبا کر اپنا دھیان ادھر اُدھر کر رہا تھا۔

آخر مشین میں کپڑے ڈال کر خود ہی اس کے سامنے سے ہٹ گیا اور جا کر اماں کے کمرے کی صفائی کرنے لگا۔ پہلے سب ڈسٹنگ کی، بستر کی چادر بدلی پھر جھاڑو لگاتا ہوا کمرے سے نکلا تھا کہ سجو آ گئی، اور کیونکہ اس کا سر جھکا ہوا تھا جب ہی بے دھیانی میں بولا۔

''ہٹ آگے سے۔''

''سوری۔'' سجو فوراً ایک طرف ہٹی اور اسی تیزی سے اس نے سر اٹھایا تو اسے دیکھنے سے زیادہ اپنے ہاتھ میں جھاڑو ہونے پر شرمندہ ہو کر بس اسی قدر بولا۔

''سوری۔ میں سمجھا......''

''یہ آپ کیوں کر رہے ہیں؟'' سجو نے جھاڑو کی طرف اشارہ کیا تو وہ بلا ارادہ اسے ہاتھ سے چھوڑ کر بولا۔

''وہ اصل میں اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیا ہوا انہیں؟'' سجو تشویش سے پوچھتی فوراً کمرے میں اماں کے پاس چلی گئیں تو اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا پھر جلدی جلدی وہاں سے جھاڑو لگاتا ہوا برآمدے میں ثانیہ کے قریب پہنچا تو وہ بڑے آرام سے بولی۔

''اپنا کمرہ بھی گندا ہو رہا ہے۔''

وہ ایک جھٹکے سے یوں سیدھا ہوا جیسے جھاڑو اس کے منہ پر دے مارے گا اور شاید ایسا کر گزرتا لیکن اس سے پہلے سجو آ گئی تھی۔

''لائیے۔ میں لگا دوں۔''

''نہیں نہیں، میں شوق میں کر رہا ہوں، تم جاؤ اماں کے پاس۔'' وہ جز بز ہو کر بولا۔

''اماں کل سے بیمار ہیں، آپ نے مجھے خبر ہی نہیں کی۔'' سجو نے شکوہ کیا تو وہ قصداً بے نیازی سے بولا۔

''خیال ہی نہیں آیا۔''

''اچھا لائیے، جھاڑو مجھے دیں۔ آپ کے ہاتھ میں اچھی نہیں لگ رہی۔'' سجو نے جھاڑو لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو وہ پیچھے ہٹ کر بولا۔

''تمہیں اچھا نہیں لگ رہا تو کیا ہوا، ثانیہ کو اچھا لگتا ہے۔''

''واقعی؟'' سجو حیران ہو کر ثانیہ کو دیکھنے لگی لیکن وہ یوں بیٹھی تھی جیسے سن ہی نہیں رہی، تب سجو اس سے بولی۔

''آپ مذاق کر رہے ہیں۔''

''میرا تمہارا مذاق کا کوئی رشتہ نہیں۔ چلو ہٹو، کام کرنے دو۔ ادھر دیکھ نہیں رہیں، مشین لگی ہے اور ابھی برتن بھی دھونے ہیں۔'' وہ کہتا ہوا جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگا جس سے ساری مٹی اُڑنے لگی تو ثانیہ چیخ پڑی۔

''کیا کر رہے ہو؟'' پھر کھانستی ہوئی اٹھ کر اندر چلی گئی تو وہ ہاتھ روک کر سجو سے بولا۔

''جو سوال تم نے کیا نہیں، یہ اس کا جواب ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب ثانیہ کو دھول سے الرجی ہے، اس لیے میں اسے جھاڑو نہیں لگانے دیتا۔'' وہ اس کا بھرم نہیں رکھ رہا تھا بلکہ اپنی خجالت مٹا رہا تھا۔

''بہت نازک مزاج ہے۔''

''ہاں۔ اس لیے مجھے خیال کرنا پڑتا ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ خیر اب آپ چھوڑیں، میں لگا دیتی ہوں۔''

سجو نے اس کی بے دھیانی سے فائدہ اٹھا کر اس کے ہاتھ سے جھاڑو جھپٹ لی اور پھر سارا دن ہر کام میں، وہ اس کے ساتھ ساتھ لگی رہی۔ کپڑے، برتن اور رات تک کا کھانا بھی بنا دیا۔ اس دوران ثانیہ دو بار کمرے سے نکل کر آئی اور انہیں مصروف دیکھ کر اطمینان سے واپس پلٹ گئی۔ کیونکہ اسے اس عام سی لڑکی سے کوئی خدشہ نہیں تھا۔ اس کے برعکس وہ یہ سوچ رہی تھی کہ اگر سجو روزانہ آجایا کرے تو کتنا اچھا ہو گھر بھی صاف رہے گا اور کھانا بھی مزے کا مل جائے گا۔

بہر حال سارے کام خوش اسلوبی سے نمٹا کر سجو چلی گئی حالانکہ اس نے بہت روکا تھا کہ کھانا کھا کر جائے لیکن وہ اپنی اماں کے ساتھ کھانے کا بہانا کر کے چلی گئی تب وہ نہا کر بہت فریش سا اپنے کمرے میں آیا اور اس سے بھی خوش دلی سے بولا تھا۔

''کیا خیال ہے بیگم صاحبہ! کھانا کھایا جائے۔''

''ہاں، کب سے بھوک لگ رہی ہے۔ میں تمہارے انتظار میں بیٹھی ہوں۔'' اس نے الٹا جتایا تو وہ بجائے برا ماننے کے ہنس پڑا اور فوراً جا کر کھانا نکال لایا۔ تب وہ ٹوک کر بولی۔

''کیا بات ہے۔ بہت خوش ہو؟''

''ہاں۔ بہت اچھا لگ رہا ہے۔'' اس نے اعتراف کیا تو وہ سمجھی نہیں۔

''کیا اچھا لگ رہا ہے؟''

''صاف ستھرا گھر، اپنا کمرہ دیکھو کیسے چمک رہا ہے۔ سارا بوجھل پن، گندگی سے تھا۔ اگر روزانہ ایسے ہی رہے تو کتنا اچھا لگے۔'' وہ اِن ڈائریکٹ اسے اکساتا تھا لیکن وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔ ناک چڑھا کر بولی۔

''بلا لیا کرو روزانہ اسے فارغ ہی ہوتی ہوگی۔''

''کوئی فارغ نہیں ہوتی۔'' اس کا سر پیٹنے کو دل چاہا تھا۔

''کیوں کیا کرتی ہے؟''

''پتا نہیں۔ کھانا کھاؤ۔'' اس نے بحث سے بچنے کی خاطر بات ختم کر دی۔ پھر کھانا کھا کر جو سویا تو اندھیرا پھیلنے پر اٹھا تھا۔ اور اس وقت اس کا دل چاہا بس گرم گرم چائے ہاتھ میں آجائے۔ اس سے تو توقع نہیں کی جا سکتی تھی اور اماں بے چاری بیمار تھیں ورنہ وہی بنا دیتیں۔

''سجو ہی آجاتی۔'' اس نے سوچا اور بہت سستی سے بستر سے اٹھنے لگا تھا کہ سجو چائے لے کر آگئی۔

''تم......!'' وہ بہت حیران ہوا اور چائے دیکھ کر خوش۔

''مجھے اس وقت چائے کی شدید خواہش تھی۔ ویسے تم کیسے آئیں؟''

''میری اماں آپ کی اماں کی طبیعت پوچھنے آئی ہیں۔ میں بھی آگئی۔'' وہ چائے کی ٹرے پہلے ثانیہ پھر اس کے سامنے کرتی ہوئی بولی۔

''اور آتے ہی کام سے لگ گئیں۔''

''چائے بنانا تو کوئی کام نہیں ہے۔'' وہ کہہ کر چلی گئی وہ اسے دیکھنے لگا جو یوں انجان بنی بیٹھی تھی۔ جیسے کمرے میں اس کے علاوہ اور کوئی موجود ہی نہ ہو۔ تب اس نے پہلے چائے کا سپ لیا پھر اسے متوجہ کر کے بولا۔

''سنو، اگر تمہاری شان میں کوئی فرق نہ آتا ہو تو جا کر سجو کی ماں کو سلام کر آؤ۔''

''یہ تم کس طرح کی باتیں کرنے لگے ہو۔'' وہ ناگواری سے ٹوک کر کہنے لگی۔ ''اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے طنز اور تضحیک کا نشانہ بن کر میں تمہارے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جاؤں گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔''

''نانا۔ میرا ایسا کوئی مقصد نہیں ہے۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تو فوراً پوچھنے لگی۔

''کہاں جا رہے ہو؟''

''سلام کرنے۔''

''میرا بھی کہہ دینا اور ہاں نجو سے کہنا۔ چائے بہت اچھی تھی۔'' وہ خالی مگ اس کی طرف بڑھا کر بولی تو وہ تپ کر پوچھنے لگا۔

''اور کچھ......؟''

''اور کہنا، روز اسی طرح آجایا کرے۔'' وہ اب چڑا رہی تھی۔

''اور جو اس نے پوچھ لیا، تمہاری بیوی کس لیے ہے پھر؟''

''کہہ دینا۔ میں بیوی لایا ہوں نوکرانی نہیں۔'' اسے اور کچھ بنانا بے شک نہ آئے باتیں بنانی ضرور آتی تھیں۔

''اور جو بیویاں سارے گھر کا کام کرتی ہیں انہیں تم کیا کہو گی؟'' وہ جاتے جاتے رک گیا۔

''نوکرانی، بیویاں صرف میری جیسی ہوتی ہیں۔'' وہ گردن اکڑا کر بولی تو وہ بھی دل جلانے والے انداز میں مسکرا کر پوچھنے لگا۔

''پھر کیا خیال ہے، میں بھی اپنے لیے ایک نوکرانی لے آؤں؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ فوراً چیخی تو وہ سٹپٹانے کی ایکٹنگ کرتا ہوا بولا۔

''نوکرانی...... میں نوکرانی کی بات کر رہا ہوں۔''

''تو صرف اپنے لیے کیوں کہا؟''

''کیونکہ کام جو میں کرتا ہوں اور میرے حصے کے کام کرنے والی میری ہوئی ناں۔ تمہیں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اب بھی نہیں کرتی جب بھی نہیں کرو گی۔'' اس کی وضاحت پر وہ الجھ کر بولی۔

''مجھے نہیں پتا، جو دل چاہے کرو۔''

''اچھی بات ہے۔'' وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔

☆

وہ سارا دن ٹی وی دیکھتی یا سو جاتی۔ لیکن اب اسے اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔ امی کے گھر میں بہنوں کے ساتھ کبھی ہنس بول لیتی، کبھی لڑ لیتی تھی اور یہاں اماں کے ساتھ پہلے وہ خود نہیں بولتی تھی اور اب وہ اس کی طرف دیکھتی تک نہیں تھیں۔ ظاہر ہے، ان کے لیے اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہی تھا۔ اور وقار صبح کا گیا رات کو آتا تھا۔ اس وقت اگر وہ اسے کہیں چلنے کو کہتی تو شروع دنوں میں تو وہ کہیں نہ کہیں لے جاتا تھا لیکن اب بیزاری سے کہتا۔ ''اس وقت میں تمہیں کہاں لے جاؤں۔'' یا پھر۔

''دیکھ نہیں رہیں ابھی تھکا ہوا آ رہا ہوں، لیکن تمہیں کہاں احساس ہو سکتا ہے تم تو آرام سے رہتی ہو۔'' وغیرہ وغیرہ۔

اور امی کے گھر وہ صرف اس لیے نہیں جاتی تھی کہ آگے پہلے ان کی ملامت، پھر لیکچر سننا پڑتا تھا اور جانے وہ کس مٹی کی بنی تھی کہ کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا، بس تلملا کر دوبدو جواب دے کر فارغ ہو جاتی۔ اس کے بعد کبھی سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ آیا وہ ٹھیک ہے یا غلط۔ شاید اسی لیے احساس نہیں جاگا تھا کہ وہ سوچتی ہی نہیں تھی۔ سب اول روز سے خود کو ٹھیک سمجھ کر اَڑی ہوئی تھی۔ پھر اپنے حسن کا زعم بھی تھا۔ بہر حال اب بہت زیادہ فراغت سے وہ اکتاہٹ کا شکار ہو گئی تھی اور اس رات وقار کے سامنے یہی مسئلہ لے کر بیٹھ گئی۔

''وقار! میں بہت بور ہو گئی ہوں، زندگی میں کوئی ہلچل ہی نہیں ہے۔''

''کیسی ہلچل چاہتی ہو تم؟'' اس نے عدم دلچسپی سے پوچھا۔

''کچھ تو ہو۔''

''مثلاً''

''تم آفس سے جلدی آجایا کرو تو ہم گھوم پھر سکتے ہیں۔ پتا ہے، میں سارا دن کتنی اکیلی ہوتی ہوں۔ وقت گزر کے نہیں دیتا۔'' وہ اپنے تئیں مظلوم بن رہی تھی جب کہ وقار کے پاس اب ایک ہی بات ہوتی تھی۔

''کچھ کرو گی تو اکیلے پن کا احساس نہیں ہو گا اور وقت بھی بھاگتا ہوا لگے گا۔''

''کیا کروں؟'' وہ اپنے آپ سوچنے لگی پھر ایک دم اچھل کر بولی۔

''وقار! کیوں نہ میں پھر۔ ، کالج میں ایڈمیشن لے لوں۔ آدھا دن وہاں گزر جائے گا۔ باقی آدھا دن سو لوں گی۔''

''یا اللہ......'' وہ زچ ہوا پھر تاسف سے کہنے لگا۔ ''تم سب کچھ سوچ سکتی ہو بس

گھر داری کی طرف تمہارا دھیان نہیں جاتا۔"

"اور تم ایک اسی پر زور کیوں دیتے ہو؟"

"کیونکہ زندگی کا اصل رنگ یہی ہے کہ صبح جب میں آفس جانے کے لیے تیار ہوں، تب تم میرے لیے ناشتہ بنا رہی ہو۔ میں وقفے وقفے سے تمہیں پکاروں اور تم کچن سے آ رہی ہو، آ رہی ہوں کہتی ہوئی ٹرے لے کر آؤ تو اس وقت سوچو، ناشتہ کرنے میں کتنا مزہ آئے گا۔ پھر تم مجھے سی آف کرنے دروازے تک جا کر دھونس جماؤ کہ شام میں جلدی آنا ورنہ میں روٹھ کر میکے چلی جاؤں گی تب سچ مچ میری جان پر بن آئے گی کہ اگر تم چلی گئیں تو میرا کیا ہوگا۔ اور اسی خیال سے میں جلدی لوٹ آؤں گا۔" وہ بہت محبت سے اسے زندگی کے اصل رنگ دکھا رہا تھا لیکن وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

"ساری دنیا کی عورتیں یہی کر رہی ہیں۔"

"اور تم سب سے الگ کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟" اس کا خوبصورت تصور بری طرح مسخ ہوا تھا۔

"کچھ نہیں......" اس نے بڑے آرام سے کندھے اچکائے تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔

"تم نہیں سدھر سکتیں۔"

"جب یہ طے ہے تو پھر تم ایسی فضول کوششیں کیوں کرتے رہتے ہو۔"

"میرے باپ کی توبہ، آئندہ میں یہ موضوع کبھی نہیں چھیڑوں گا۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔

"تھینک گاڈ، جان چھوٹی۔" وہ خوش ہو کر بولی تو وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"بہت خوش قسمت ہو تم ثانیہ بیگم! کہ تمہیں مجھ جیسا شوہر ملا، میری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو دوسرے ہی دن تمہیں واپس میکے پہنچا دیتا۔ یہ میری شرافت ہے کہ میں تمہیں برداشت کر رہا ہوں اور اس کی وجہ تم، تمہارا حسن نہیں بلکہ تمہارے ماں باپ اور خود میری ماں ہے۔ جو مجھے کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے روکتی ہے۔ اس سادہ لوح کو ابھی بھی یہ صرف خوش فہمی نہیں بلکہ یقین ہے کہ تم ضرور سدھر جاؤ گی۔"

"تو تم ان کی خوش فہمی دور کر دو۔" وہ طنز سے بولی۔

"نہیں، اب میں ان کے یقین پر مہر ثبت کروں گا۔" وہ کہہ کر اس کی طرف سے کروٹ بدل کر لیٹ گیا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر ڈھٹائی سے اس کا کندھا ہلا کر بولی۔

"سنو، میرا مسئلہ تو وہیں رہ گیا۔ میں بہت بور ہوتی ہوں۔"

اس نے جواب نہیں دیا تو پھر کہنے لگی۔

"عجیب آدمی ہو۔ اچھا یہ بتاؤ، میں کالج میں ایڈمیشن لے لوں۔"

"جو تمہارا دل چاہے کرو اور اب خدا کے لیے مجھے سونے دو۔ صبح آفس جانا ہے۔" وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر بولا تو وہ بڑبڑاتی ہوئی لیٹ گئی۔

☆

یونہی کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ وہ ایک دن کالج ہو آئی تھی لیکن سال بھر سے جو صرف کھانے اور سونے کی عادت پڑ گئی تھی تو دوبارہ اس نے کالج کا نام نہیں لیا۔ جب کہ وقار نے پوچھا اور اکسایا بھی تھا کہ شاید اس طرح وہ کچھ ایکٹو ہو جائے لیکن وہ نہیں مانی۔ اور اس وقت اپنی بوریت کا کوئی اور حل سوچ رہی تھی کہ سجو کو آتے دیکھ کر اس کا دھیان بٹ گیا۔

"اماں کہاں ہیں؟" سجو نے دروازے میں رک کر پوچھا تو وہ اس سے پوچھنے لگی۔

"اپنے کمرے میں نہیں ہیں؟"

"نہیں......"

"پھر سبزی گوشت لینے گئی ہوں گی، آؤ بیٹھو۔" اس نے بتا کر اسے اندر آنے کو کہا پھر اس کے بیٹھنے پر پوچھنے لگی۔ "کسی کام سے آئی تھیں؟"

"اماں نے بلایا تھا، شاید انہیں کام ہوگا۔" سجو نے کہا تو وہ اپنے کمرے کا پھیلاوا دیکھ کر بولی۔

"ارے کام تو یہاں بہت ہیں، کتنی بار وقار سے کہا ہے، تمہیں مستقل رکھ لیں۔"

"جی......؟" سجو نے یوں دیکھا جیسے اس کے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔

"ہاں، ہفتے میں ایک دن آتی ہو، روزانہ آ جایا کرو تو کام کا بوجھ بھی کم ہوگا اور پیسے بھی زیادہ ملیں گے۔" اس نے جان بوجھ کر جتایا تھا کہ سجو کو نوکرانی سمجھتی ہے جو اگر اسے برا لگا تب بھی بہت تحمل سے بولی تھی۔

"معاف کیجیے گا آپ نے مجھے غلط سمجھا ہے۔ میں اس گھر میں اُجرت پر کام نہیں کرتی۔ مجھے صرف اماں کا خیال ہے، جو بے چاری بڑھاپے کی تکلیفوں کے باوجود ہانڈی چولہا کرتی ہیں۔ اس لیے مجھے جب وقت ملتا ہے، میں آ کر ان کا ہاتھ بٹا دیتی ہوں۔"

"اچھا......" اس نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کی پھر کہنے لگی۔

''بھئی، معاف کرنا مجھے نہیں معلوم تھا۔ میں تو اب تک یہ سمجھتی رہی کہ تم ہفتے میں ایک بار یہاں اُجرت پر کام کرنے آتی ہو۔ اسی لیے تو میں نے وقار سے کہا کہ وہ تمہیں مستقل رکھ لیں اور دیکھو، انہوں نے بتایا بھی نہیں کہ تم نوکرانی نہیں ہو۔''

''لیکن مجھے آپ کے بارے میں انہوں نے بتایا ہے۔'' سجو نے برا ماننے کے بجائے مسکرا کر کہا تو وہ ٹھٹکی تھی۔

''کیا......کیا بتایا ہے؟''

''یہی کہ آپ بہت نازک مزاج ہیں۔'' سجو نے کہا تو وہ پھر اترا کر بولی۔

''وہ تو میں ہوں۔'' پھر پوچھنے لگی۔ ''تمہارے گھر میں اور کون کون ہے؟''

''بس میں اور میری اماں۔''

''اور تمہارے ابا؟''

''ابا کا چار سال پہلے انتقال ہوگیا تھا۔''

''اوہ تو تم میرا مطلب ہے، کوئی جاب وغیرہ کرتی ہو؟'' اس نے ذرا سے افسوس کے بعد پوچھا تو سجو نے سیدھے سادے انداز میں جواب دیا۔

''نہیں۔ میں گھر میں سلائی کرتی ہوں۔''

''ہیں، وقار تو کہہ رہے تھے تم پڑھی لکھی ہو۔'' اس نے عجیب سے انداز میں کہا تو سجو مسکرا کر بولی۔

''جی میں نے گریجویشن کیا ہے۔''

''پھر جاب کیوں نہیں کرتیں؟'' اسے بولنے کا موقع ملا تھا جب ہی سوال پر سوال کرتی جارہی تھی۔

''جاب کے لئے گھر سے دور جانا پڑے گا، اس لیے میں نے نہیں سوچا، پھر سلائی کڑھائی میں میرا خیال ہے، مجھے جاب سے زیادہ پیسے مل جاتے ہیں۔'' سجو بہت سلیقے سے جواب دے رہی تھی۔

''شادی نہیں ہوئی تمہاری؟''

''نہیں۔ مجھ سے کون شادی کرے گا؟'' سجو نے ذرا سا ہنس کر کہا تو وہ فوراً اس کا مطلب سمجھ کر کہنے لگی۔

''ہاں، ہر کوئی خوبصورت لڑکی ڈھونڈتا ہے۔ لیکن ہر ایک کو تو مجھ جیسی نہیں مل جاتی۔ یہ تو وقار کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں اتنی حسین لڑکی مل گئی۔''

''جی، وقار آپ کی بہت تعریف کرتے تھے۔'' سجو نے کہا تو وہ جلدی سے بولی۔

''ابھی بھی کرتے ہیں۔''

''ظاہر ہے آپ اتنی پیاری جو ہیں۔'' سجو نے کہا، تب ہی اماں کی آواز آئی وہ صحن میں اپنے آپ بولتی ہوئی آرہی تھیں۔

''اماں آگئیں۔'' سجو آواز سنتے ہی اٹھ کر چلی گئی تو وہ آئینے میں دیکھ کر یوں مسکرائی جیسے سجو کو اس کی اوقات یاد دلا کر بڑا کمال کیا ہو۔ مزید رات میں وقار کے سامنے شروع ہوگئی۔

''سنو، آج سجو آئی تھی۔''

''پھر......؟'' اس نے سرسری پوچھا کیونکہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔

''میں نے اس سے کہا کہ وہ ہفتے میں ایک دن آنے کے بجائے روزانہ یہاں کا کام کرجایا کرے، ہم پیسے دے دیں گے۔'' اس نے جتنے آرام سے بتایا، وہ اسی قدر اچھل کر چیخا تھا۔

''کیا......؟''

''ہاں تو میں نے پیسوں کی بات کی تھی، کوئی مفت میں کرنے کو تو نہیں کہا تھا جو تم چلا رہے ہو؟''

تمہارا دماغ ٹھیک ہے پاگل عورت! میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا کہ وہ پڑھی لکھی لڑکی ہے۔'' وہ غصے میں اسے ڈانٹ کر بولا لیکن وہ صاف مکر گئی۔

''نہیں تو......''

''یا اللہ......'' وہ سر پیٹنے لگا تو وہ ناگواری سے بولی۔

''تمہیں کیوں برا لگ رہا ہے۔ اس نے تو برا نہیں مانا تھا۔''

''یہ اس کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ اس نے برا نہیں مانا پھر بھی تمہیں معافی مانگنی ہوگی اس سے۔''

''کیوں میں کیوں معافی مانگوں گی۔'' وہ تنک کر بولی۔

''مانگنی پڑے گی تمہیں۔''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور یہ تم ایک معمولی سی لڑکی کو کیوں اتنی اہمیت دے رہے ہو۔ وہ جیسی نظر آتی ہے، میں اسے وہی کہوں گی اور سمجھوں گی بھی۔'' اس کی ہٹ دھری پر وہ بری طرح چلایا۔

''شٹ اپ، شٹ اپ......''

"چلاتے کیوں ہو؟"

"کیا کروں، اپنی بے عزتی پر چلاؤں نہ تو کیا کروں۔" وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا اور وہ اندر سے خائف ضرور ہوئی لیکن ظاہر نہیں کر رہی تھی۔ بلکہ عادت کے مطابق اسے زیر کرنے پر تلی تھی۔

"اپنی بے عزتی، اس میں تمہاری بے عزتی کیسے ہوئی؟"

"اور کیسے ہوتی ہے۔ وہ لڑکی جو انسانیت کے ناتے آ کر اماں کا خیال رکھتی ہے اور جس کا میں بے حد ممنون ہوں، اس کی نظروں میں تم نے مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا اور کہتی ہو، میری بے عزتی نہیں ہوئی۔"

"تم خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہو۔" کوئی جواب نہیں بن پڑا تو سر جھٹک کر منہ موڑ گئی۔

"اگر چاہتی ہو، بات یہیں ختم ہو جائے تو معافی مانگو اس سے ورنہ......"

"ورنہ......" وہ تیزی سے اس کی طرف گھومی

"کیا کر لو گے، جان سے مار دو گے، مار دو۔ اس کے سامنے ہاتھ جوڑنے سے میں مر جانا پسند کروں گی۔ اور ابھی بھی یہ میرے لیے مر جانے کا مقام ہے کہ تم اس دو کوڑی کی لڑکی کو مجھ پر فوقیت دے رہے ہو۔"

"میں فوقیت نہیں دے رہا لیکن جو غلطی تم سے ہوئی ہے۔ اسے تسلیم کرو اور اس کی تلافی......" اس کی بات ہونٹوں میں تھی کہ وہ بول پڑی۔

"تلافی کا شوق تمہیں ہے تو تم ہی معافی مانگ لو۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ پیر پٹختا ہوا کمرے سے نکل گیا تو اس کے واپس آنے کے انتظار میں وہ کتنی دیر بیٹھی کڑھتی رہی پھر جھنجھلانے لگی کہ یہیں پچھلی گلی میں تو سجو کا گھر تھا اور وہ پتا نہیں کہاں چلا گیا تھا۔ گویا اسے یقین تھا کہ وہ اتنی دیر سجو کے گھر نہیں بیٹھ سکتا، جب ہی اس کے کہیں اور جانے کا سوچتے سوچتے سو گئی تھی۔ صبح وہ اپنے معمول کے مطابق اٹھی اور وقار کو سوتے دیکھ کر یاد آیا کہ آج چھٹی کا دن ہے پھر بھی اس کا کندھا ہلانے لگی۔

"اٹھو وقار......"

"سونے دو یار! ایک ہی دن تو ملتا ہے۔" وہ اپنے کندھے پر اس کا ہاتھ دبا کر بولا۔

"اور ایک دن میں کام کتنے ہوتے ہیں۔"

"مجھے کرنے ہیں ناں۔ کر لوں گا۔" اس نے کہا پھر ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "ارے آج

تو بہت کام ہیں۔"

"سجو کو بلا لو، وہ ہاتھ بٹا دے گی تمہارا۔" وہ اب چھیڑنے والے انداز میں مسکرا کر بولی تو وہ ایک نظر اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"بلانا ہی پڑے گا۔"

"ارے ہاں، رات جو تم اسے منانے گئے تھے تو کیا ہوا؟"

"وہ ناراض تو نہیں تھی پھر بھی بہت مشکل سے مانی۔" اس نے کہا تو وہ سمجھی نہیں۔

"کیا مطلب؟"

"تم نہیں سمجھو گی۔" وہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا تب اس نے بھی بستر چھوڑ دیا اور جب تک وقار ناشتہ لاتا وہ روزانہ کی طرح بن سنور کر بیٹھ گئی۔ پھر ناشتے کے دوران کہنے لگی۔

"ہم بہت دنوں سے کہیں نہیں گئے۔ چلو، آج کہیں گھومنے چلتے ہیں۔"

"ہاں، میرا بھی بہت دل چاہ رہا ہے۔ لیکن کام......" وقار کام سوچ کر مایوس ہوا تو وہ پھر بولی۔

"سجو کو لے آؤ نا، وہ کر لے گی سب......"

"اچھا نہیں لگتا یار! کہ ہم سارے کام اس پر چھوڑ کر چلے جائیں۔ اماں بھی ناراض ہوں گی۔ ایسا کرو، آج تم میرا ساتھ دے دو۔ ایک سے دو ہو جائیں گے تو سارے کام جلدی نمٹ جائیں گے پھر دوپہر کا کھانا کھاتے ہی ہم نکل چلیں گے۔" اس نے کہا تو وہ اپنے سراپے کو دیکھتی ہوئی بولی۔

"میں...... میں تیار ہو چکی ہوں، پھر مجھ سے ہو گا بھی نہیں۔ تم......"

"سجو کو لے آؤں، وہ میرا ہاتھ بٹا دے گی۔" وہ اس کی بات مکمل کر کے یوں مسکرایا جیسے تمہارا ابھی جواب نہیں اور وہ خوش ہو گئی۔

"ہاں، میں یہی کہہ رہی ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ ناشتہ چھوڑ کر چلا گیا تو پھر سارا دن وہ اس کی راہ دیکھتی رہ گئی۔ پتا نہیں کہاں چلا گیا تھا۔ وہ کتنی بار اماں سے الجھی کہ انہوں نے کہیں بھیجا ہے۔ پھر کبھی اپنے کمرے کے بگڑے حلیے کو مزید بگاڑا۔ کبھی دروازے سے جھانکنے کھڑی ہو جاتی، یہاں تک کہ شام ہو گئی تو وہ غصے سے بھری پھر اماں پر چڑھ دوڑی۔

"آپ اتنے آرام سے کیسے بیٹھی ہیں۔ جا کر معلوم کریں، وہ سجو کے ہاں گیا تھا۔"

''سجو کے ہاں کیا کرنے گیا تھا؟'' اماں نے ناگواری سے پوچھا۔

''اسے لینے......'' اس نے کہا، تب ہی دروازہ کھلنے پر اماں اس کے پیچھے دیکھ کر بولیں۔

''لو...... لے آیا......''

وہ تیزی سے پلٹ کر کہنے کچھ جارہی تھی لیکن وقار کے ہاتھ میں سوٹ کیس دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلا۔

''یہ کس کا ہے؟''

''سجو کا۔'' وہ اپنے برابر کھڑی سجو پر ایک نظر ڈال کر بولا۔

''بار بار بلانے جانا پڑتا تھا، ایک ہی بار لے آیا۔ اب یہ یہیں رہے گی مستقل۔''

''کیوں؟ کس لیے؟'' اس نے تیکھی نظروں سے براہ راست سجو کو دیکھا تو وہ ہمیشہ کی طرح بہت تحمل سے مسکرائی پھر وقار کا ہاتھ تھام کر بولی تھی۔

''ان کا ہاتھ بٹانے......!''

جو کہنا تھا

وہ بے حد جھنجلائی ہوئی بلکہ غصے میں بھی تھی جس کا اظہار وہ چیزیں پٹخ پٹخ کر کر رہی تھی۔ پھر بھی کسی طرح اس کے اندر کی کھولن کم نہیں ہو رہی تھی۔ حالانکہ کوئی نئی بات نہیں ہوئی تھی۔ گزشتہ چار سالوں سے یہی کچھ ہو رہا تھا کہ وہ باقاعدہ تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں جاتی تو وہاں موجود خواتین اسے دیکھتے ہی منہ بنانے لگتی تھیں۔ جو اماں بھی ضرور محسوس کرتیں پھر بھی اس کے تعارف کے ساتھ تعریف میں رطب اللسان ہو جاتیں۔

''یہ میری سب سے بڑی بیٹی ہے سوہنی! ماشاء اللہ انگریزی میں ایم اے کیا ہے۔ بہت ذہین ہے۔ گھرداری میں بھی ماہر ہے۔ جس گھر جائے گی چار چاند لگا دے گی۔'' ابھی بھی اماں نے یہی رٹے رٹائے جملے بولے تھے جس پر ایک خاتون نے خاصے طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

''ماشاء اللہ......'' اور وہ نا سمجھ نہیں تھی فوراً وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور ہمیشہ کی طرح ریجیکٹ ہونے کا غصہ بے جان چیزوں پر نکال رہی تھی کہ شانی دروازے میں آ کر بولا۔

''مے آئی کم ان......'' اس نے ہاتھ میں پکڑی موٹی سی کتاب زور سے ٹیبل پر پٹخی پھر شانی کو دیکھ کر دھاڑی۔

''آ جاؤ۔''

''ارے......'' شانی اس کا چہرہ دیکھ کر ہنسنے لگا۔ ''یہ آپ نے کیا کیا ہے؟''

''کیا کیا ہے؟'' وہ سمجھی نہیں۔

''آئینہ دیکھیں جا کر......'' شانی نے بمشکل ہنسی روک کر کہا تو وہ اسے گھورتی ہوئی واش روم میں آ گئی اور جب آئینے میں خود کو دیکھا تو رو دینے کو ہو گئی۔ خود کو پسند کروانے کے لئے جو اس نے میک اپ کیا تھا وہ غصے کے باعث اس کی شکل کو خاصا مضحکہ خیز بنا رہا تھا۔

''بس یہ آخری بار تھا۔ اب کبھی میں خود کو تماشا نہیں بناؤں گی۔'' رگڑ رگڑ کر چہرہ دھوتے ہوئے۔ وہ بڑبڑاتی رہی پھر آئینے میں دیکھا شفاف آنکھیں سرخی مائل ہو گئی تھیں۔

''کیا کمی ہے مجھ میں بس ایک رنگ ہی تو کالا ہے ورنہ ان آنکھوں کی جادوگری سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ایک عالم تسخیر کر سکتی ہیں۔''

''ایک عالم......!'' ہونٹوں پر دکھ بھری ہنسی مچلی تھی۔ ''کوئی ایک بندہ تو تسخیر ہو نہ سکا کہاں ایک عالم۔''

وہ خود ترسی کا شکار ہونے جا رہی تھی کہ سر جھٹک کر واش روم سے نکل آئی۔ شانی سعادت مند بچوں کی طرح رجسٹر کھولے بیٹھا تھا۔ وہ اپنی چیئر کھینچ کر بیٹھی تو شانی سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

''آپ رو رہی تھیں؟''

''نہیں کیوں؟'' وہ اب نارمل ہو چکی تھی۔

''آپ کی آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔''

''آنکھوں کی سرخی صرف رونے کو تو ظاہر نہیں کرتی، اچانک بہت زیادہ خوشی ملنے سے بھی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔'' اس نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے بھٹکانے کی کوشش کی۔

''اچھا ابھی کیا خوشی ملی ہے آپ کو؟'' وہ بھٹکنے والا نہیں تھا۔

''بتاؤں گی لیکن ابھی نہیں۔'' اس نے ٹالا۔

''میں سمجھ گیا۔ ابھی جو آپ کے لئے پرپوزل آیا تھا۔ وہاں بات بن گئی ہے۔ یہی بات ہے نا۔ اسی لئے آپ خوش ہیں نا۔ گڈ یہ تو واقعی بہت زیادہ خوشی کی بات ہے۔ میں آپ کی شادی میں خوب بھنگڑا ڈالوں گا۔'' شانی جوش میں آ گیا تھا۔

''بس ...... شٹ اَپ!'' وہ ایک دم چیخ پڑی ''تم یہاں پڑھنے آتے ہو پڑھو اور جاؤ اس سے ہٹ کر تمہیں کسی بات کو سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے انڈرسٹینڈ۔''

''اس کا مطلب ہے بات نہیں بنی۔'' شانی بجائے خائف ہونے کے اس کے چلانے سے سمجھ کر بولا۔

''ہاں نہیں بنی پھر۔'' اس نے دانت پیسے جیسے اسے کچا چبا جائے گی۔

''پھر یہ کہ لعنت بھیجیں اور سمجھ لیں کہ وہ آپ کے قابل ہی نہیں تھے۔ آپ کو وہی ملے گا جو آپ کے قابل ہو گا اور وہ کوئی عام سا شخص نہیں ہو گا۔'' شانی نے پل میں اس کے غصے، اس کے تنفر کو زائل کر دیا تھا اور وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم......!''

''ہاں میں، آپ کا سٹوڈنٹ ضرور ہوں لیکن نرسری کے جی کا بچہ نہیں ہوں ایم اے کر

رہا ہوں۔''

''عمر میں آپ سے بڑا نہیں تو چھوٹا بھی نہیں ہوں گا۔''

''اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے۔'' وہ پھر چیخ گئی۔

''آپ غلط نہ سمجھیں میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنا دوست سمجھیں، بے شک میری استاد ہیں تو کیا استاد اور شاگرد میں دوستی نہیں ہوتی۔''

''ہوتی ہو گی۔'' اس نے بے نیازی کا مظاہرہ کیا پھر ایک دم پوچھنے لگی۔

''ویسے تم سے دوستی کر کے مجھے کیا ملے گا؟''

''اچھے اچھے مشورے۔'' وہ برجستہ بولا تھا۔

''تم، تم مجھے مشورے دو گے۔'' اسے پھر اپنی بڑائی کا احساس ستایا تھا۔

''ایک تو آپ کے ساتھ یہ بڑا مسئلہ ہے خود کو صرف استانی سمجھتی ہیں خیر اس میں بھی کوئی برائی نہیں ہے لیکن کم از کم مجھے تو بچہ نہ سمجھیں میں آپ کے پاس صرف انگریزی سیکھنے آتا ہوں۔ ٹھیک ہے کل سے نہیں آؤں گا۔''

''مت آنا مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے تمہارے ساتھ مغز ماری کرنے کا۔'' وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''خیر آؤں گا تو میں ضرور اور اب پڑھنے نہیں پڑھانے آؤں گا۔'' اس کی بات پر وہ چیخ پڑی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''جو بھی سمجھو۔'' وہ کہہ کر تیزی سے نکل گیا اور وہ دانت پیستی رہ گئی۔

اور اسی رات اماں اس کے پاس آ بیٹھیں۔ خاصا مجرمانہ سا انداز تھا اس کے کمرے کی ہر شے پر ان کی نظریں جا رہی تھیں اور ایک صرف وہی نظر انداز ہو رہی تھی۔

''کیا بات ہے اماں! آپ کچھ پریشان ہیں؟'' اس نے الجھ کر ٹوکا۔

''ہاں نہیں یہاں آ کر بیٹھو۔'' اماں نے اپنے سامنے بیڈ پر ہاتھ مارا اس کی طرف دیکھا پھر بھی نہیں۔

''جی......!'' وہ بیٹھ گئی۔

''وہ بیٹا! آج جو عورتیں آئی تھیں وہ شرمین کو پسند کر گئی ہیں۔'' اماں رک رک کر بولیں اور یہ بھی کوئی نئی بات نہیں تھی۔ جب سے شرمین اس کے برابر کی ہوئی تھی تب سے یہی ہو رہا تھا۔ لیکن اماں نے اسے کبھی نہیں بتایا تھا۔ خود ہی منع کر دیتیں اور بعد میں وہ یہی سنتی تھی کہ ''جب تک

بڑی کی نہیں ہو جاتی چھوٹیوں کا نہیں سوچوں گی۔"

"پھر اب کیا بات ہے؟" وہ سوچنے لگی۔

"رشتہ اچھا ہے۔ اگر تم کہو تو شرمین کے لئے ہامی بھرلوں۔" اماں کی بے بسی پر اس کا دل رو اٹھا۔

بے اختیار ان کے ہاتھ تھام لئے۔

"آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"اس لئے کہ پہلا حق تمہارا ہے۔"

"نہیں اماں! یہ سب نصیب کی بات ہے۔ اگر میرے نصیب میں یہ سب نہیں ہے تو آپ دوسری بیٹیوں پر تو دروازے بند نہ کریں اگر رشتہ اچھا ہے تو ضرور ہامی بھر لیں اور میں تو پہلے بھی کتنی بار آپ سے کہہ چکی ہوں کہ میری وجہ سے باقیوں کو نہ بٹھائے رکھیں۔ شرمین کے بعد نرمین وہ بھی تو اب بڑی ہوگئی ہے۔" اس نے صاف گوئی سے کہا پھر یکدم خوش ہو کر بولی۔

"کتنا مزہ آئے گا۔ اب ہمارے گھر میں بھی ڈھولک بجے گی۔ شادی کے گیت گائے جائیں گے۔ اماں اب تو آپ ساڑھی باندھیں گی نا۔ مجھے بڑا شوق ہے آپ کو ساڑھی میں دیکھنے کا۔"

"چل ہٹ۔" اماں اس سے نظریں چرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور ابھی دروازے تک تھیں کہ وہ پکار کر بولی۔

"اماں! میں خوش ہوں۔"

"میں جانتی ہوں بیٹا!" اس تمام وقت میں اماں اب مسکرائی تھیں۔

"مے آئی کم ان......" تین دن کی غیر حاضری کے بعد وہ پھر آگیا تھا اس نے سرتاپا اسے دیکھا پھر تیز لہجے میں پوچھنے لگی۔

"تم پڑھنے آئے ہو یا پڑھانے......؟"

"پڑھنے......" وہ انتہائی معصومیت سے بولا۔

"سوری...... اب میرے پاس وقت نہیں ہے۔ تم کوئی اور انتظام کرلو۔" اس نے صاف جواب دے کر وارڈ روب کھول لی۔

"ارے واہ اور انتظام کیسے کرلوں یہ آسان تھوڑی ہے۔" وہ اندر چلا آیا۔ "میں بس تم سے پڑھوں گا۔"

"تم......!" اس نے زور سے وارڈ روب کا پٹ بند کیا۔ "تم نے مجھے تم کہا۔"

"ہاں تم ہی کہوں گا۔ آپ جناب میں بہت وقت ضائع کرلیا۔" وہ جانے کیا سوچ کر آیا تھا۔

"اور میں مزید تم پر وقت ضائع نہیں کرسکتی۔ تمہاری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو فر فر انگریزی بول رہا ہوتا تم ہو کہ ابھی تک ٹینسز میں گڑبڑ کر دیتے ہو کوڑھ مغز کہیں کے۔"

"میں کوڑھ مغز نہیں ہوں۔ تم نے مجھ پر توجہ نہیں دی۔ بچہ سمجھ کر جملے رٹواتی رہیں۔"

"اچھا بابا! معاف کرو۔ میرے پاس اب واقعی وقت نہیں ہے۔ بلکہ سیدھی بات یہ ہے کہ مجھے پڑھانا ہی نہیں آتا۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر معذوری ظاہر کردی۔

"یہ کیا بات کر رہی ہو تم انگریزی میں ماسٹر ہو وہ بھی پوزیشن ہولڈر، پھر میں نے خود تمہیں فرفر انگریزی بولتے ہوئے سنا ہے۔ واہ، ایسا لگ رہا تھا جیسے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں، ایمان سے اگر کوئی انگریز سن لے تو فوراً اپنی غلامی لکھ دے۔" اس کے خوشامدانہ انداز پر وہ چڑ گئی۔

"تم کیا مجھے احمق، بے وقوف سمجھتے ہو جو تمہاری چاپلوسی پر کھل اٹھوں گی۔ چلو نکلو یہاں سے۔"

"پلیز، پلیز سوہنی!" وہ خوشامد پر اتر آیا کہ وہ چیخ پڑی۔

"سوہنی خبردار! جو مجھے میرے نام سے پکارا تو۔"

"سوری غلطی ہوگئی میڈم نہیں مس نہیں ٹیچر سوری ٹیچر! آئندہ سوہنی کہنے کی غلطی نہیں کروں گا۔ تم پلیز، مجھ پر رحم کرو میرے کیریئر کا سوال ہے۔ مجھے انگریزی بولنا سکھا دو بالکل اپنی طرح فرفر...... میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ بہت دعائیں دوں گا تمہیں۔" وہ مسکین بن کر لہجے میں رقت بھی سمو لایا تھا۔

"اچھا بس زیادہ ایکٹنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جاؤ کل سے آجانا۔" اس نے کہہ کر پھر وارڈ روب کھولی۔

"تھینک یو ٹیچر! لیکن ابھی کیوں نہیں بس آدھا گھنٹہ۔"

"یااللہ! تم تو پیچھے ہی پڑ گئے ہو۔ چلو بیٹھو۔" وہ جھنجھلاتے ہوئے ٹیبل پر آبیٹھی تو اس نے فوراً اپنا رجسٹر کھول لیا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے رجسٹر کھینچ کر ایک طرف رکھ دیا پھر پوچھنے لگی۔

"تمہیں کون کون سی زبان آتی ہے؟"

"اردو، پنجابی اور کچھ کچھ سندھی بھی بول لیتا ہوں۔" اس کے بتانے پر وہ فوراً پوچھنے لگی۔

"اور پشتو......؟"

''نہیں پشتو بہت مشکل زبان ہے۔ اس کے تو میں ابجد سے بھی واقف نہیں ہوں۔''

''اس لئے واقف نہیں ہو کہ کسی پشتو زبان والے کے ساتھ تمہاری دوستی نہیں ہوئی اور باقی زبانیں تم اس لئے بول اور سمجھ لیتے ہو کہ ان لوگوں کے ساتھ اکثر تمہارا اٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے اور کوئی بھی زبان صرف سیکھنے سے فرفر نہیں بولی جا سکتی۔ جب تک سننے اور بولنے کی پریکٹس نہ ہو۔'' وہ بہت سنجیدگی سے اسے سمجھا رہی تھی۔

''اسی لئے میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا اور اب پھر کہہ رہی ہوں کہ مجھ سے سیکھنے کے بجائے کسی انسٹیٹیوٹ میں ایڈمیشن لے لو۔ وہاں دوسرے سٹوڈنٹس کے ساتھ تمہیں بولنے کی پریکٹس ہوگی تو جلدی اس زبان پر عبور حاصل کر لو گے۔''

''سوری میں انسٹیٹیوٹ کی فیس افورڈ نہیں کر سکتا۔ میرے ابا مجھے جو خرچہ بھجواتے ہیں اس سے میرا مہینہ مشکل سے گزرتا ہے۔'' اس نے مجبوری بیان کی جو اس کے لئے ہرگز قابل قبول نہیں تھی۔

''تو تم ابا سے خرچہ منگواتے کیوں ہو خود کیوں نہیں کماتے؟''

''میں پڑھائی کروں یا کماؤں۔ تمہیں پتا ہے جاب والا آدمی صبح کا گیا رات میں گھر لوٹتا ہے پھر وہ پڑھائی کیسے کر سکتا ہے؟'' اس کے پاس ہر بات کا جواب موجود تھا۔

''خیر ٹیوشن تو پڑھا ہی سکتے ہو۔'' وہ بھی ہار ماننے والی نہیں تھی۔

''کوشش کی تھی میں نے لیکن ہر ایک نے یہ کہا کہ میں لڑکوں کو اپنے گھر بلا کر پڑھاؤں اور میں تو خود کسی کے گھر میں رہتا ہوں۔ وہ لوگ تو مجھے بھی نکال باہر کریں گے پھر بولو میں کہاں جاؤں گا۔''

''جہنم میں۔'' وہ چڑ کر بولی تھی۔

''توبہ کرو۔ اللہ کسی مسلمان کو جہنم کی ہوا بھی نہ لگنے دے آمین۔'' اس نے باقاعدہ منہ پر ہاتھ پھیرے۔

''اچھا اب تم جاؤ مجھے تیاری کرنی ہے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کہاں جا رہی ہو......؟'' شانی نے فوراً پوچھا۔

''شرمین کی سسرال۔'' اس نے بتایا تو وہ اچھل پڑا۔

''ہائیں! یہ شرمین کا سسرال کہاں سے آ گیا میرا مطلب ہے تم سے پہلے......''

''مجھ سے پہلے کیا مطلب!'' اس نے قصداً انجان بن کر ٹوکا۔

''مطلب پہلے دنیا میں تم آئی ہو۔''

''تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ پہلے مروں گی بھی میں۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر ہنسی تھی۔

''لاحول ولا، کیسی خوف ناک باتیں کرنے لگتی ہو۔ میں خالہ جان سے پوچھتا ہوں۔'' وہ کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا تو اس نے فوراً بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔ پھر تیاری میں لگ گئی۔

اماں ابا کے ساتھ وہ بھی شرمین کی ہونے والی سسرال جا رہی تھی۔ خاص طور سے لڑکا دیکھنے تو، فطری طور پر وہ متجسس تو تھی ہی ساتھ اندر کہیں یہ خیال بھی تھا کہ جس کے گھر والوں نے اسے ریجیکٹ کیا ہے وہ خود کیا ہے شہزادہ گلفام یا۔

اور وہ دیکھنے میں بے حد عام سا لڑکا تھا۔ اسے تھوڑی سی مایوسی ہوئی۔ پھر باقاعدہ اس کا انٹرویو کرنے بیٹھ گئی۔

''تمہارا نام......؟''

''عدیل۔''

''جاب کیا ہے؟''

''بینک منیجر''

''گڈ، شرمین کو کہاں دیکھا؟'' اس سوال پر وہ قدرے سٹپٹا گیا۔

''سوری، میں نے ابھی نہیں دیکھا''

''واقعی!'' اس نے قصداً حیرت کا مظاہرہ کیا تو وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔ پھر سوچنے لگا۔

''آپ ان کی بڑی بہن ہیں۔''

''ہوں......!'' وہ کیونکہ اسٹرا ہونٹوں میں دبا چکی تھی، جب ہی ہوں کی آواز نکالی۔

''آپ کی شادی ہو گئی......؟'' اس نے سیدھے سادے انداز میں پوچھا تھا جب ہی وہ بھی آرام سے بولی۔

''نہیں۔''

''کیوں......؟'' وہ پوچھ کے نادم سا ہو لیا۔ ''سوری مجھے کیوں کا سوال نہیں اٹھانا چاہئے تھا۔''

''خاصے عقل مند ہو اور اس بات پر میں تمہیں پورے ہنڈرڈ مارکس دیتی ہوں۔'' اس نے سراہ کر کہا پھر پرس میں سے شر ای کی تصویر نکال کر اس کے سامنے کر دی۔

''یہ شرمین ہے۔ وہ ایک نظر تصویر پر ڈال کر پھر اسے دیکھنے لگا۔''

''کیا ہوا......؟'' اسے ٹوکنا پڑا۔

"آپ سے بہت مختلف ہے۔" اس نے کہا تو وہ حیران ہوئی۔

"ارے تم نے ایک نظر میں کیسے موازنہ کرلیا؟"

عدیل نے جواب نہیں دیا اور اس کے ہاتھ سے تصویر لے کر اپنی جیب میں رکھ لی تھی۔

اس کے بعد وہ بالکل خاموش ہوگئی۔

گھر میں شادی کی افراتفری شروع ہوگئی تھی اور شانی ہر کام میں پیش پیش تھا۔ باہر کے تو تقریباً سارے کام اس نے اپنے ذمہ لے لئے تھے۔ اماں بھی صرف اسی پر بھروسہ کرتی تھیں۔ جانے کیا جادو کیا تھا اس نے اماں اور ابا پر بھی کہ ان کے سارے اصول دھرے رہ گئے تھے اور وہ علی الاعلان سارے گھر میں دندناتا پھرتا تھا۔ کسی وقت وہ ٹوکتی تو اماں الٹا شانی کی طرف داری کرنے لگتیں۔

"کیوں روکتی ہو بچے کو بے چارا اپنے گھر سے اتنی دور یہاں اکیلا رہتا ہے اور پھر تمہارا کیا لیتا ہے الٹا ہمارے کام ہی کر جاتا ہے۔"

پھر ایک دن اماں نے ہی اس سے کہا تھا کہ اگر پڑھائی میں مشکل ہوتی ہو تو سونی سے مدد لے لیا کرو۔ انگریزی میں ایم اے کیا ہے سونی نے، فرفر انگریزی بولتی ہے اور وہ اگلے دن سے ہی انگریزی سیکھنے آگیا تھا۔ گو کہ ایم ایس سی کا سٹوڈنٹ تھا لیکن انگریزی میں کمزور...... اب پتا نہیں واقعی ایسا تھا یا کوئی اور بات سونی کو بہر حال یقین نہیں آیا۔ ہر طرح سے اس کا امتحان لے ڈالا لیکن نتیجہ صفر آخر سر پیٹ کر بولی تھی۔

"تم ماسٹر لیول تک کیسے پہنچ گئے؟"

"رٹے سے اور کچھ نقل۔" اس کی صاف گوئی پر وہ سلگ کر بولی۔

"تو آگے بھی اسی طرح کا چلالو۔"

"نہیں چل سکتا بہت سختی ہوگئی ہے۔ سنا ہے سارے کپڑے اتروالیتے ہیں۔" وہ روانی میں بول گیا تھا۔

"اچھا بس زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

کل سے آجانا وہ ہرگز بھی اسے اہمیت نہیں دینے کو تیار نہیں تھی لیکن وہ اپنی جگہ بناتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ گھریلو معاملات میں بھی اماں اس سے مشورہ کرنے لگی تھیں۔ ابھی بھی سارے گھر میں اس کی پکار مچی تھی۔ خود اسے اپنے ذاتی کاموں کے لئے شانی کو پکارنا پڑ رہا تھا۔

"شانی، شانی سنو تو۔" وہ اسے بازو سے کھینچتے ہوئے اپنے کمرے میں لے آئی اور بیڈ

سے دوپٹہ اٹھا کر اسے تھماتے ہوئے بولی۔

"یہ دوپٹہ پیکو کروالاؤ۔"

"ابھی تو میں کھانے والے کے پاس جا رہا ہوں وہاں کوئی پیکو ویکو نہیں ہوتا۔ ویسے بھی تم یہ کلر نہ ہی پہنو تو اچھا ہے۔ بالکل سوٹ نہیں کرے گا تم پر۔"

"اچھا......!" خلاف توقع وہ بجائے چڑنے کے خاموشی سے دوپٹہ تہہ کرنے لگی تو وہ جاتے جاتے رک گیا۔

"میں مذاق کر رہا تھا لاؤ۔"

"تم کیا سمجھے میں اسے لپیٹ کر کسی کونے میں ڈال دوں گی۔ نہیں بغیر پیکو کے میں اسے ہی اوڑھوں گی۔ اور ساری محفل میں اگر دھانی رنگ نمایاں نہ ہو تو کہنا۔"

آخر میں اس نے جس انداز سے گردن ہلائی تھی وہ حیران رہ گیا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو جاؤ تمہیں کھانے والے کے پاس جانا ہے۔" اس نے یاد دلایا تو وہ سٹپٹا کر بھاگا تھا اور وہ ہنستے ہوئے تیاری میں لگ گئی۔

اسے اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ پھر بھی جانے کیوں کبھی کبھی یوں لگتا جیسے اس ساری کائنات میں وہ واحد حسین لڑکی ہے اور کبھی اس کے بالکل برعکس ہوتا کہ وہ خود کو انتہائی بدصورت لگتی۔ لیکن اس وقت اتفاق سے حسین ہونے کا احساس تھا جب ہی مہمانوں کے درمیان بہت پراعتماد تھی اور اس وقت تو اس نے ذرا سی گردن بھی اکڑائی تھی جب کسی کو یہ کہتے سنا تھا کہ "یہ دلہن کی بڑی بہن ہے۔ اس کے ساتھ شادی کیوں نہیں کی۔"

"ہاں یہ زیادہ خوب صورت ہے ناں اس نے خود ریجیکٹ کر دیا ہوگا۔"

"کاش کبھی ایسا ہو۔" وہ سوچتے ہوئے آگے بڑھی تھی کہ شانی سامنے آگیا اور سرگوشی میں بولا۔

"خدا کے لئے، کسی کونے میں بیٹھ جاؤ ادھر سب لوگ پوچھ رہے ہیں یہ کالی سی لڑکی کون ہے۔"

"اچھا......!" وہ بجائے برا ماننے کے ہنس پڑی۔

"تم مذاق سمجھ رہی ہو۔" وہ جھنجلایا۔

"نہیں، یقیناً تم ٹھیک کہہ رہے ہو گے لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں اور تم بھی پرواہ مت کرو۔ ویسے بھی تمہیں تو کچھ نہیں کہہ رہے۔"

"مجھے کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔" شانی نے اپنا کالر چھو کر اپنی ہینڈسم پرسنالٹی کو جتایا تو یکدم اسے اپنی کم صورتی کا احساس ہوا۔ بے اختیار دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھونے لگی۔

"کیا ہوا کچھ گر گیا ہے کیا آئی مین جیولری۔" شانی نے یہی سمجھ کر پوچھا۔

"ہاں شاید۔" وہ کہہ کر تیزی سے پلٹی اور شامیانے سے نکل کر بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں بند ہوگئی۔ چند لمحے رک کر سانسیں ہموار کیں پھر آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا ہے مجھے۔ سب کچھ ویسا ہی تو ہے۔ نہ بال خراب ہوئے نہ میک اپ پھر ایسا کیوں لگا جیسے میری شکل بگڑ گئی ہو۔"

اس نے ہر طرح سے خود کو دیکھا اطمینان کیا لیکن پھر بھی وہ اعتماد بحال نہیں ہوا، تب رگڑ رگڑ کر چہرہ دھو ڈالا۔ اس کے بعد دوبارہ شامیانے میں آئی اور خاموشی سے ایک کونے میں بیٹھ کر سٹیج پر دلہا دلہن کو دیکھنے لگی۔

کل تک دونوں انجانے تھے۔ نکاح کے دو بولوں نے پل میں صدیوں کی آشنائی بخش دی تھی۔ عدیل سرگوشی میں کچھ کہہ رہا تھا۔ شرمین سمٹی جا رہی تھی۔ وہ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کھو سی گئی۔ معاً اپنے چہرے پر کسی کی نظروں کی تپش محسوس کر کے وہ چونکی ضرور لیکن ادھر اُدھر دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے اٹھ کر اماں کے پاس آ گئی۔

"کہاں چلی گئی تھیں؟" اماں نے اسے دیکھتے ہی پوچھا اور اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی نرمین اس کے پاس بھاگی آئی۔

"آپی! چلیں نا مووی بنوالیں۔" پھر اس کا چہرہ دیکھ کر چیخی۔

"آپ نے میک اپ کیوں اتار دیا۔"

"بس الجھن ہو رہی تھی۔" اس نے ہمیشہ والا جواب دیا۔

"آپ بھی عجیب ہیں۔ اتنی پیاری لگ رہی تھیں۔"

بس اب بیٹھی رہیں یہیں کوئی ضرورت نہیں مووی بنوانے کی۔ نرمین جھنجلاتے ہوئے واپس بھاگ گئی تو وہ ہنس کر اماں کو دیکھنے لگی۔

"کیوں اماں! میک اپ کے بغیر میں اچھی نہیں لگتی۔" اماں جواب دینے کے بجائے دوسری کسی خاتون کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

وہ کچھ دیر جزبز ہوتی رہی پھر اٹھ کر سٹیج پر آ گئی اور مووی کیمروں کی تیز روشنیوں کی زد میں آ کر وہ پھر خود کو حسین لگنے لگی اور اس احساس نے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹوں کی کلیاں چٹخا دی تھیں۔

شرمین رخصت ہوئی تو سارا ماحول سونا ہو گیا تھا۔ اماں نرمین کے ساتھ اندر جا رہی تھیں۔ ابا گیٹ پر شانی کے ساتھ کھڑے اسے کچھ ہدایات دے رہے تھے اور وہ شامیانے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ بالکل خالی الذہن۔ کوئی سوچ نہیں تھی پھر جانے کیا شے احساسات کو نرمی سے چھو کر اس کے دل کو عجب انداز سے دھڑکا گئی تھی کہ وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ نصف شب کے بعد کی سرسراتی ہوا بجا بجا بکھری گلاب کی پتیوں سے اٹھکیلیاں کرتی پھر رہی تھی۔ وہ پورا دھیان لگا کر پتیوں کی سرگوشیاں سننے کی کوشش کرنے لگی، تب ہی شانی اس کے سر پر آن کھڑا ہوا۔

"تم یہاں کیوں بیٹھی ہو......؟"

"تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" وہ سر اونچا کر کے اسے دیکھنے لگی۔

"توبہ کرو میں کون ہوتا ہوں اعتراض کرنے والا۔ وہ ابا پوچھ رہے ہیں۔"

"ابا۔" اس نے گردن موڑ کر گیٹ کی طرف دیکھا ابا اندر جا رہے تھے پھر اسے دیکھ کر بولی۔ "جاؤ کہہ دو ابا سے میرا ابھی یہاں سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا۔"

"تو مت اٹھو میں بھی یہیں بیٹھ جاتا ہوں پہرے کو۔"

آخری دو الفاظ اس نے بیٹھتے ہوئے دھیرے سے کہے تھے پھر بھی اس نے سن لئے لیکن قصداً ان سنی کر گئی کیونکہ اس وقت خاموشی اور سناٹے میں ہوا کی سرسراہٹیں اچھی لگ رہی تھیں۔ بڑا خواب ناک ماحول تھا ننھے قمقموں کا رنگین عکس اس کے چہرے اور کپڑوں پر جھلملا رہا تھا۔ وہ کرسی کی بیک پر بازو رکھ کر اس پہ ٹھوڑی ٹکائے بیٹھی تھی۔ شانی اس پر سے نظریں ہٹانے کی سعی میں ناکام ہو رہا تھا۔ جبکہ وہ اس کی موجودگی کو یکسر نظر انداز کئے اچانک جانے کس احساس میں گھر کر گنگنانے لگی۔

"اے دل ناداں!۔"
"جستجو کیا ہے آرزو کیا۔"
اے دل ناداں
یہ زمین چپ ہے
آسماں چپ ہے
پھر یہ دھڑکن سی
چار سو کیا ہے
اے دل ناداں!

اے دل ناداں!

شانی مبہوت ہو گیا تھا وہ اے دل ناداں کی تکرار کرتے کرتے خاموش ہو گئی پھر بھی سماعتیں کچھ اور سننے سے قاصر تھیں۔ غالباً فضا نے اس کی لے چرا کر ہواؤں میں بکھیر دی تھی۔

''سوہنی!'' کتنی دیر بعد شانی نے بہت احتیاط سے اسے پکارا تو وہ بنا حرکت کئے نظروں کا زاویہ بدل کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیا سوچ رہی ہو......؟''

''کچھ نہیں۔''

''ایک بات پوچھوں......؟''

''ہوں......!'' دونوں طرف حد درجہ احتیاط کہ بات بھی ہو اور خاموشی بھی نہ ٹوٹے۔

''کیا تمہیں یہ احساس ہو رہا ہے کہ شرمین سے پہلے تمہاری شادی ہونی چاہئے تھی؟''

''نہیں۔'' اس کے ایک لفظ نہیں میں یقین نہیں تھا جب ہی وہ الجھ گیا۔

''کیوں نہیں میرا مطلب ہے ہونا تو چاہئے۔ یہ ایک فطری بات ہے۔''

''ہاں ہے تو فطری بات لیکن مجھے کچھ محسوس نہیں ہو رہا۔''

''پھر اس وقت تم کیا محسوس کر رہی ہو؟ مجھے لگ رہا ہے کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس نے تمہارے احساسات کو چھو کر تمہیں اپنی گرفت میں لے لیا ہے اور تم اس گرفت سے آزاد نہیں ہونا چاہ رہیں۔'' شانی نے پوچھ کر اپنا خیال بھی ظاہر کیا تو وہ ہلکے سے مسکرائی۔ پھر اسے دیکھ کر کہنے لگی۔

''ہاں شانی! ایسا ہی ہے۔ میں جب یہاں بیٹھی تھی، جب وہاں کھڑی تھی اور جب سٹیج پر تیز روشنیوں کی زد میں تھی تو کوئی مسلسل مجھے اپنی نظروں کے حصار میں لئے ہوئے تھا۔''

''کون......؟'' شانی کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔

''پتا نہیں۔'' میں نے اسے دیکھنے اسے کھوجنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید میں اس حصار سے نکلنا نہیں چاہتی تھی اور شاید میں اس کا طلسم بھی نہیں توڑنا چاہتی تھی۔ وہ کھو گئی تھی اچانک شانی کے ہنسنے پر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا......؟''

''بس اب تم بھی اپنا بوریا بستر سمیٹ لو بلکہ میں ابا سے کہتا ہوں یہ شامیانے لگے رہنے دیں ہو سکتا ہے کل پرسوں تمہاری بارات آ جائے۔'' شانی نے چھیڑا تو اس نے بس نفی میں سر ہلا دیا۔ بولی کچھ نہیں پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''جا رہی ہو؟'' شانی نے فوراً پوچھا۔

''ہاں۔ اس سے پہلے کہ خوب صورتیاں ماند پڑ جائیں۔'' اس نے چند ثانیے رک کر اپنی بات کو سوچا پھر پوچھنے لگی۔ ''خوب صورتیاں ہمیشہ کیوں نہیں رہتیں؟''

''رہ سکتی ہیں۔'' شانی نے یونہی کہہ دیا تھا۔

''کیسے......؟'' وہ جاننے کو بے تاب ہوئی۔

یہ راز اگر میں جان گیا تو پہلے خود اس پر عمل کروں گا پھر تمہیں بھی بتا دوں گا۔ شانی کہہ کر خود ہی ہنسا تو وہ سر جھٹک کر اندر چلی گئی۔

☆

شرمین کی شادی کو ابھی ایک ہفتہ ہی ہوا تھا کہ اس کی سسرال کے جاننے والوں میں سے اس کے لئے پرپوزل آ گیا۔ شرمین نے فون پر اماں کو اطلاع دی تھی کہ عدیل کے کوئی جاننے والے سوہنی کے لئے آنا چاہتے ہیں اور جب اماں اسے بتا رہی تھیں تو ایک طویل عرصے بعد اس کا دل بے قابو ہوا تھا۔ کیونکہ ابھی تک وہ انجانی نظروں کے حصار سے نکلی نہیں تھی اور پہلا خیال ہی آیا تھا کہ یہ وہی ہو سکتا ہے۔ جو دل کو چھو کر اب گھر تک آ رہا ہے اور اس کے لئے تیاری میں خاص اہتمام کی اس نے ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ اس کے خیال میں پسند تو وہ پہلے ہی کر چکی تھی۔ اس لئے شام میں اپنے سادہ سے انداز میں وہ چائے کی ٹرے لئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو اسے دیکھتے ہی ایک خاتون اماں سے پوچھنے لگیں۔

''یہ کون ہے؟''

''سوہنی میری بیٹی!'' اماں نے انہیں بتایا تھا لیکن اسے لگا جیسے اماں اسے تسلی دے رہی ہوں۔ ''سوہنی! میری بیٹی! تو دل چھوٹا نہ کر۔''

''میرے خدا......!'' وہ ایک پل وہاں نہیں ٹھہر سکی۔ ٹرے ٹیبل پر رکھی اور پلٹ کر تیز قدموں سے اپنے کمرے میں آئی تو اس کی آنکھیں دھندلا رہی تھیں اور ایسا بھی ایک طویل عرصے بعد ہو رہا تھا۔ ورنہ تو وہ ان باتوں کی عادی ہو چکی تھی۔ احساسات کو نئی زندگی دے کر پھر انہیں مجروح کرنے والا جانے کون تھا اور وہ جو کوئی بھی تھا اس نے اچھا نہیں کیا تھا۔ وہ ٹوٹے کانچ سمیٹتے ہوئے اندر سے لہولہو رہی تھی۔ شفاف سمیٹتے ہوئے اندر سے لہولہو ہو رہی تھی۔ شفاف آنکھوں نے بھی سرخ لبادہ اوڑھ لیا تھا۔

''مے آئی کم ان۔'' دروازے میں شانی نمودار ہوا تو اس نے آواز کی سمت دیکھا ضرور

لیکن وہ اسے نظر نہیں آیا تھا۔

''ارے ......!'' شانی فوراً اندر چلا آیا۔ ''کیا ہوا تمہیں رو رہی ہو کیا۔ تمہاری آنکھیں...... دیکھو اب یہ مت کہہ دینا کہ بہت زیادہ خوشی ملنے سے بھی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔ یہ خوشی ملنے کی سرخی نہیں ہے۔ میں پہچاننے لگا ہوں، خوشی ملنے کی سرخی میں قوس قزح جھلکنے لگتی ہے اور، اور......''

''بس چپ ہو جاؤ۔'' وہ اچانک چیخ پڑی۔ ''میں خوشی مناؤں یا ماتم کروں تمہیں کیا۔ تم اپنی حد میں رہا کرو۔''

''حد، اگر تم مجھے میری حد بتا دو تو......؟'' وہ ہاتھ باندھ کر بولا جس سے سلگ کر وہ رخ موڑ کر کہنے لگی۔

''اماں نے تمہیں بہت ڈھیل دے رکھی ہے۔ تم ان ہی کے آگے پیچھے پھرا کرو اور آئندہ میرے کمرے میں مت آنا۔ اب تم جا سکتے ہو۔''

''اور وہ میری انگریزی۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''بھاڑ میں گئی انگریزی ناؤ گیٹ لاسٹ......'' وہ زور سے چیخی تو وہ کان پکڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تھا۔

پھر اگلے دو دن وہ اپنے کمرے تک محدود رہی اماں کیونکہ خود ہی اس کے معاملے میں بے بس تھیں، اس لئے اس کا سامنا کرنے سے کتراتی تھیں۔ گو کہ وہ کسی کو الزام نہیں دیتی تھی لیکن اس کا بجھا بجھا چہرہ اماں سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔ جب وہ خود ہی نارمل ہو کر سامنے آجاتی تب اسے گلے بھی لگا لیتی تھیں اور گھر میں نرمین بھی تھی لیکن وہ اپنی پڑھائی میں مگن رہتی تھی یوں بھی سب سے چھوٹی تھی اس لئے اس کے سامنے کوئی معاملہ کھولا ہی نہیں جاتا تھا۔ بہرحال اس وقت فون کی بیل اسے بہت ڈسٹرب کر رہی تھی۔ نرمین اور اماں جانے کہاں تھیں جو انہیں بیل سنائی نہیں دے رہی تھی۔ جبکہ دوسری طرف کوئی مستقل مزاج تھا یا بالکل فارغ...... بالآخر اسے ہی اٹھنا پڑا، خاصے جارحانہ انداز میں ریسیور اٹھا کر ایسے ہی لہجے میں ہیلو کہا تو دوسری طرف سے اس کے بالکل برعکس ٹھہرے ہوئے گھمبیر لہجے میں کہا گیا۔

''السلام علیکم!۔''

''وعلیکم السلام۔'' جواب دیتے ہوئے وہ سوچ اور کھوج میں پڑ گئی۔

''آپ سوہنی ہیں......؟'' ادھر سے پوچھا گیا۔

''جی آپ کون......؟'' وہ الجھنے لگی۔

''آپ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے تو میں خود کو بھول گیا ہوں۔ ویسے خاکسار کو یزدانی کہتے ہیں اور میں نے عدیل کی شادی میں آپ کو دیکھا تھا۔ دھانی آنچل میں آپ دھنک کے سارے رنگوں کو مات دیتی لگ رہی تھیں۔''

اس کا ٹھہرا ہوا انداز اس کے اندر ہلچل مچانے لگا تھا کہ یک لخت اسے دو دن پہلے کا پرپوزل یاد آ گیا۔ چیخ کر بولی۔

''اب آپ کیا چاہتے ہیں---؟''

''اب---!'' وہ حیران ہوا۔ ''کیا اس سے پہلے بھی میں نے کچھ چاہا ہے؟''

''اتنی جلدی بھول گئے۔ ابھی دو دن پہلے تو آپ کے گھر سے دو خواتین آئی تھیں۔'' اس کے یاد دلانے پر وہ مزید حیران ہوا۔

''میرے گھر سے سوری میں نے تو ابھی اپنے گھر میں آپ کا ذکر ہی نہیں کیا۔ کیونکہ میں پہلے خود آپ کو کھوجنا چاہتا تھا اور آج بڑی مشکل سے آپ کا نمبر حاصل کر پایا ہوں۔''

''پھر---'' وہ اب اپنی جلد بازی پر خفیف ہوئی تھی۔

''پھر یہ کہ اب آپ کہیں تو میں اپنے گھر والوں کو بھیج دوں۔'' اس نے کہا تو وہ جز بز ہو کر بولی۔

''جی نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کیوں آپ کہیں انگیج ہیں؟'' اس نے فوراً پوچھا۔

''میں انگیج ہوں یا نہیں۔ آپ کو بہرحال میں منع کر رہی ہوں۔'' وہ تلخ تجربے کے زیر اثر تھی۔

''کوئی وجہ بھی تو ہو---''

''میں آپ کو بتانا ضروری نہیں سمجھتی، خدا حافظ وہ فون رکھتے ہی پشیمانی میں گھر گئی تھی۔''

''یہ میں نے کیا کیا؟'' یہ تو وہی تھا جس کی نظروں کے حصار میں میں نے خود کو بے پناہ حسین محسوس کیا تھا اور صرف محسوس کرنے کی بات نہیں تھی۔ میں سچ مچ۔

اس وقت کائنات کی سب سے حسین لڑکی تھی۔ جس کے دھانی آنچل پر دھنک کے سارے رنگ نثار ہو رہے تھے۔

''اب کیا کروں؟'' وہ جھنجلائی، پھر سی ایل آئی پر نمبر دیکھ کر فوراً اپنے موبائل میں سیف کرنے بھاگی تھی۔

☆

اس نے یزدانی کا نمبر محفوظ تو کر لیا تھا لیکن خود سے اسے فون کرنے میں اپنی پوزیشن اکورڈ ہونے کے خیال سے وہ روزانہ اس کا نمبر دیکھ کر رہ جاتی جو کہ اسے ازبر ہو چکا تھا اور اس کے فون کی شدت سے منتظر تھی پتا نہیں وہ اس کے جواب سے بالکل مایوس ہو گیا تھا یا اس کا صبر آزما رہا تھا کہ ایک ہفتہ گزرنے کے بعد بھی دوبارہ فون نہیں کیا تھا۔ جبکہ اس کے کان فون کی بیل پر ہی لگے رہتے تھے۔ ابھی بھی اس نے بیل سن کر اپنے کمرے سے دوڑی تھی کہ ادھر سے آتے شانی سے بری طرح ٹکرا گئی فوراً پیچھے ہٹ کر اسے بے نقط سنانا چاہتی تھی لیکن شرمین اور عدیل کو آتے دیکھ کر فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے فون اٹھائے شانی کو ڈانٹے یا بہن بہنوئی کے استقبال کو بڑھے۔ انتہائی بوکھلاہٹ میں باری باری تینوں کو دیکھ رہی تھی۔ تب شرمین خود ہی آ کر اس کے گلے لگ گئی۔

"کیسی ہو بڑے دنوں بعد آئیں۔" اس نے شکوہ کیا اور جواب کا انتظار کئے بغیر عدیل کی طرف متوجہ ہو کر اسے سلام کیا تو جواب میں اس نے صرف سر ہلایا جو اسے بہت ناگوار گزرا۔

"اماں ہیں؟" شرمین نے اس کے تیور بھانپ لئے تو فوراً اپنی طرف متوجہ کر لیا کہ کہیں وہ عدیل کو دیکھ کر نہ کھڑی ہو جائے۔

"اندر میں چلی جاؤں۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور وہیں سے شانی کو پکارا تو وہ دروازے سے جھانک کر پوچھنے لگا۔

"کیا بات ہے؟"

"اندر آؤ وہاں سے کیا جھانک رہے ہو۔" اس نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"سوری! اس دن تم نے اپنے کمرے میں آنے سے منع کیا تھا۔"

"میں نے منع کیا تھا نا اور میں ہی بلا رہی ہوں فوراً آؤ۔" اس نے مزید غصہ دکھایا تو وہ خائف ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے اندر آ گیا۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے۔ لیکن ابھی تو شرمین آ گئی ہے، کل فرصت سے آنا۔" اس نے کہا تو وہ ایک دم اکڑ گیا۔

"اب میرے پاس فرصت کہاں، میرے امتحان ہونے والے ہیں۔"

"اچھا جاؤ امتحانوں کے بعد آنا۔" وہ اسے دھکیل کر کچن میں آ گئی اور چائے کا پانی رکھ کر کیبنٹ سے نمکو بسکٹ وغیرہ نکال رہی تھی کہ شرمین وہیں آ گئی۔

"کیا کر رہی ہو؟"

"ابھی تو چائے پھر کھانے کی تیاری کروں گی۔" وہ پلیٹ میں نمکو ڈالتے ہوئے بولی۔

"ہمارے لئے اہتمام نہ کرنا۔ ہم ابھی چلے جائیں گے۔" شرمین نے کہا تو وہ ہاتھ روک کر کہنے لگی۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ مہمانوں کی طرح گھنٹے بھر کے لئے آئی ہو، آج تو میں تمہیں جانے ہی نہیں دوں گی۔ یہیں رہنا دو چار دن۔"

"ارے نہیں میں رہ نہیں سکتی۔" شرمین فوراً بولی تھی۔

"کیوں......؟"

"بس وہ عدیل ...... میرا مطلب ہے وہ میرے بغیر نہیں رہتے۔" شرمین اگر یہ بات شرما کر کہتی تو وہ محظوظ ہوتی لیکن اس کے گھبرائے انداز پر ٹھٹکی تھی۔

"پہلے بھی تو وہ تمہارے بغیر رہتا تھا۔ میں بات کرتی ہوں اس سے۔" وہ کہہ کر جانے لگی کہ شرمین نے اس کا بازو تھام لیا۔

"نہیں سوہنی! تم اس سے بات نہ کرو۔"

"تو پھر تم بتاؤ اصل بات کیا ہے؟" وہ جاننے پر مصر ہو گئی تو شرمین نظریں چرا کر کہنے لگی۔

"عدیل کو شانی کا یہاں آنا جانا پسند نہیں ہے۔ کہتے ہیں تمہارے گھر کا ماحول اچھا نہیں ہے۔ جس کا دل چاہتا ہے منہ اٹھائے چلا آتا ہے۔ اس لئے وہ مجھے یہاں زیادہ دیر رکنے نہیں دیتے۔"

"ہاں......!" اس نے گہری سانس کھینچی۔ "تو یہ ذہنیت ہے عدیل کی تمہارا شوہر نہ ہوتا تو ابھی منہ توڑ دیتی۔ چہ چہ، اب تو بندہ اس کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتا۔ خیر تم اس بات کو زیادہ محسوس مت کرو، آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ پھر اسے تسلی بھی دینے لگی۔

"ہاں میں بھی اسی لئے یہاں آنے پر زیادہ اصرار نہیں کرتی لیکن دیکھو تم اماں سے کچھ مت کہنا خوامخواہ پریشان ہوں گی۔"

"ابھی تو تم پریشان ہو رہی ہو۔ چلو یہ چائے لے جاؤ۔" اس نے ٹرے اٹھا کر شرمین کو تھما دی۔

"کیوں تم نہیں آ رہیں؟"

"مجھے یہیں رہنے دو، ورنہ عدیل کے سامنے میرے منہ سے کچھ نکل گیا تو تمہیں مشکل ہو گی۔" اس کی بات سنتے ہی شرمین فوراً کچن سے نکل گئی تب وہ اس پر کڑھنے لگی تھی اور پھر اس کے جانے کے بعد ہی کچن سے نکل کر آئی تو اماں اس پر بگڑ گئیں۔

"یہ کیا طریقہ ہے؟ آ کر بہن بہنوئی کے پاس نہیں بیٹھ سکتی تھیں کیا سوچے گا عدیل کہ اس کا دو گھڑی کا آنا تمہیں اچھا نہیں لگتا۔ گھر جا کر شرمین پر تو ضرور جتائے گا۔"

اس نے ساری باتیں خاموشی سے سن لیں۔ ایک لفظ نہیں بولی تب اماں بڑبڑاتے ہوئے اندر چلی گئیں۔

"یہ مائیں بھی کسی بے ایمان دکاندار کے ترازو کی طرح ہوتی ہیں۔ دونوں پلڑے برابر نہیں رہتے کبھی ادھر جھکاؤ تو کبھی ادھر۔" آزردگی سے سوچتے ہوئے اپنے کمرے میں آئی تھی کہ فون کی بیل پر فوراً واپس پلٹ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو......!"

"السلام علیکم!" یزدانی تھا۔

"آپ......!" دھڑکنوں کے شور سے پریشان ہو کر وہ اس قدر کہہ سکی۔

"سوری میں نے بہت روکا خود کو لیکن میں رہ نہ سکا۔"

"آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا؟" وہ طریقہ سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔" وہ بے اختیار ہو گئی تھی۔

"تھینک یو، اس کا مطلب ہے میں آپ کو فون کر سکتا ہوں۔"

"ہاں لیکن روزانہ نہیں۔" وہ سنبھل کر بولی تھی۔

"جیسے آپ کہیں گی ویسے آپ کو انتظار تھا۔ آئی مین میرے فون کا، اس کا خوب صورت لہجہ ہرگز بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا اور سچ بول کر وہ خود کو ہلکا بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

"تھا بھی اور نہیں بھی۔"

"ارے یہ کیا بات ہوئی۔" وہ ذرا سا ہنسا تھا۔

"آپ جو بھی سمجھیں۔"

"چلیں پھر میں سمجھنے کے بعد فون کروں گا۔ ایک منٹ اگر آپ کا سیل نمبر ہو تو۔"

"جی......!" اس نے اپنا سیل نمبر لکھوا کر فون رکھ دیا اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر اندر سے پھوٹنے والی کھلکھلاہٹیں روکتے ہوئے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

☆

اس نے شانی کو ہم راز بنانے کا سوچ کر اسے بلایا تھا اور جب وہ سامنے آ کھڑا ہوا تو پھر شش و پنج میں پڑ گئی۔ کبھی اسے دیکھتی کبھی خود سے الجھنے لگتی۔

"تمہیں پریشانی کیا ہے؟" آخر شانی نے ٹوک دیا۔

"وہی تو بتانا چاہتی ہوں لیکن......"

"لیکن ویکن چھوڑو بس بتا ڈالو۔ اگر راز داری بات ہے تب بھی پہلے وعدہ کر لیتا ہوں کہ کسی سے نہیں کہوں گا۔" وہ کہتے ہوئے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا پھر اس پر نظریں جما کر بولا۔ "چلو شروع ہو جاؤ۔"

"کیا شروع ہو جاؤں کوئی لمبی چوڑی داستان نہیں ہے۔ بس اتنی سی بات ہے کہ یزدانی کا فون آیا تھا۔" وہ اسی کے انداز میں جلدی جلدی بول کر آخر میں نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا گئی۔ جبکہ وہ اچھل پڑا تھا۔

"ہیں...... یہ یزدانی کون ہے؟"

"وہی نا......!" وہ آواز دبا کر کہنے لگی۔ "وہ جو شرمین کی شادی میں، میں نے تمہیں بتایا تھا کہ مسلسل مجھے دیکھ رہا تھا۔"

"لیکن تم نے تو اسے نہیں دیکھا تھا۔" شانی نے فوراً یاد دلایا۔

"ہاں نہیں دیکھا تھا۔ ابھی بھی نہیں دیکھا۔" وہ جھنجلائی۔

"پھر تمہیں کیسے پتا چلا کہ اسی کا فون تھا؟"

"اس کی باتوں سے اور خود اس نے اعتراف بھی کیا ہے کہ عدیل کی شادی میں وہ سارا وقت مجھے دیکھتا رہا تھا۔"

"کیوں اسے اور کوئی بھی کام نہیں تھا۔" وہ جس قدر معصومیت سے بولا وہ اسی قدر سلگ گئی تھی۔

"دیکھو اگر تم مذاق کے موڈ میں ہو تو فوراً چلے جاؤ ورنہ میں تمہاری ہڈی پسلی ایک کر دوں گی۔"

"نہیں میں بہت سنجیدہ ہوں۔" وہ ایک دم سیدھا ہو گیا۔ "اور یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اب تم کیا چاہتی ہو؟"

"یہی تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس کے ساتھ کیا بی ہیو کروں۔ پہلی بار اس کا فون آیا تو میں تلخ ہو گئی تھی جس پر بعد میں پچھتاوا ہوا جب ہی دوسری بار......"

وہ خاموش ہو گئی۔

"کھل اٹھی ہو گی اور اپنے گزشتہ رویے کی معافی مانگ کر اسے مزید پیش رفت پر اکسایا ہو گا۔" شانی نے سنجیدگی سے اس کی بات پوری کی تو وہ جز بز ہو کر رہ گئی۔

''نہیں خیر معافی تو نہیں مانگی تھی۔''

''اچھا چلو اس بات کو چھوڑو اور یہ بتاؤ وہ تمہیں کیسا لگا؟''

''میں نے اسے دیکھا کہاں ہے۔''

''میں دیکھنے کے حوالے سے نہیں بات چیت کے حوالے سے پوچھ رہا ہوں چھچھورا تو نہیں ہے۔'' شانی کی وضاحت پر وہ یکلخت اس گھمبیر لہجے کے سحر میں کھو گئی۔

''نہیں شانی! آواز سے، لہجے سے باتوں سے وہ بہت سلجھا ہوا لگتا ہے اور پڑھا لکھا بھی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ مجھے دیکھ چکا ہے۔''

''یعنی اس کی طرف سے ریجیکٹ ہونے کا خوف نہیں رہا۔'' شانی نے اس کی آخری بات کو معنی پہنائے پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔ ''نہیں کوئی ضرورت نہیں کسی ایسے شخص سے ربط بڑھانے کی جسے تم نے دیکھا نہیں جانتیں نہیں پتا نہیں کون ہے کیسا ہے تمہارے قابل ہے بھی کہ نہیں۔''

''تو میں کس قابل ہوں؟'' وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

''کیوں کیا کمی ہے تم میں اول تو تمہاری صورت شکل کوئی ایسی گئی گزری نہیں ہے اور اگر ہوتی تب بھی اس میں تمہارا قصور نہ ہوتا کیونکہ صورت شکل اللہ کی دین ہے۔ انسان کی اصل خوب صورتی اس کے اندر ہوتی ہے۔ آئینہ دیکھنے کے بجائے اپنے اندر جھانکا کرو۔ اگر تمہارے دل کا آئینہ شفاف ہے تو پھر سمجھ لو کہ تم دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی ہو۔'' شانی نے اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا پھر بھی وہ مایوسی سے بولی۔

''میرے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔''

''ساری بات ہی خود کو سمجھنے کی ہے اور تم نے خود کو غیر اہم جان کر اپنے آپ کو اس بات پر آمادہ کرلیا ہے کہ جو ایرا غیرا نتھو خیرا تمہارا ہاتھ مانگے گا تم بخوشی تیار ہو جاؤ گی، چہ چہ ایسا تو جاہل گنوار لڑکیاں دیکھتی ہیں اور تم ایم اے پاس کیا، تمہارا کوئی خواب نہیں کوئی آئیڈیل نہیں۔''

''نہیں کیونکہ میں بہت کم عمری سے ریجیکٹ ہونے لگی تھی۔ پتا ہے جب میں ساتویں کلاس میں پڑھتی تھی، تب میں نے تائی جی کو کسی سے یہ کہتے سنا تھا کہ سوہنی تو واجبی شکل وصورت کی ہے۔ البتہ شرمین بڑی ہو کر بہت خوب صورت نکلے گی اور اسے میں اپنی بہو بناؤں گی۔ پھر بڑی چھوٹی خالہ بھی شرمین پر ہی مہربان رہیں۔ مجھے تو کسی نے کچھ سمجھا ہی نہیں۔ اس لئے میں خود اپنی نظروں میں بھی غیر اہم ہوتی گئی اور پھر خواب سجاتی بھی تو کس کے، کبھی کسی نے انجانے میں بھی

کوئی دل کو چھو لینے والی بات نہیں کہی تھی اور اب اچانک ایک شخص آیا ہے تو تم......''

وہ سر جھکا کر بول رہی تھی۔ پلکیں اٹھا کر شا کی نظروں سے شانی کو دیکھا تو وہ گڑ بڑا گیا۔

''سوری میرا مقصد تمہیں اس شخص سے بدظن کرنا نہیں ہے۔ میں تمہیں صرف یہ سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ پہلے تم اس کے بارے میں معلوم کرو۔ وہ کون ہے کیا کرتا ہے اور کہیں صرف وقت گزاری کے لئے تو تمہیں فون نہیں کر رہا جیسا کہ آج کل فارغ لوگوں کا مشغلہ ہے۔ میری بات سمجھ رہی ہونا؟''

اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بے اختیار اس کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی تھی۔

''مایوسی کی آہیں بھرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے تمہارے لئے ایک شہزادہ آئے گا۔ اونچا لمبا، ہینڈسم، بالکل میرے جیسا۔'' وہ پھر اپنے مخصوص موڈ میں آ گیا تو وہ سر جھٹک کر بولی۔

''اگر تمہارے جیسا ہوا تو اسے میں خود ریجیکٹ کر دوں گی۔''

''اچھی بات ہے۔ اب مجھے اجازت دو۔ چار دن بعد میرے امتحان شروع ہو رہے ہیں اور پلیز اس دوران مجھے ڈسٹرب مت کرنا، او کے خدا حافظ۔'' وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے چلا گیا۔

''عجیب پاگل لڑکا ہے۔ ویسے کہہ تو ٹھیک رہا تھا کہ پہلے مجھے معلوم کر لینا چاہئے یزدانی کون ہے کیا کرتا ہے۔ کہیں فلرٹ تو نہیں۔'' وہ شانی کی قائل ہو رہی تھی۔

''اس کی زندگی میں خوب صورت موڑ آ گیا تھا۔ دوپہر تک کے سارے کام خوشی خوشی نمٹاتی، پھر اپنا موبائل لے کر بیٹھ جاتی ٹھیک دو بجے یزدانی کا فون آجاتا اور وہ چھوٹتے ہی پوچھتا۔''

''انتظار کر رہی تھیں؟''

''ہاں......!'' وہ اب اعتراف کرتے ہوئے جھجکتی نہیں تھی۔

''مجھے یقین تھا پھر بھی جانے کیوں ڈر سا رہتا ہے۔''

یزدانی نے کہا تو وہ فوراً پوچھنے لگی۔

''کیسا ڈر؟''

''کہ پتا نہیں آپ میرا فون اٹینڈ کریں گی یا نہیں۔''

''اس کے خدشے پر وہ بے ساختہ مسکرائی۔''

''چلیں میں آپ کا یہ ڈر دور کر دیتی ہوں یعنی پہلے میں آپ کو مس بیل دے کر آپ کے یقین پر مہر ثبت کر دوں گی کہ میں آپ کے فون کا انتظار کر رہی ہوں۔''

"یہ ٹھیک ہے۔" وہ خوش ہو گیا۔ "اور ہاں اس مخصوص وقت کے علاوہ بھی آپ جب چاہیں مجھے بیل دے سکتی ہیں۔"

"ہاں رات بہت دیر تک مجھے نیند نہیں آئی تو میں یہی سوچتی رہی کہ آپ کو فون کروں۔" اس نے اعتراف کرلیا کہ وہ بھی یہی چاہ رہی تھی۔

"تو کرتیں نا میں خود آج کل نیند کو ترس رہا ہوں اور ایک بات کہوں۔"

"کہیے۔"

"میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ پلیز انکار مت کیجئے گا۔" اس نے کہہ کر منت بھی کی۔

"انکار تو نہیں کررہی لیکن سوچ کر بتاؤں گی۔" وہ ابھی بھی سوچ کر بولی تھی۔

"اچھی بات ہے......"

"خدا حافظ......!" وہ سیل دراز میں رکھ کر پلٹی دروازے میں شرمین کو دیکھ کر یونہی مسکرادی۔

"کس سے بات کررہی تھیں؟" شرمین نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔

"ایک دوست ہے تم کب آئیں؟" اس نے سرسری انداز اختیار کیا۔

"کچھ دیر ہوئی اماں کے پاس بیٹھی تھی۔ عدیل بھی وہیں ہیں، چلو اماں تمہیں بلارہی ہیں۔"

"ہاں چلو پچھلی بار اماں ڈانٹ رہی تھیں کہ میں بہن بہنوئی کے پاس کیوں نہیں بیٹھی، ویسے آج تم لوگ اس وقت کیسے آگئے میرا مطلب ہے ابھی دوپہر بھی نہیں ڈھلی۔" وہ چلتے چلتے رک کر پوچھنے لگی۔

"وہ عدیل اتفاق سے دوپہر کے کھانے پر گھر آگئے تھے۔ پھر واپس جانے لگے تو میں نے کہا مجھے اماں کے گھر چھوڑ دیں۔" شرمین نے بتایا تو اس نے حیرت اور خوشی کا اظہار کیا۔

"ارے یہ تو اچھی بات ہے۔ مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔"

"کرلینا پہلے عدیل سے تو ہیلو ہائے کرلو——" شرمین نے اسے دھکیلا اماں کے کمرے میں عدیل جانے کو تیار کھڑا تھا۔ اس نے سلام کیا اور بیٹھنے کو کہا تو وہ ٹائم دیکھ کر بولا۔

"ابھی آفس جانا ہے۔ پھر شام میں آؤں گا۔"

"آتے ہی جانے کی جلدی مت مچانا۔ رات کا کھانا کھا کر جانا اور تمہیں جو پسند ہو وہی بتادو۔ میں بنادوں گی۔" اس نے کہا تو اماں اس کی تاکید کرنے لگیں۔

"ہاں بیٹا! تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔"

"نہیں بس جو آپ بنائیں گی کھالوں گا اچھا شرمین۔"

آخر میں وہ شرمین کو جانے کا اشارہ دے کر چلا گیا تو اماں کو اسی وقت سے رات کے کھانے کی فکر ہوگئی۔

"آپ سامان منگوالیں میں پکادوں گی چلو شرمین!۔"

وہ اماں سے کہہ کر شرمین کو کھینچتے ہوئے دوبارہ کمرے میں آگئی اور اسے اپنے ساتھ بٹھا کر پوچھنے لگی۔

"تمہارے سسرال میں یزدانی کون ہے؟"

"یزدانی!" شرمین سوچ میں پڑ گئی۔ پھر اسے دیکھ کر نفی میں سر ہلایا تو وہ زور دے کر بولی۔

"بھئی تمہاری شادی میں آیا تھا بارات کے ساتھ۔ عدیل کا کوئی ننھیالی ددھیالی کزن یا اس کا کوئی دوست۔"

"کزنز میں تو کوئی نہیں ہے۔ دوستوں میں ہو تو مجھے نہیں پتا آخر بات کیا ہے؟" شرمین نے الجھ کر پوچھا۔

"بات یہ ہے کہ تمہاری شادی میں یزدانی نے مجھے دیکھا تو اور اس کے بعد سے......"

اس نے ساری تفصیل بتاڈالی تو شرمین پھر سے سوچنے لگی۔

"تم عدیل سے معلوم کرو ہوسکتا ہے اس کا کوئی دوست ہو بلکہ یہ تو میں یزدانی سے بھی پوچھ سکتی ہوں۔"

تم عدیل سے اس کا پورا بائیو ڈیٹا معلوم کرو اور یہ کہ دیکھنے میں وہ کیسا ہے؟ اس نے کہا تو شرمین معذرت کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"سوری...... میں عدیل سے اس سلسلے میں بات نہیں کرسکتی۔ کیونکہ پہلے تو وہ مجھ سے پوچھیں گے کہ تم یزدانی کو کیسے جانتی ہو اور میں لاکھ قسمیں کھاؤں تب بھی وہ یقین نہیں کریں گے۔"

"یار! ایسا بے اعتبار بندہ ہے۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔

"اب ہے تو کیا کروں اس کی ماں بہنیں تک اس کی اس عادت سے پریشان رہتی ہیں۔ ہر بات کی ٹوہ کون آیا کون گیا۔ پتا۔ ابھی جب میں یہاں سے جاؤں گی تو ایک ایک بات کرید کر پوچھیں گے۔"

"توبہ زہر لگتے ہیں مجھے ایسے مرد۔" وہ بے اختیار بولی لیکن جب شرمین کا چہرہ دیکھا تو

نادم سی ہوگئی۔ ''سوری، میں عدیل کو کچھ نہیں کہہ رہی۔ ویسے بھی اور معاملات میں تو وہ بہت اچھا ہے۔تم سے محبت کرتا ہے اور یہی بات ہے محبت ہی میں شک زیادہ ہوتا ہے۔''

''اچھا اب تم مجھے بہلاؤ مت۔ میں خوب سب سمجھتی ہوں۔'' شرمین کے ٹوکنے پر وہ ہنس پڑی تب ہی شانی دروازے سے جھانک کر بولا۔

''بڑے دانت نکل رہے ہیں۔''

''تمہارے امتحان ہوگئے۔'' اس نے فوراً پوچھا۔

''ہاں، آج میں آزاد ہوگیا ہوں۔'' وہ جیسے ہی اندر آیا شرمین اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ارے تم بھی آئی ہو کیسی ہو اور تمہارے میاں صاحب کہاں ہیں؟'' وہ شرمین سے مخاطب تھا لیکن وہ سونی کو دیکھتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

''ہیں! اسے کیا ہوا ناراض ہے کیا، لیکن میں نے کیا ہے میں تو جب سے اس کی شادی ہوئی ہے۔''

''اوفوہ! تم خاموش نہیں رہ سکتے۔'' وہ جھنجلا گئی۔

''اب میں تو سمجھا تھا میری اتنے دنوں کی غیر حاضری سے تم پریشان ہوگئی ہو۔ بات کرنے کو ترس رہی ہوگی جب ہی میں پیپر ختم ہوتے ہی سیدھا یہاں چلا آیا۔ کیونکہ مجھے احساس تھا کہ......''

''خدا کے لئے شانی! ابھی تم جاؤ کل آنا۔'' وہ اسے دھکیلتے ہوئے دروازے تک لے گئی تھی اور ایسا اس نے شرمین کی وجہ سے کیا تھا۔ ورنہ وہ خود واقعی اس کی منتظر تھی۔ ایک تو اس کے آنے جانے سے گھر میں کچھ ہلچل کا احساس ہوتا تھا۔ دوسرے وہ اس کے ساتھ یزدانی کی باتیں کرنا چاہتی تھی۔ شرمین نے تو صاف جواب دے دیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں عدیل سے کچھ معلوم نہیں کرسکتی تو اب اسے شانی ہی سے مدد لینا تھی۔ جب ہی اگلے دن جب وہ آیا تو پہلے اس کے لئے چائے بنا کر لے آئی جس پر وہ فوراً ٹھٹک کر بولا۔

''کام بتاؤ......''

''کیا کام......'' وہ اچھلی تھی۔

''جس کے لئے پہلے چائے پلائی جارہی ہے۔'' اس کے مشکوک انداز پر وہ اندر سے سلگ گئی۔

''سنو کسی خوش فہمی میں مت رہو میں نے خاص تمہارے لئے چائے نہیں بنائی خود پینے کا

موڈ تھا تو تمہیں بھی دے دی۔''

''شکریہ نوازش مہربانی!'' اس نے چائے کا بڑا سا گھونٹ بھرا۔ ''کچھ کڑوی کڑوی لگ رہی ہے۔''

''کیونکہ میں نے بنائی ہے۔'' وہ جل کر بولی۔

''پھر تو نمکین ہونی چاہئے تھی۔'' وہ مسکرایا پھر بقیہ چائے حلق میں انڈیل کر پوچھنے لگا۔

''اور کتنے رشتے آئے؟''

''اب تو ایک ہی آئے گا اور وہ آخری ہوگا۔'' وہ اب اسے چڑا کر مسکرائی تھی۔

''کون......؟''

''یزدانی......!''

''ارے ہاں اسے تو میں بھول ہی گیا تھا کہاں تک بات پہنچی؟'' وہ فوراً مشتاق ہوگیا۔

''وہ سیریس ہے شانی!'' وہ سارا جھگڑا بھول کر بتانے لگی۔ ''روزانہ بات ہوتی ہے اور اب تو وہ ملنے پر اصرار کررہا ہے۔تم بتاؤ ملنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے؟''

''کوئی حرج نہیں، تم ماشاءاللہ پڑھی لکھی باشعور لڑکی ہو۔تم سے کسی حماقت کا خدشہ نہیں ہوسکتا۔''

وہ معصومیت سے بولا اور وہ پھر بدک گئی۔

''حماقت سے تمہارا کیا مطلب ہے؟''

''مطلب وطلب چھوڑو یہ بتاؤ کب کہاں ملنا ہے۔''

وہ فوراً اسے اصل بات پر لے آیا۔

''یہ ابھی طے نہیں ہوا بلکہ ابھی میں نے ملنے کی ہامی بھری ہی نہیں ہے۔''

''کیوں میرا مطلب ہے اب تو بازی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ پسند آئے تو ٹھیک ورنہ ریجیکٹ کرکے آجانا۔'' اس کی بات پر وہ کچھ بے دھیانی میں اسے دیکھنے لگی۔

''ایسے کیوں دیکھ رہی ہو۔ میں نے کچھ غلط کہا؟''

شانی نے ٹوکا تو وہ نظریں چرا گئی۔

''نہیں۔''

''پھر کیا مسئلہ ہے؟'' وہ اس کے نظریں چرانے سے الجھا تھا۔

''وہی پرانا لیکن اب ریجیکٹ ہونے کا نہیں۔ ریجیکٹ کرنے کا خوف ہے۔'' وہ اپنی

صاف گوئی سے حیران تھی۔

''اس کا مطلب ہے تم نے اپنے ذہن میں اس کا خاکہ بنا لیا ہے۔'' وہ سوچ میں پڑ گیا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔ ''کیسا ہے یونانی دیوتاؤں جیسا؟''

''نہیں ایسا تو کوئی بت نہیں تراشا میں نے بس ٹھیک ٹھاک نہ بہت حسین نہ کم رو۔'' وہ کھولتے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

''نہ بہت حسین نہ کم رو یعنی مجھ جیسا۔'' شانی نے سینے پر بازو لپیٹ کر کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔ پھر دل ہی دل میں اس کی وجاہت کی معترف ہو کر اسی صاف گوئی سے بولی تھی۔

''نہیں تم سے کم۔''

''اور اگر وہ مجھ سے زیادہ یا مجھ جیسا ہوا تو......؟''

''تو سوچنا پڑے گا۔'' وہ قصداً مسکرائی تھی۔

''پاگل ہو تم۔'' وہ جھنجھلا گیا۔ ''خواہ مخواہ کے خوف پال رکھے ہیں۔ بس اب جو بھی ہے، جیسا بھی ہے، مقدر کا لکھا سمجھ کر قبول کرو۔''

''جناب! میں وہی کرنے جا رہی تھی۔ لیکن تم ہی نے مجھے میرا احساس دلایا اور اب پھر کہہ رہے ہو۔ ایرا غیرا قبول کر لو نہیں اب یہ ممکن نہیں ہے اب جو بھی آئے گا۔ اسے میں اپنے معیار پر کھوں گی۔ سمجھے تم۔''

''بالکل سمجھ گیا۔ جنگلی بلی؟'' وہ اسے چڑا کر بھاگا تھا۔

☆

وہ عجیب الجھن میں تھی۔ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ آیا اسے یزدانی سے ملنا چاہئے یا نہیں جو گو کہ زیادہ اصرار نہیں کر رہا تھا لیکن اپنی محبت کا اظہار کر کے اسے بے چین کر لیتا تھا کہ نا چاہتے ہوئے بھی وہ خواب سجانے لگی تھی۔ اس وقت بھی سب سو چکے تھے ایک وہی جاگ رہی تھی۔ کتنی دیر یزدانی کے دلنشیں لہجے اور دلفریب باتوں میں کھوئی رہی پھر تکیے کے پاس سے اپنا موبائل اٹھا کر سوچنے لگی۔

اس نے کہا تھا کہ وہ بھی نیند کو ترستا ہے۔ گویا اسے یاد کرتا ہے۔

اور ابھی کیا وہ بھی جاگ رہا ہوگا۔ اس نے موبائل آن کر کے پہلے ٹائم دیکھا پھر اس کا نمبر پش کر دیا اور دھڑکتے دل سے انتظار کرنے لگی۔

کتنی دیر بعد اس کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

''کون ہے یار! صبح بات کرنا۔'' اس کے بعد وہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔ اسی کی سماعتیں سن ہو گئیں اور آنکھوں میں سجے خواب قطرہ قطرہ کناروں سے چھلک رہے تھے۔ بمشکل سیل آف کر کے تکیے کے نیچے کھسکا دیا اور اٹھ کر کمرے سے نکل آئی۔

ابتدائی دسمبر کی قدرے خنک رات تھی۔ لیکن اس کا اندر جل رہا تھا۔ کتنی دیر ننگے پاؤں برآمدے کے ٹھنڈے فرش پر ادھر سے ادھر چکراتی رہی پھر تخت پوش پر لیٹ گئی تھی۔

صبح اماں نے اسے جھنجھوڑ ڈالا پھر بھی اسے آنکھیں کھولنے میں دقت ہوئی۔ ان کا ہاتھ تھام کر پوچھنے لگی۔

''کیا ہوا ہے؟''

''یہاں کب آ سوئیں اور تمہیں رات میں سردی نہیں لگی۔ چلو اندر جاؤ بلکہ اب سونا کیا ہے اٹھ جاؤ صبح ہو گئی۔'' اماں نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اٹھا دیا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اب مت اٹھایئے گا۔'' وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آ کر سو گئی۔ لیکن اب بے خبری کی نیند نہیں تھی۔ جب ہی کوئی احساس کچوکنے لگا تھا۔ جیسے کچھ اچھا نہیں ہوا۔

اچھا ہی ہوا اس کا ذہن یک لخت بیدار ہوا تھا۔

''ہاں اچھا ہوا جو میں جان گئی ورنہ جانے کب تک بے وقوف بنتی۔ لیکن میں اسے نہیں بتاؤں گی دیکھتی ہوں کہاں تک جاتا ہے۔''

''آپی چائے!'' زرمین نے آ کر اس کی سوچوں کو منتشر کر دیا۔

''آج یہ مہربانی کس لئے؟'' اس نے اٹھ کر چائے کا کپ لیتے ہوئے پوچھا۔

''اماں بتا رہی ہیں رات آپ برآمدے میں سو گئی تھیں اور انہوں نے ہی آپ کے لئے چائے بھیجی ہے۔''

میں تو کالج جا رہی ہوں۔ اللہ حافظ۔ زرمین اپنی بات ختم کر کے چلی بھی گئی۔

''میں برآمدے میں سو گئی تھی۔'' رات کی باتیں سوچتے ہوئے اس کے اندر پھر اتھل پتھل ہونے لگی۔ بڑی مشکل سے اس نے خود پر قابو پایا پھر خالی کپ اٹھا کر کمرے سے نکل آئی۔

''آپ ہٹیں اماں! ناشتہ میں بنا لوں گی۔''

''ایک بس تم ہی رہ گئی ہو'' اماں کہتے ہوئے کچن سے نکل گئیں۔

''ہاں ایک بس میں ہی رہ گئی ہوں۔''

''اس نے اپنے انداز سے سوچا پھر پہلے برتن دھوئے۔''

اس کے بعد سلائس گرم کر کے چائے کا پانی رکھ رہی تھی کہ آنگن سے شانی کی آواز آنے لگی، وہ بس ایک لحظہ کو ادھر متوجہ ہوئی۔ پھر سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

''چائے بنا کر وہیں کھڑے کھڑے ناشتہ کیا اس کے بعد وہی روزمرہ کے کام جھاڑ پونچھ، کپڑوں کی دھلائی ساتھ ساتھ دوپہر کے کھانے کی تیاری اور ٹھیک دو بجے یزدانی کا فون آ گیا تو خود پر بہت جبر کر کے اس نے سیل کان سے لگایا تھا۔''

''ہیلو......!''

''کیسی ہیں آپ......؟'' وہی ہمیشہ والا انداز تھا۔

اس نے بھی خود کو بشاش ظاہر کیا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''رات آپ نے فون کیا تھا؟'' وہ کسی طرح بھی اپنے لہجے کی بے چینی نہیں چھپا سکا۔ جس سے وہ سمجھ گئی کہ وہ صبح سے ہی ایک بات جاننے کو بے چین ہے پھر بھی سہولت سے جھوٹ بول گئی۔

''نہیں تو۔''

''میرے سیل پر آپ کا نمبر ہے اور ریسیو میں بھی جس کا مطلب ہے میں نے نیند میں بھی آپ کا فون ریسیو کیا تھا۔'' اس نے کہا تو وہ ہنس کر بولی۔

''اچھا لیکن میں نے تو آپ کو فون نہیں کیا۔ شاید نیند میں بٹن دب گیا ہوگا، بہرحال آئی ایم سوری کہ آپ ڈسٹرب ہوئے آئندہ میں موبائل سرہانے رکھ کر نہیں سوؤں گی۔''

''ارے یہ آپ کیسی غیروں جیسی باتیں کر رہی ہیں۔ افسوس تو مجھے ہو رہا ہے کہ میں اس وقت بیدار کیوں نہیں ہوا۔ رات کے اس پہر جب ساری دنیا سوتی ہے تب آپ سے باتیں کرنا کتنا اچھا لگتا ہے نا!۔'' وہ اسے گرفت میں لے کر تصدیق چاہ رہا تھا۔

''ہوں......!'' ہونٹ بھینچتے ہوئے آپ ہی آپ ہوں کی آواز نکلی تھی اور وہ خوش ہو گیا۔

''آج میں خود آپ کو فون کروں گا، رات کے اسی پہر۔''

''اچھی بات ہے۔'' اس نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور اسے گالیاں دیتے ہوئے کمرے سے نکلی تو سامنے شانی کو آتے دیکھ کر خواہ مخواہ اس پر بگڑ گئی۔

''یہ تم کیا جب چاہے منہ اٹھائے چلے آتے ہو۔''

''چلا جاؤں؟'' وہ جہاں تھا وہیں رک گیا۔

''میرے کہنے سے چلے جاؤ گے؟''

''تم کہہ کر تو دیکھو'' وہ پتا نہیں کیسے اتنا معصوم بن جاتا تھا۔

''تو جاؤ اور آئندہ کبھی مت آنا۔'' اس نے کہا تو وہ ایک ہی جست میں اس کے قریب آ گیا۔

''اگر صرف جاؤ کہتی تو واقعی چلا جاتا لیکن کبھی نہ آنے والی بات تو میں مان ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس گھر سے لگتا ہے میرا جنم جنم کا رشتہ ہے۔ اب پوچھو کیسے؟''

''شٹ اپ......'' وہ سر جھٹک کر واپس کمرے میں آ گئی اور جانتی تھی کہ وہ پیچھے آئے گا، جب ہی فوراً موبائل اٹھا کر اس میں مصروف ہوگئی۔

''یزدانی کو فون کر رہی ہو؟'' وہ پیچھے آ کر پوچھنے لگا۔

''کسی کو بھی کروں، تمہیں کیا۔'' وہ دھاڑی۔

''ہاں مجھے کیا میں تو یوں بھی چند دنوں کا مہمان ہوں۔''

''کیا مطلب......؟''

''امتحان ختم ہو گئے ہیں۔ سوچ رہا ہوں واپس اپنے گاؤں چلا جاؤں، کیونکہ یہاں نوکری تو ملے گی نہیں بغیر سفارش کے اور میرے پاس سفارش بھی نہیں ہے پھر خواہ مخواہ نوکری کی تلاش میں خوار ہونے سے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ میں ابا کے ساتھ کھیتوں میں ہل چلاؤں۔''

وہ اپنی بات پوری ہونے سے پہلے دوسرے کو کچھ بولنے کا موقع ہی نہیں دیتا تھا۔

''بہت بہتر ہے اور یہ کام تم نے پہلے ہی کیوں نہیں کر لیا ایم ایس سی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' وہ اپنے تنفر کو دبانے کی سعی میں رک رک کر بولی تھی۔

''تو ایم ایس سی میں نے اپنے لئے تھوڑی کیا ہے آنے والی نسل کے لئے کیا ہے۔'' وہ فوراً بولا۔

''کیا مطلب......؟'' وہ بالکل نہیں سمجھی۔

''مطلب یہ کہ جب میرے ایم ایس سی ہاتھ ہل جوتیں گے بیج بوئیں گے تو پھر اس اناج کو جتنے لوگ کھائیں گے۔ ان کے ہاں ایم ایس سی بچے پیدا ہوں گے۔ ہاہاہا!'' وہ کہہ کر خود ہی زور زور سے ہنسنے لگا۔ جبکہ وہ ہنسی ضبط کئے اسے گھورے جا رہی تھی۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ وہ اب کی بندھی روٹین سے اکتا کر کچھ نئے پن کی

خاطر جاب کرنے کا سوچنے لگی تھی۔ اس کے لئے روز اخبار دیکھتی۔ ایک دو جگہ اپلائی بھی کر دیا اس کے بعد اماں کو بتایا تو وہ مخالفت کرنے لگیں۔

''کیا ضرورت ہے کوئی کمی تھوڑی ہے اللہ کا شکر ہے سب پورا ہو جاتا ہے۔''

''پورا ہو جاتا ہے اور بھلے سے بچ جاتا ہو۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں میں کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ پڑھا لکھا کچھ تو کام آئے۔'' اس کے ناراض انداز پر اماں نرم پڑ کر بولیں۔

''تو بیٹا گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھا لو۔''

''نہیں ...... یہ دردسری ہے چند دنوں میں بچوں کے شور سے آپ بھی اکتا جائیں گی اور نرمین الگ ڈسٹرب ہوگی، نہیں میں بس جاب کروں گی۔''

اس کی ضد دیکھتے ہوئے اماں خاموش ہو رہیں۔ شاید اس لئے کہ اس نے پہلے کبھی یوں ضد نہیں کی تھی۔

☆

''میری بیٹی ایم اے پاس ہے فر فر انگریزی بولتی ہے۔'' اماں ہر آنے والے رشتے کے سامنے اس کی یہ تعریف کرتی تھیں اور یہ تعریف اس کی یہاں کام آگئی کہ نہ صرف انٹرویو میں کامیاب ہوئی بلکہ اپائنٹمنٹ لیٹر لے کر گھر آئی تھی۔

''مجھے جاب مل گئی۔'' اس نے آتے ہی بتایا تو اماں کے ساتھ بیٹھا شانی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''ہائیں! بغیر جوتیاں چٹخائے۔ کیسے کسی کی سفارش لے کر گئی تھیں۔''

''مجھے کسی سفارش کی ضرورت نہیں۔ میں ایم اے انگلش فر فر انگریزی بول سکتی ہوں اور آج کل کسی کو کچھ آتا ہو یا نہ آتا ہو انگریزی ضرور آنی چاہئے۔ جو تمہیں نہیں آتی۔ اس لئے تم جاب ڈھونڈنے سے کترا کر مل چلانے جا رہے ہو۔'' وہ اسی کے انداز میں روانی سے بولتی چلی گئی تھیں۔

''تو اس میں برائی کیا ہے؟''

''برائی مل چلانے میں نہیں تم میں ہے۔ تم کاہل، کم ہمت ہو بغیر کوشش کئے بھاگ رہے ہو ہونہہ!''

اس کی نخوت پر وہ سلگ گیا۔

''تمہیں زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا اس لئے اترا رہی ہو ذرا دھکے کھانے پڑتے تب ہوش ٹھکانے آتے تمہارے اور تمہیں نوکری کسی قابلیت کی بناء پر نہیں ملی بس قسمت کی مہربانی سمجھو اور شکر

کرو کہ کہیں تو قسمت مہربان ہوئی۔''

وہ اتنی بڑی چوٹ کر گیا تھا کہ اس کا سارا طعنہ دھرا رہ گیا۔ کتنی دیر سناٹے میں اسے دیکھتی رہی پھر بھاگ کر اپنے کمرے میں آگئی آنسو ایک تواتر سے بہہ نکلے تھے۔

یہ شانی تھا جو ہر مقام پر اسے نہ صرف کم روئی کے احساس سے نکالتا بلکہ یہ یقین بھی دلاتا تھا کہ اس کے لئے ایک شہزادہ آئیگا اور وہی اب قسمت کی نامہربانی کا طعنہ مار گیا تھا۔ اس کا دل چاہا اسے بے نقط سنائے اور اس کے سارے پول کھول دے۔

دوغلا دھوکے باز میں ابھی اسے بتاتی ہوں اس نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑیں اور دھاڑ سے دروازہ کھولا تو آگے وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

''سوری مجھے معاف کر دو انجانے میں کچھ غلط منہ سے نکل گیا۔'' وہ ہونٹ بھینچے اسے دیکھے جا رہی تھی اونچا لمبا، سر جھکائے ندامت کا اظہار کر رہا تھا اور وہ جو اسے بے نقط سنانا چاہتی تھی بس اسی قدر کہہ سکی۔

''تم بہت برے ہو۔''

''میں اعتراف کرتا ہوں بس تم مجھے معاف کر دو دل سے۔ میں تمہاری ناراضی لے کر نہیں جانا چاہتا۔'' وہ اسی طرح سر جھکائے ہوئے بول رہا تھا۔

''تو تم واقعی جا رہے ہو......؟'' وہ بے اختیار پوچھ گئی۔

''ہاں شام چھ بجے کی ٹرین سے اصل میں میرے ابا چاہتے ہیں کہ میں ان ہی کے ساتھ کام کروں اور میں ابا کی خواہش رد نہیں کر سکتا۔''

''اچھی بات ہے جاؤ'' اس نے کہہ کر رخ موڑ لیا۔

''تم ناراض تو نہیں ہو؟'' وہ پھر معصوم بن کر پوچھ رہا تھا۔

''نہیں۔''

''تو منہ کیوں موڑ لیا میری طرف دیکھ کر بتاؤ نا مجھے یاد کرو گی؟'' وہ اتنی جلدی پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔

''اب جاب میں مصروف ہو کر مجھے کہاں کسی کو یاد کرنے کی فرصت ملے گی۔'' اس نے بے نیازی دکھائی۔

''اچھا اپنی شادی میں تو بلاؤ گی؟ وہ ایک دم اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''سوری اس انتظار میں مت رہنا کیونکہ میں نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' وہ

بہت نارمل انداز میں بولی تھی۔

"کیوں کیا یزدانی پسند نہیں آیا لیکن تم اس سے ملیں کہاں؟ بغیر دیکھے بھالے ریجیکٹ کرنے کا مطلب؟" وہ کچھ بوکھلا رہا تھا۔

"کوئی مطلب نہیں بس تم جاؤ۔" اس نے کہا تو وہ زچ ہو گیا۔

"بڑی بے مروت ہو اتنے دنوں کا ساتھ ہے رخصت کرتے ہوئے دو آنسو ٹپکا دو گی تو قیامت تو نہیں آ جائے گی، میرا دل رکھنے کی خاطر رو دو۔"

"کیوں رو دوں جب مجھے تمہارے جانے کی خوشی ہو رہی ہے۔" وہ اسے ستا کر محظوظ ہوئی۔

"تم بہت بدصورت ہو۔ اپنے لہجے کی طرح اپنی باتوں کی طرح اپنے اعمال کی طرح۔" وہ بولتا گیا اور وہ ہنستی چلی گئی تھی۔

☆

اسے پہلی تاریخ سے آفس جوائن کرنا تھا اور پہلی تاریخ میں صرف پانچ دن تھے۔ اس وقت دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر اس نے سوچا پہلے ہفتے کی سیٹنگ کر لے۔ اس خیال سے اس نے سوٹ منتخب کئے پھر استری کرنے کے لئے کھڑی ہوئی شانی جھانک کر پوچھنے لگا۔

"تم سو تو نہیں رہیں؟"

"ہائیں! تم تو کل شام چھ بجے کی ٹرین سے جا رہے تھے۔" وہ اسے دیکھ کر حیرت سے بولی تو وہ اندر آ گیا۔

"گیا تھا۔"

"پھر؟"

"راستے میں ٹریفک جام میں پھنس گیا اور جب سٹیشن پہنچا تو ٹرین جا چکی تھی۔" وہ بتاتا ہوا ڈھیلے ڈھالے انداز میں چیئر پر بیٹھ گیا۔

"تو اب کیا کرو گے؟"

"ظاہر ہے نئے سرے سے بکنگ کراؤں گا، بتاؤ کب کی کراؤں؟" اس نے پوچھا تو وہ اس فضول بات پر تپ کر بولی۔

"مجھے کیا پتا تمہیں جانا ہے تم جانو۔"

"یہ تم بات بے بات انگارے کیوں چبانے لگی ہو۔ پہلے تو ایسی نہ تھیں۔" اس کے ٹوکنے پر اسے خود بھی احساس ہوا تو اندر ہی اندر نادم ہو کر بولی۔

"سوری تم باتیں بھی تو ایسی کرتے ہو بچوں جیسی۔"

"اب نہیں کروں گا۔" وہ بالکل خاموش ہو گیا۔ جب اس نے ایک سوٹ استری کر لیا اور اسے ہینگر کرنے لگی تب اس پر نظر پڑی کچھ روٹھا روٹھا بیٹھا تھا۔

"ارے!" وہ ہنس پڑی۔ "ناراض ہو گئے کیا، چلو میں یہ کام بعد میں کر لوں گی۔ اب بتاؤ کیا سیوا کروں تمہاری چائے پیو گے یا ٹھنڈا؟"

"کچھ نہیں بس تم بیٹھ جاؤ۔" وہ شاید اداس ہو رہا تھا۔

"ہاں اب کہو بلکہ یہ بتاؤ تم نے اپنے گھر والوں کو فون کر دیا کہ تمہاری ٹرین مس ہو گئی ہے؟" اس نے سامنے بیٹھ کر پوچھا۔

"نہیں میں نے انہیں بتایا ہی نہیں تھا کہ میں آ رہا ہوں۔ سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ لیکن اب بکنگ کرواتے ہی فون کر دوں گا تاکہ میری ماں میرے خیریت سے پہنچنے کی دعائیں مانگنا شروع کر دے۔"

"کون کون ہے تمہارے گھر میں؟" اس نے پوچھا پھر ہنس کر بولی۔ "کتنی عجیب بات ہے اب تک مجھے یہ بات ہی پتا نہیں ہے۔"

"مجھے سب پتا ہے تم تین بہنیں ہو ایک کی شادی ہو گئی ہے۔ باقی دو بچی ہیں۔" وہ جیسے شروع ہوا تھا اس کے تیور دیکھ کر ایک دم خاموش بھی ہو گیا پھر کھنکھار کر کہنے لگا۔

"ہاں تم میرے گھر کا پوچھ رہی تھیں۔ میرے ماں بھائی بھاوج ان کے دو بچے اور ایک میری چھوٹی بہن ہے۔ انٹر کر چکی ہے۔ چچا زاد سے منسوب ہے۔ اب میں جاؤں گا تو ہو سکتا ہے جلدی اس کی شادی طے ہو جائے۔ بس اور کیا بتاؤں؟"

"اور تم ...... میرا مطلب ہے تمہاری چھوٹی بہن کی نسبت طے ہو چکی ہے اور تمہاری؟" وہ سوالیہ نشان بن گئی۔

"میں اپنی مرضی سے کروں گا اور یہ جب میں میٹرک میں تھا تب ہی اپنی اماں سے کہہ دیا تھا کہ وہ میرے لئے کوئی لڑکی پسند کرنے کی غلطی نہ کریں اور شکر ہے ان سے یہ غلطی نہیں ہوئی۔"

وہ بڑھا چڑھا کر بات کرنے سے باز نہیں آتا تھا اور اسی سے وہ اکتا جاتی تھی۔ ابھی بمشکل خود کو ٹوکنے سے باز رکھا پھر پوچھنے لگی۔

"اور تمہارا گاؤں کیسا ہے؟"

"میرے گاؤں کو چھوڑو، اب تم اپنی بات کرو۔"

اس نے کہا تو وہ کندھے اچکا کر بولی۔

"اپنی کیا بات کروں تم سب جانتے ہو۔"

"یہ نہیں جانتا کہ تم نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا سوچ کر کیا ہے۔" اسے لگا جیسے اس نے یہی بات جاننے کے لئے جان بوجھ کر ٹرین مس کی ہے۔ جب ہی فوراً کچھ نہیں بولی۔

"بتاؤ نا!" اس کے اصرار میں حد درجہ بے تابی تھی۔

"کوئی خاص وجہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ میرا حتمی فیصلہ ہے۔ میرا مطلب ہے اگر کوئی ایسا ملا جو میرے ساتھ فیئر ہوگا اور مجھ سے شادی بھی کرنا چاہتا ہوگا تو میں اس کے بارے میں ضرور سوچوں گی۔" وہ اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے بول رہی تھی۔

"اور یزدانی؟ وہ کیا تمہارے ساتھ فیئر نہیں ہے؟" وہ یوں دیکھ رہا تھا جیسے اسے اندر تک کھوج لینا چاہتا ہو۔

"پتا نہیں میں نے جاننے کی کوشش نہیں کی۔" وہ یوں اٹھی جیسے بس "اب ختم کرو یہ باتیں۔" اور سمجھ کر چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا پھر خدا حافظ۔"

شانی چلا گیا اور اگلے دن سے ہی اماں کو اس کی کمی محسوس ہونے لگی۔ اسے بھی ہو سکتی تھی لیکن وہ آفس جوائن کر کے مصروف ہو گئی۔ صبح ابا کے ساتھ نکلتی البتہ واپسی میں اسے دیر ہو جاتی تھی کیونکہ اس کا آفس دور تھا۔ مغرب کے بعد گھر لوٹتی تو بس کھانا کھانے تک ہی اماں ابا اور ترمین کے ساتھ بیٹھ سکتی اس کے بعد اگلے دن کی تیاری پھر سونے کی جلدی ہوتی تھی۔ یونیورسٹی کے بعد کافی وقت اس نے آرام طلبی میں گزارا تھا اس لئے اب نئی روٹین میں مشکل ہو رہی تھی ایک ہفتے میں چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ اس پر اماں کا ٹوکنا۔

"آتی سی شکل نکل آئی ہے۔ رنگ دیکھو اور کالا ہو گیا ہے۔ گھر میں تھیں تو کچھ نظر تو آتی تھیں۔"

"اوہو اماں! بس کچھ دنوں کی بات ہے۔ عادی ہو جاؤں گی تو پھر ویسے ہی نظر آنے لگوں گی۔"

اس نے اماں کو تسلی دی اور خود اس کا بھی یہی خیال تھا کہ اتنے عرصے بعد گھر سے نکلنا ہوا ہے اس لئے وہ بوکھلائی ہوئی ہے۔ آہستہ آہستہ اس روٹین میں سیٹ ہو جائے گی لیکن اس سے پہلے ہی وہ اکتاہٹ کا شکار ہو گئی۔ اپنا آپ خالی خالی سا لگنے لگا۔ کچھ کھونے کا احساس تھا یا پانے کی

جستجو وہ خود نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ آفس میں ہوتی تو گھر بھاگنے کو دل چاہتا اور گھر آ کر جھنجلاتی۔ عجیب سی بے کلی بے چینی سے وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"میں کیا چاہتی ہوں؟" اس وقت ٹیبل پر بکھرے کاغذات میں اس کی نظریں جیسے خود کو تلاش کر رہی تھیں کہ یزدانی کا فون آ گیا۔

"ہیلو۔" اس کا لہجہ مرجھایا ہوا تھا۔

"کیسی ہیں آپ۔ اگر مصروف ہیں تو میں پھر فون کر لوں گا۔" یزدانی نے غالباً اس کی توجہی محسوس کر کے کہا تھا۔

"نہیں کوئی خاص مصروفیت نہیں ہے۔" وہ اب پہچان کر فوراً بولی تھی۔

"جاب کیسی جا رہی ہے؟"

"بس ٹھیک ......"

"لیکن آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے یا کوئی اور بات؟" یزدانی کے ٹھیک اندازے پر وہ حیران ہوئی پھر سوچ کر بولی تھی۔

"میں اصل میں شانی کو مس کر رہی ہوں۔"

"شانی یہ کون ہے؟" یزدانی نے فوراً پوچھا تو وہ اندر ہی اندر محظوظ ہوئی۔

"ہے ایک اسٹوپڈ لڑکا۔"

"اس اسٹوپڈ لڑکے سے آپ کا رشتہ یا تعلق پوچھ سکتا ہوں؟" یزدانی کا ٹھٹکنا وہ محسوس کر رہی تھی۔

"ابھی تو میں خود نہیں سمجھ پائی۔ وہ پاس تھا تو کوئی احساس نہیں تھا۔ دور چلا گیا ہے تو محسوس ہو رہا ہے۔"

"یہ تو بڑی خطرناک بات ہے۔ مجھے فوراً اگلا قدم اٹھانا پڑے گا۔" یزدانی الرٹ ہو گیا تھا۔

"اگلا قدم؟" وہ قصداً انجان بنی۔

"ہاں جلدی بتائیں میں اپنے گھر والوں کو کب بھیجوں۔" یزدانی نے عجلت ظاہر کی تو اس کا دل چاہا ابھی اسی وقت کہہ کر اسے مشکل میں ڈال دے لیکن پھر کچھ سوچ کر بولی تھی۔

"ابھی نہیں۔"

"کیوں؟" وہ جیسے اطمینان سے ہو گیا تھا۔

"ابھی مجھے خود کو ٹٹولنا ہے۔ اس کے بعد کچھ کہہ سکوں گی۔" اس نے کہا تو وہ پوچھنے لگا۔

''اس میں کتنا وقت لگے گا؟''

''پتا نہیں سال، مہینے یا ہوسکتا ہے اگلا پل ہی مجھے خود پر آشکار کر دے۔ بہرحال آپ کتنا انتظار کر سکتے ہیں؟''

''اس نے اچانک پوچھ لیا۔''

''اگر زندگی ختم ہوگئی تو سو سال۔'' اس کی بات پر وہ بے ساختہ بولی تھی۔

''بس صرف ایک صدی۔''

''جواب نہیں آپ کا لا جواب کر دیتی ہیں۔''

''شکریہ اور خدا حافظ۔'' اس نے سلسلہ منقطع کر دیا اور بس کچھ دیر کو ہی اس کی باتوں اور دلفریب لہجے کو دل پر محسوس کیا پھر یکدم متنفر ہو کر جھنجھلانے لگی تھی۔

''بے وقوف سمجھتا ہے مجھے خود دنیا کا سب سے بڑا احمق ہے جو سمجھتا ہے کہ میں اس کے ہاتھوں بے وقوف بن رہی ہوں ہونہہ!۔'' اس نے سر جھٹکا، پھر زبردستی خود کو کام میں مصروف کر لیا۔

اس شام وہ گھر لوٹی تو شرمین آئی ہوئی تھی اور اماں کے ساتھ سر جوڑے جانے کیا راز و نیاز کر رہی تھی۔ اس نے ایک پل رک کر دیکھا پھر ان کے سر پر جا کر زور سے بولی۔

''غیبت ہو رہی ہے۔''

''ہائیں!۔'' اماں اچھل پڑی ''تمیز نہیں ہے تمہیں۔''

''آج آفس چھوڑ آئی ہوں۔'' وہ ہنسی پھر شرمین سے پوچھنے لگی۔ ''تم کب آئیں؟''

''کچھ دیر ہوئی اور آج میں یہیں رہوں گی۔''

''شرمین نے خوش ہو کر بتایا تو اماں کی موجودگی کے باعث اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور چینج کرنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔''

اگلے دن کیونکہ اتوار تھا اس لئے اسے شرمین کے ساتھ اطمینان سے بیٹھنے اور باتیں کرنے کا موقع مل گیا تھا اور تنہائی ملتے ہی اس نے پہلا سوال یہی کیا۔

''آج عدیل نے تمہیں رہنے کی اجازت کیسے دے دی؟''

''بس موڈ اچھا تھا۔ میں نے پوچھا تو مان گئے۔''

شرمین کے جواب سے وہ مطمئن نہیں ہوئی تھی لیکن ٹوکا بھی نہیں۔

''اور ہاں سوہنی!۔'' شرمین اچانک کچھ یاد آنے پر کہنے لگی۔ ''ایک دن عدیل خود ہی اپنے دوست یزدانی کی کوئی بات کر رہے تھے۔ لیکن وہ تو شادی شدہ ہے دو بچے بھی ہیں اور اس کی

بیوی بھی ماشاء اللہ زندہ سلامت ہے۔''

''اچھا۔'' اسے ہنسی آ گئی۔ ''اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے؟''

''مطلب یہ کہ وہ بال بچوں والا ہو کر تمہیں فون کیوں کر رہا ہے؟''

''پہلے یہ بتاؤ، تم نے عدیل کو تو نہیں بتا دیا۔'' وہ کچھ پریشان ہو گئی تھی۔

''ہو سکتا ہے، اس کی اپنی بیوی سے نہ بنتی ہو۔ بے چارہ مظلوم ہو۔'' اس نے جان بوجھ کر شرمین کو اکسایا تھا۔

''اف بے چارہ...... اس کا مطلب ہے، اس نے تمہیں یہی داستان سنائی ہے کہ اس کی بیوی پاگل ہے، بیمار ہے، اس کا خیال نہیں رکھتی۔ خبردار سوہنی! تم نے اس کی باتوں پر یقین کیا تو۔ یہ مرد لڑکیوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے ایسے ہی خود کو مظلوم ظاہر کرتے ہیں۔'' شرمین بھڑک اٹھی تھی اور وہ انتہائی سادگی سے بولی۔

''لیکن اس نے تو مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔''

''پھر...... پھر تم نے کیسے کہا کہ اس کی اپنی بیوی سے نہیں بنتی۔'' شرمین اب بوکھلا گئی تھی۔

''میں نے تو یونہی خیال ظاہر کیا تھا۔ خیر چھوڑو، کوئی اور بات کرو۔'' اس نے کہا لیکن شرمین کے اندر کھد بد ہو رہی تھی۔

''تم اس کے ساتھ سیریس تو نہیں ہو نا؟''

''اوفوہ! میں کسی کے ساتھ سیریس نہیں ہوں۔'' وہ جھنجھلا گئی۔ ''اور تم خواہ مخواہ پریشان مت ہو۔ یہ وہ یزدانی نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو، اس کی ابھی شادی نہیں ہوئی۔''

''تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ میرا مطلب ہے، وہ تمہیں پرپوز کیوں نہیں کر رہا؟'' شرمین کو نئی نہیں فکر لاحق ہوئی۔

''پتا نہیں۔'' وہ ٹال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''چلو کھانا کھا لیں پھر تمہاری شادی کی مووی دیکھیں گے۔''

''ہاں، اس میں یزدانی ہو گا۔ مجھے دکھانا۔'' شرمین نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ جاتے جاتے رک گئی۔

''مجھے کیا پتا کون ہے۔ تمہارے میاں کا دوست ہے تم جانو۔ میں تو اپنے یزدانی کو جانتی ہوں۔'' اپنے یزدانی کے ساتھ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی۔

☆

سردی اپنے ساتھ نزلہ، زکام، کھانسی اور بخار کی لہر بھی لے آئی تھی اور گھر میں سب سے پہلے وہی لپیٹ میں آئی تھی۔ دو دن سے بستر میں پڑی تھی۔ اماں بے چاری گھر کے کاموں کے ساتھ اس کی تیمارداری بھی کر رہی تھیں جو اسے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ساتھ ہی اب یہ احساس بھی ہو رہا تھا کہ وہ تو آفس چلی جاتی ہے۔ پیچھے سارے کام اماں ہی کو کرنے پڑتے ہیں جبکہ زمین کو صرف پڑھنے کی لگنی تھی اس کا ارادہ میڈیکل میں جانے کا تھا۔ جب ہی جی جان سے محنت کر رہی تھی۔ اماں بھی اسے گھریلو کاموں میں نہیں الجھاتی تھیں۔ بہر حال دو دن سے اماں کو پھرکی طرح گھومتے دیکھ کر اب وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اسے جاب چھوڑ کر گھر میں رہنا چاہئے، پھر جیسے فیصلہ کر کے مہینے کے بقیہ دن شمار کر رہی تھی کہ اماں ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر اس کے پاس آ گئیں۔

”شانی کا فون ہے تم سے بات کرے گا۔“

”یاد آ گئی اسے۔“ وہ اٹھ بیٹھی اور فون سیٹ لے کر گود میں رکھ لیا۔

”وہ بے چارہ تو فون کرتا رہتا ہے، تم ہی گھر پر نہیں ہوتیں۔“ اماں کہتے ہوئے چلی گئیں تو اس نے ریسیور کان سے لگا لیا۔

”السلام علیکم۔“

”جیتی رہو، خوش رہو، اللہ چاند سا دولہا دے پھر دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔“ وہ حسب عادت شروع ہو گیا تھا۔

”تم اپنی سناؤ۔“ تمہیں مل گئی چاند سی دلہن؟“ اس نے پوچھا تو وہ فوراً بولا۔

”صرف دلہن کہو کیونکہ میں نے چاند سی کی شرط نہیں رکھی۔“

”حیرت ہے۔“

”چھوڑ و حیرت ویرت کو۔ یہ بتاؤ مجھے یاد کرتی ہو؟“

”وہ اسی لاابالی پن سے پوچھ رہا تھا، جب ہی اس نے منع کر دیا۔“

”بالکل نہیں۔“

”مجھے تم سے یہی توقع تھی۔ خیر میں تمہیں بہت یاد کرتا ہوں۔“ وہ پھر روانی سے شروع ہو گیا۔ ”پتا ہے ہل چلاتے ہوئے جب میری گائے کہیں اڑتی ہے تب تم مجھے بہت یاد آتی ہو۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا۔ تم مجھے گائے سے ملا رہے ہو۔“ اس نے دانت پیسے۔

”نہیں، میری گائے بہت خوبصورت ہے۔ گوری چٹی، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، سنہری سینگ اور پتا ہے میں نے اس کے پیٹ پر لال مہندی سے اس کا نام لکھ دیا ہے، سوہنی۔“

”شانی......“ چیخنے کے ساتھ ہی اسے کھانسی کا ایسا دورہ پڑا وہ کھانسے کھانستے بے حال ہو گئی۔ ریسیور ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اماں پانی لے کر بھاگی آئیں اور گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

”یا اللہ۔“ وہ گھونٹ لے کر اس نے گلاس اپنے ہاتھ میں لے لیا اور فون کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

”اسے ہٹائیں یہاں سے۔“

”بند ہو گیا کیا؟“ اماں نے سیٹ اٹھالی اور ریسیور کان سے لگایا تو ادھر سے وہ بول رہا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے سوہنی! تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟“

”وہ بات کر رہا ہے۔“ اماں نے ریسیور اسے دینا چاہا لیکن اس نے واپس دھکیل دیا۔

”مجھے نہیں کرنی بات۔“

”ہاں بیٹا! سوہنی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

اماں خود ہی اس سے بات کرتے ہوئے چلی گئیں تو وہ دوبارہ لیٹ گئی۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اسے فضول بولنے کی عادت ہے پھر بھی چڑ کر اسے برا بھلا کہنے لگی۔ کچھ دیر بعد اماں اس کے پاس آ بیٹھیں اور اس کی پیٹھ سہلاتے ہوئے شانی کی تعریف کرنے لگیں۔

”اچھا لڑکا ہے، وہاں جا کر بھی بھولا نہیں۔ ورنہ آج کل کون کسی کو یاد رکھتا ہے۔ وہ ہر ہفتے فون کر کے سب کی خیر خیریت معلوم کرتا ہے۔ مجھے تو اپنے بچوں کی طرح لگنے لگا تھا۔ پتا ہے ابھی کیا کہہ رہا تھا......“

”کیا؟“ وہ جانتی تھی اماں پوری بات بتا کر رہیں گی، اس لئے ناچاہتے ہوئے بھی متوجہ ہو گئی۔

”کہہ رہا تھا اس کی بہن کی شادی ہے اور ہمیں ضرور جانا ہے۔ وہ خود لینے آئے گا۔“

”بس رہنے دیں۔“ اس نے سر جھٹکا۔

”نہ بیٹا! وہ اتنے خلوص سے کہہ رہا تھا پھر خود لینے آئے گا تو جانا ہی پڑے گا۔ اچھا ہے اسی بہانے اس کا گھر بار رہن سہن دیکھ آئیں گے۔“ اماں نے کہا تو وہ چونکی تھی۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“

”میں سوچ رہی ہوں، لڑکا اچھا ہے، کیا پتا بات بن جائے زمین کی۔“

”زمین......“ اس کا دل بیٹھنے لگا۔ آنکھیں اچانک خالی خالی ہو گئیں۔

”ہاں، زمین بھی تو بڑی ہو گئی ہے۔“ اماں اپنی دھن میں بولی تھیں پھر ایک دم احساس

ہونے پر کہنے لگیں۔ ''لیکن اب میں پہلے تمہاری کروں گی۔''

''بے شک نرمین کی وہاں بات ہو جائے گی لیکن اس کی شادی تمہارے بعد ہی کروں گی۔''

''چھوڑیں اماں! میری فکر چھوڑیں۔ مجھے نہیں کرنا شادی۔'' وہ بمشکل خود پر قابو پا کر بولی تو اماں نے ٹوک دیا۔

''نہ بیٹا! ایسی بات منہ سے مت نکالو۔ جب نصیب کھلتا ہے تو سب کام آناً فاناً ہو جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا۔''

''اچھا...... ابھی تو آپ مجھے سونے دیں۔ کھانس کھانس کر سر میں درد ہونے لگا ہے۔'' اسے جھنجلاہٹ ہو رہی تھی۔

''پہلے کچھ کھا لو، دلیہ لا دوں؟'' اماں نے اٹھ کر پوچھا۔

''نہیں، ابھی بالکل دل نہیں چاہ رہا۔ اٹھوں گی تو کھا لوں گی۔''

اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا اور جھری میں سے اماں کو جاتے دیکھنے لگی پھر کروٹ بدل کر سونا چاہتی تھی کہ اس کا موبائل بجنے لگا۔ اسکرین پر یزدانی کا نام دیکھ کر اس نے لائن کاٹ دی اور پھر وقفے وقفے سے یہی ہوتا رہا۔ وہ فون کرتا، ادھر یہ لائن کاٹ دیتی۔ آخر تنگ آ کر اس نے موبائل آف کر دیا تھا۔

☆

پورے ایک ہفتے بعد وہ آفس آئی تھی۔ اس کی ٹیبل پر اتنا کام جمع ہو گیا تھا کہ دوپہر تک اسے سر کھجانے کی فرصت نہیں ملی۔ اس کے بعد بھی کام ختم نہیں ہوا۔ وہی تھک گئی کیونکہ بیماری سے اٹھی تھی، اس لئے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا، جب ہی کچھ دیر کے لئے کام بند کر کے چائے منگوا کر پینے لگی اور ابھی چائے ختم نہیں ہوئی تھی کہ یزدانی کا فون آ گیا۔ اس نے چائے کا آخری سپ لے کر موبائل اٹھا لیا۔

''ہیلو!''

''کہاں ہیں آپ۔ کیا بات نہیں کرنا چاہتیں۔ پورا ہفتہ صبح شام آپ کا نمبر ملاتا رہا ہوں۔ سیل کیوں آف کر رکھا تھا؟'' یزدانی پہلی بار شاکی ہو کر اتنی لمبی بات کر گیا تھا، جواب میں وہ سکون سے بولی۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔''

''اوہ...... اب کیسی طبیعت ہے؟'' اس نے پوچھا جواب کا انتظار کئے بغیر پھر شروع ہو

گیا۔ ''آپ کو بتانا چاہئے تھا۔ پتا ہے میں کتنا پریشان رہا، اندیشوں میں گھر گیا تھا۔''

''کیسے اندیشے؟'' اس نے فوراً پوچھا۔

''جیسے محبت میں ہوتے ہیں۔'' یزدانی کا لہجہ گمبھیر ہو گیا جس پر وہ جزبز ہونے لگی۔ بولی کچھ نہیں تو قدرے رک کر وہ خود ہی کہنے لگا۔

''آپ نے بھی تو اس روز ڈرا دیا تھا۔ کسی اسٹوپڈ لڑکے کا ذکر کر کے۔ کیا نام بتایا تھا اس کا۔ ہاں شانی۔ میں یہی سوچتا رہا کہ کہیں شانی تو نہیں آ گیا۔''

''آ بھی جائے تو کیا۔ میرے لئے تو نہیں آئے گا۔''

وہ بے اختیار کہہ گئی تھی۔

''پھر میرا مطلب ہے، کیا آپ چاہتی ہیں کہ وہ آپ کے لئے آئے؟'' یزدانی ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''میں کیا چاہتی ہوں، کیا نہیں۔ اس بات کو چھوڑیں اور یہ بتائیں آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟'' وہ اچانک فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو گئی تھی۔

''ارے۔'' وہ ذرا سا ہنسا۔ ''آپ ابھی تک یہ نہیں سمجھ پائیں کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ میں آپ کو چاہتا ہوں، صرف آپ کو اور ابھی تک پہلے مرحلے پر اس لئے اٹکا ہوا ہوں کہ آپ مزید پیش رفت کی اجازت نہیں دے رہیں۔ شاید آپ دو کشتیوں میں سوار ہیں۔ فیصلہ نہیں کر پا رہیں کہ میرا ہاتھ تھامیں یا شانی کا۔ یہی بات ہے نا؟''

''نہیں۔ مجھے آپ دونوں میں سے کسی کا ہاتھ نہیں تھامنا۔ سمجھے آپ۔'' وہ غصے سے کہہ کر سیل آف کرنا چاہتی تھی کہ وہ بول پڑا۔

''ایک سنٹ۔ میں تو سمجھ گیا لیکن آپ خود کو نہیں سمجھ پا رہیں یا قصداً جھٹلا رہی ہیں لیکن سچائی کبھی چھپی نہیں رہتی اور سچ یہ ہے کہ آپ شانی کو پسند کرتی ہیں اور چاہتی ہیں کہ وہ آپ کے لئے آئے۔'' یزدانی نے اپنی بات ختم کرتے ہی سلسلہ منقطع کر دیا پھر بھی کتنی دیر تک سیل کان سے لگائے بیٹھی رہی پھر پیئن کے آنے پر چونکی تھی۔ وہ خالی کپ لے کر جا رہا تھا۔ اس نے خون خوار نظروں سے سیل کو گھور کر دانت پیسے۔

''شانی...... شانی......''

''میں شانی کو پسند کرتی ہوں۔ چاہتی ہوں کہ وہ میرے لئے آئے۔ ہونہہ۔''

اس نے تنفر سے سر جھٹکا۔ اس کے بعد لاکھ چاہا کہ خود کو کام میں مصروف کر سکے لیکن

اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ ہر جگہ، ہر طرف، ہر صفحے پر وہ ہنستا ہوا نظر آ رہا تھا، تب وہ ٹوٹ گئی۔

''میں کیا کروں۔ اب میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اماں نے تو زمین کا سوچ لیا ہے اور شاید یہ ٹھیک بھی ہے۔ میرا اس کا کیا جوڑ۔ وہ اچھی شکل و صورت کا ہینڈسم لڑکا ہے اور مجھ سے چھوٹا بھی۔''

''سال دو سال سے کوئی فرق نہیں پڑتا پھر دیکھنے میں تو وہی بڑا لگتا ہے۔ لمبا چوڑا۔'' اس کے اندر کھد بد ہونے لگی۔ وہ جتنا اس کی نفی کرتی، اسی قدر وہ حاوی ہو رہا تھا۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ اس کے بعد پھر یزدانی کا فون نہیں آیا اور اسے انتظار بھی نہیں تھا کیونکہ وہ بہت پہلے اسے جان گئی تھی اور اب یہ بھی جان لیا تھا کہ یزدانی اس سے دامن بچانے کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا، جو اسے شانی کی صورت میں مل گیا تھا یا شاید اس کا مقصد ہی اسے شانی کا احساس دلانا تھا۔ بہرحال وہ اپنے آپ میں بڑا عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔ اسی روز سے جب سے اس نے یزدانی کی اصلیت جانی تھی۔ تب سے وہ اپنے آپ میں ہرٹ ہو رہی تھی اور اس دوران کتنی بار اس کا دل چاہا کہ وہ اسے بتا دے کہ وہ اسے بے وقوف نہیں بنا سکتا لیکن پھر یہ سوچ کر رہ گئی کہ آخر وہ کہاں تک جاتا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے اور اب مقصد سمجھ میں آ رہا تھا تو وہ خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔ اگر اماں نے شانی کے ساتھ زمین کا نام نہ لیا ہوتا تب تو اس کے لئے اس سارے کھیل کا ڈراپ سین بے حد دلچسپ تھا لیکن اب اسے خاموش ہی رہنا تھا۔

اس شام وہ آفس سے لوٹی تو شرمین جانے کب سے آئی ہوئی تھی جو اس وقت جانے کو تیار کھڑی تھی۔

اس سے گلے ملتے ہی کہنے لگی۔

''اچھا سوہنی! میں جا رہی ہوں۔''

''کیا مطلب۔ ابھی تو میں آئی ہوں۔'' اس نے کہا تو شرمین ہنس کر بولی۔

''میں تو بہت دیر سے آئی ہوئی ہوں اور ہمیں ابھی ایک اور جگہ جانا ہے، اس لئے رک نہیں سکتی۔ اچھا خدا حافظ۔'' شرمین عدیل کا اشارہ دیکھ کر جلدی سے خدا حافظ کہہ کر چلی گئی تو وہ یونہی اماں کو دیکھنے لگی۔

''چلو منہ ہاتھ دھو لو۔'' اماں جانے کیوں نظریں چرا کر چل پڑی تھیں، وہ سمجھ نہیں سکی لیکن الجھتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

''پتا نہیں سب لوگ واقعی مشکوک حرکتیں کرنے لگے ہیں یا میں بہت وہمی ہو گئی ہوں۔''

وہ منہ دھونے سے کپڑے بدلنے تک ہی سوچتی رہی پھر کھانے کے دوران کھوجتی ہوئی نظروں سے اماں اور ابا کو دیکھا لیکن کچھ سمجھ نہیں پائی۔ البتہ یہ ضرور محسوس کیا کہ اماں خاصی عجلت میں تھیں اور اس عجلت سے جب وہ کھانے کے بعد اپنے کمرے میں آئی تو اس کے پیچھے چلی آئی تھیں۔

''اس نوکری نے تمہیں کسی جوگا نہیں رکھا۔ سب سے دور ہو گئی ہو۔ عزیز رشتہ داروں کو تو چھوڑو، گھر والوں کے ساتھ دو گھڑی بیٹھنے کی فرصت نہیں ہے تمہارے پاس۔'' اماں کہتے ہوئے اس کے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

''شرمین کب آئی تھی؟'' اس نے ان کی باتوں کے جواب میں قصداً کچھ نہیں کہا۔

''شام سے کچھ پہلے۔ میں نے کہا بھی رات کا کھانا کھا کر جانا لیکن اب بیاہی لڑکیوں پر تو زور نہیں چلتا میاں کی مرضی سے آتی جاتی ہیں۔ خیر اپنے گھر میں خوش رہیں۔'' اماں کچھ زیادہ بول رہی تھیں، جب ہی وہ ٹھٹکی اور ان کے پاس آ بیٹھی۔

''اپنے گھر میں تو خوش ہے نا شرمین!''

''ہاں، اللہ کا شکر ہے۔ ابھی وہ تمہارے لئے آئی تھی۔'' اماں اب اصل بات کی طرف آئیں۔ ''کہہ رہی تھی، عدیل کا چچا زاد ہے۔ ماشاء اللہ پڑھا لکھا اور اچھی پوسٹ پر کام کر رہا ہے۔ دو چھوٹے بچے ہیں۔ بیوی دوسرے بچے کی پیدائش پر انتقال کر گئی تھی۔ اگر تم......''

''میں......'' وہ سناٹوں میں گھر گئی۔

''بیٹا! کنوارے لڑکوں کی ڈیمانڈز تم نے دیکھ لیں۔ کتنے رشتے آئے، خود چاہے کیسے بھی تھے، لڑکی خوبصورت اور کم عمر چاہے پھر مزید انتظار میں تو تمہاری عمر اور نکل جائے گی۔'' اماں نرمی سے سمجھانے لگی تھیں۔

''یہ مت سمجھنا کہ ہم تمہیں بوجھ سمجھ کر اتار پھینکنا چاہتے ہیں بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ ہم ماں باپ ہمیشہ تو تمہارے سر پر نہیں بیٹھے رہیں گے۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ہمارے سامنے اپنے گھر کی ہو جاؤ گی تو ہم بھی قبر میں اطمینان سے جا سوئیں گے۔''

''کیا واقعی مجھے رنڈوے دو بچوں کے باپ کے پلے باندھ کر آپ اطمینان سے ہو جائیں گی۔'' اس کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی چبھن تھی۔

''تو بیٹا! جیسا تم چاہتی ہو ویسا میں کہاں سے لاؤں۔'' اماں نے کہا تو وہ بری طرح بکھر گئی۔

''میں کچھ نہیں چاہتی۔ کب میں نے آپ سے کچھ چاہا۔ اپنی کم روئی اور کم نصیبی کا شکوہ میں نے آپ سے تو کبھی نہیں کیا جو آیا مجھے ریجیکٹ کر گیا۔ میں نے تو کسی کو ریجیکٹ نہیں کیا جو آپ

یہ کہہ رہی ہیں کہ جیسا میں چاہتی ہوں۔ میں کیسا بھی نہیں چاہتی۔ آپ اپنے اطمینان کے لئے مجھے سولی چڑھانے کا نہ سوچیں۔ چھوڑ دیں میری فکر۔"

"کیسے چھوڑ دوں۔ کیا تم میری اولاد نہیں ہو۔ تمہارے لئے تو میں سب سے زیادہ سوچتی ہوں۔"

اماں آبدیدہ ہوگئی تھیں۔

"کوئی ضرورت نہیں، میں کوئی بچی نہیں ہوں۔ ایم اے پاس فرفر انگریزی بولنے والی آپ کی لائق فائق بیٹی ہوں اور اب آپ مجھے بیٹی نہیں، بیٹا سمجھیں۔"

اماں کے آنسوؤں سے وہ فوراً پگھل کر ان کی دلجوئی کرنے لگی تھی۔

"اور یہ ابھی سے آپ کو مرنے کی کیا فکر ہوگئی۔ جلدی مچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی آپ نے نواسے نواسیوں کی خوشیاں دیکھنی ہیں۔"

"اللہ دکھائے۔"

"ضرور دکھائے گا اور ہاں اماں! وہ شانی نہیں آیا۔"

"آپ نے بتایا تھا وہ بہن کی شادی کا بلاوا دینے آنے والا تھا۔" اس نے اماں کا دھیان بٹانے کی خاطر موضوع ہی بدل دیا۔

"ہاں آج دن میں اس کا فون آیا تھا۔ پر لائنوں میں ایسی گڑ بڑ تھی کہ اس کی آواز سنائی ہی نہیں دے رہی تھی۔ پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا۔ ہوسکتا ہے اپنے آنے کا بتا رہا ہو۔" اماں نے بتا کر خیال بھی ظاہر کیا تو وہ پوچھنے لگی۔

"میں فون کرلوں اسے؟"

"کرلو، ہمیشہ وہی کرتا ہے۔" اماں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"نمبر کیا ہے اس کا؟"

"وہیں ڈائری میں لکھا ہوگا۔" اماں نے بتایا تو وہ ٹیلی فون سیٹ کے ساتھ ڈائری بھی لے کر واپس کمرے میں آگئی اور کچھ دیر سوچنے کے بعد اس کے نمبر ملائے تو دوسری طرف کسی لڑکی کی آواز تھی۔

"مجھے شانی سے بات کرنا ہے۔" اس نے فوراً کہہ دیا۔

"آپ کون ہیں؟" لڑکی خاصے سلجھے ہوئے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"میں سوہنی ہوں۔" اس نے بتایا تو ادھر وہ بہت مشتاق ہوگئی۔

"ہائے آپ سوہنی ہیں۔ بھائی آپ کا بہت ذکر کرتے ہیں۔ اور پتا ہے۔" اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ جیسے اس سے ریسیور چھینا گیا تھا پھر شانی کی آواز آئی۔

"ہیلو۔"

"کیسے ہو؟" اس کی آواز میں آپ ہی آپ دھڑکنوں کی لے شامل ہوگئی تھی اور شانی کا وہی پرانا انداز تھا۔

"گاؤں کی آب و ہوا نے بہت اچھا اثر ڈالا ہے۔ بہت خوبصورت ہوگیا ہوں۔ دیکھو گی تو انگلیاں کاٹ ڈالو گی اپنی۔"

"اچھا......" وہ ذرا سا ہنسی۔

"مذاق نہیں کر رہا۔ خیر تم بتاؤ، آج کیسے میری یاد آگئی؟" اس نے پوچھا تو وہ سہولت سے کہنے لگی۔

"وہ ابھی اماں نے بتایا کہ دن میں تمہارا فون آیا تھا لیکن ٹھیک سے بات نہیں ہوسکی پھر انہوں نے تمہیں فون کرنے کو کہا تو میں نے کر دیا۔"

"اماں کے کہنے سے۔ تمہیں کبھی خیال نہیں آتا میرا۔" وہ اس کی بات سے بددل ہو کر بولا۔

"آتا ہے۔" اس نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

"بس جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی اور بات کرو۔"

"اور کیا بات؟"

"یزدانی کا بتاؤ، معاملہ کہاں تک پہنچا۔ یار! جلدی کرو مجھے تمہاری شادی میں بھنگڑا ڈالنا ہے۔" اس نے کہا تو وہ ہنس کر بولی۔

"اب صرف تمہارے بھنگڑے کی خاطر تو میں شادی نہیں کرسکتی۔"

"کیا مطلب؟"

"میں نے یزدانی کو ہمیشہ کے لئے خدا حافظ کہہ دیا ہے۔" اس نے کہا تو وہ احتجاجاً چیخا۔

"کیوں، کیوں؟"

"تم ہی نے تو کہا تھا کہ میں خود کو غیر اہم نہ سمجھوں۔ اس لئے اب وہ میرے معیار پر پورا نہیں آتا۔"

"کس لحاظ سے" وہ اپنے آپ خائف ہوگیا تھا۔

"ہر لحاظ سے۔ تعلیم، شکل و صورت، پرسنالٹی۔ کسی لحاظ سے بھی تو وہ اٹریکٹو نہیں ہے۔"

وہ اپنا سارا دھیان اس کی طرف رکھ کر بول رہی تھی۔

''تم ......ملی ہو اس سے؟'' اس کی آواز مدھم ہو گئی تھی۔

''ہاں، وہ بہت اصرار کر رہا تھا پھر میں نے بھی سوچا کہ جو بھی فیصلہ کرنا ہے کر ڈالوں۔ یوں اس سے ملنے کے بعد میں نے منع کر دیا۔'' وہ روانی سے جھوٹ بول رہی تھی۔

''اچھا......'' وہ الجھ کر بولا۔ ''مجھے یقین نہیں آیا۔''

''چلو جب تمہیں یقین آ جائے تب بتا دینا پھر بات کریں گے۔ اللہ حافظ۔'' اس نے فون رکھ دیا اور اس کی کیفیت سوچتے ہوئے ہنسی تھی۔

☆

چھٹی کا دن تھا، ناشتے کے بعد اس نے واشنگ مشین لگا لی اور گھر بھر کے کپڑوں کے علاوہ چادریں اور پردے بھی اتار لئے تھے۔ اماں منع کرتی رہ گئیں۔

''ایک دن چھٹی کا ملتا ہے، آرام کر لو۔'' لیکن وہ نہیں مانی کپڑوں کی دھلائی کے ساتھ ساتھ کچن بھی دیکھتی رہی تھی۔ یوں کھانا بھی وقت پر تیار ہو گیا۔ اس کے بعد وہ لمبی تان کر سو گئی تھی پھر شام سے کچھ پہلے شرمین نے اسے اٹھایا تو اس کے ہاتھ میں چائے دیکھ کر وہ فوراً اٹھ بیٹھی اور کپ لیتے ہوئے بولی۔

''یہ تم کس کام سے لگ گئیں؟''

''چائے بنانا تو کوئی کام نہیں ہے۔'' شرمین نے بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

''رہو گی یا ہمیشہ کی طرح جلدی میں آئی ہو؟''

''جلدی میں تو نہیں آئی لیکن رہوں گی بھی نہیں۔ تم سناؤ، آج بڑی دھلائیاں کر لیں۔ پردے وردے سب۔''

''ہاں، عید بھی تو آ رہی ہے۔'' اس نے کہہ کر چائے کا گھونٹ بھرا پھر شرمین کو گومگو کی حالت میں دیکھ کر خود ہی کہنے لگی۔ ''تم پچھلی بار عدیل کے کسی رشتہ دار کا پرپوزل لائی تھیں۔ مجھے اماں نے بتایا تھا۔''

''پھر کیا سوچا تم نے؟'' شرمین نے فوراً پوچھا۔

''کچھ نہیں۔ میرا مطلب ہے، سوچا تو وہاں جاتا ہے، جہاں کوئی گنجائش ہو اور میں نے تو اسی وقت اماں کو منع کر دیا تھا۔ کیا اماں نے تمہیں نہیں بتایا۔'' وہ بہت سکون سے بول رہی تھی۔

''میں نے اماں سے نہیں پوچھا لیکن تم نے منع کیوں کیا؟'' شرمین کو اس کا صاف جواب

پسند نہیں آیا تھا۔

''کیونکہ مجھے کسی رنڈوے سے شادی نہیں کرنی۔'' وہ اب بھی آرام سے تھی۔

''ایک یہی عیب ہے ان میں، باقی ہر لحاظ سے بہت اچھے ہیں۔ تم ایسا کرو ایک بار انہیں دیکھ لو بلکہ میں ملوا بھی سکتی ہوں۔ اس کے بعد میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ تم انکار نہیں کرو گی۔'' شرمین نے اسے اکسانے کی کوشش کی۔

''میں انکار کر چکی ہوں شرمین اور اب تم خواہ مخواہ مجھ پر وقت ضائع کرنے کی بجائے اپنے جیٹھ جی کے لئے کوئی اور لڑکی دیکھو۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تو شرمین جز بز ہو کر بولی۔

''تم غلطی کر رہی ہو۔''

''اگر تم یہ اس لئے کہہ رہی ہو کہ میں معمولی شکل و صورت کی لڑکی ہوں اور مجھے کوئی اچھا رشتہ نہیں ملے گا تو نہ ملے۔ میں کسی ایرے غیرے کو بھی قبول نہیں کروں گی۔ سمجھیں تم۔'' اس نے ضبط کا دامن نہیں چھوڑا تھا۔

''وہ کوئی ایرے غیرے نہیں ہیں سوہنی!'' شرمین زچ ہوئی تھی۔

''سنو۔ اگر تم پر عدیل یا اس کے گھر والوں کی طرف سے دباؤ ہے تو بتاؤ۔ میں عدیل سے بات کر لیتی ہوں۔'' اس نے شرمین کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا وہ نظریں چرا کر بولی۔

''نہیں، وہ کیوں دباؤ ڈالیں گے۔ میں نے خود ہی سوچا پھر عدیل سے کہہ دیا۔''

''تو اب یہ بھی کہہ دو کہ میں نے صاف منع کر دیا ہے۔'' وہ شرمین کی مجبوری سمجھنے کے باوجود اپنی بات سے نہیں ہٹی۔

''تمہاری مرضی لیکن یہ سوچ لینا کہ کوئی آسمان سے اتر کر نہیں آئے گا۔'' شرمین کہتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی اور وہ تاسف سے اس کے پیچھے دیکھنے لگی۔ اسے واقعی افسوس بلکہ دکھ ہو رہا تھا کہ اس کے اپنے ہی اسے غیر اہم سمجھ کر پھینک دینا چاہتے ہیں۔

''کیا صورت شکل ہی سب کچھ ہوتی ہے؟''

''کیا قسمتیں بھی صورتیں دیکھ کر لکھی جاتی ہیں۔''

''نہیں، اگر ایسا ہوتا تو سب اچھی صورتوں والے قسمت کے دھنی ہوتے۔''

''پتا نہیں دھن، دولت اور حسن کو ہی قسمت کیوں سمجھ لیا گیا ہے۔ میں تو یہ سب نہیں چاہتی۔ مجھے تو محبت کی تمنا ہے، صرف محبت اور اماں، شرمین اس میں بھی ڈنڈی مارنا چاہتی ہیں کہ میں اس رنڈوے سے شادی کر لوں جس کا دل پہلے ہی خالی ہو چکا ہے اور اگر نہیں، تب بھی مرنے

والی کی محبت اور یاد کو تو ضرور اس نے ایک کونے میں مقفل کر دیا ہوگا اور میں بقیہ ساری زندگی وہ قفل کھولنے میں گزار دوں۔ نہیں، مجھے محبت نہیں ملتی نہ ملے۔ میں محبت کی جنگ نہیں لڑوں گی۔''

اس کا ذہن مسلسل ان ہی سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، جب ہی وہ کوئی کام نہیں کر پا رہی تھی۔ صبح اماں سے خواہ مخواہ الجھ پڑی تھی اور بغیر ناشتہ کئے چلی آئی اور ابھی لنچ بریک میں جب اس کی کولیگ نے بلایا تو اسے بھی منع کر دیا۔ حالانکہ بھوک لگ رہی تھی لیکن کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ عجیب سی جھنجلاہٹ اور بے بسی کا شکار تھی۔ بڑی مشکل سے کچھ ضروری کام نمٹائے پھر دو تین روز کی چھٹی لینے کا سوچ کر اسی وقت درخواست لکھنے بیٹھ گئی لیکن یہ کام بھی ادھورا رہ گیا کہ کوئی ٹیبل کے قریب آ کے کہہ رہا تھا۔

''ایکسکیوزمی۔ مجھے مس سوہنی سے ملنا ہے۔''

''جی۔'' اسے پوری گردن اونچی کرنا پڑی تھی۔

''آپ مس سوہنی؟'' اس نے تصدیق چاہی۔

''جی!'' وہ یہی سمجھی کوئی کلائنٹ ہے جب ہی بیٹھنے کا اشارہ بھی کیا۔

''تھینک یو۔'' وہ بیٹھ گیا، تب کہنے لگا۔ ''میرا نام بلال ہے۔ میں عدیل کا فرسٹ کزن ہوں اور آپ غالباً شرمین کی بہن۔''

''جی!۔'' وہ یکدم ٹھٹکی تھی۔

''مجھ سے شرمین نے کہا کہ میں آپ سے مل لوں۔ اس نے یقیناً آپ کو میرے بارے میں بتایا ہوگا۔''

وہ اپنے انداز سے بے حد سلجھا ہوا اور مہذب لگ رہا تھا، جب ہی وہ مشکل میں پڑ گئی کہ ایسے شخص کو چاہنے کے باوجود فوراً دوٹوک جواب نہیں دیا جا سکتا تھا جبکہ شرمین پر اسے غصہ آ رہا تھا کہ اس کے منع کرنے کے باوجود اس نے اس شخص کو کیوں بھیجا۔

''جی شاید بتایا تو تھا۔'' وہ بالکل نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ اسے کیا رویہ رکھنا چاہئے۔

''مزید کچھ جاننا چاہیں تو آپ براہ راست مجھ سے میرے بارے میں پوچھ سکتی ہیں۔''

اس نے کہا تو وہ جزبز سی ہو کر بولی۔

''نہیں، مجھے شرمین نے سب بتا دیا ہے۔''

''پھر کیا سوچا آپ نے۔ اوہ سوری، شرمین کہہ رہی تھیں کہ آپ مجھ سے ملنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کر سکیں گی تو میں کب تک امید رکھوں۔ آئی مین آپ کو سوچنے اور فیصلہ کرنے میں کتنا

وقت لگے گا؟''

''زیادہ نہیں۔ میں شرمین کو بتاؤں گی۔'' اس نے اپنے اندر اٹھتے جوار بھاٹے پر بمشکل قابو پایا تھا۔

''او کے۔ مجھے اجازت۔'' اس کا پرتکلف انداز زیر کرنے والا تھا، وہ بس دیکھتی رہ گئی۔

اس کے اٹھنے سے جانے تک اسے خبر ہی نہیں ہوئی۔ شرمین نے ٹھیک کہا تھا کہ ایک صرف رنڈوے ہونے کا عیب ہے، باقی ہر لحاظ سے بہت اٹریکٹو ہیں پھر اسے یقین تھا کہ دیکھنے کے بعد وہ انکار نہیں کرے گی جب ہی اس کے منع کرنے کے باوجود بھی اس نے بلال کو بھیج دیا تھا۔

''عجیب پاگل لڑکی ہے۔'' وہ اچانک جھنجلا گئی اور اسی وقت شرمین کو فون کر ڈالا پھر اس کی آواز سنتے ہی بغیر سلام دعا کے شروع ہو گئی۔

''تم نے بہت غلط حرکت کی ہے شرمین! جب میں تمہارے جیٹھ کے لئے منع کر چکی تھی تو پھر تم نے ان سے غلط بیانی کیوں کی۔ یہ کیوں کہا کہ میں ان سے ملنے کے بعد فیصلہ کر سکتی ہوں۔ فیصلہ تو اسی وقت ہو گیا تھا۔''

''تو کیا بلال بھائی آئے تھے تمہارے پاس؟''

شرمین پر اس کے بگڑنے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ الٹا شوق سے پوچھا تو وہ اور چڑ گئی۔

''ہاں، آئے تھے اور میں نے بے عزت کر کے بھگا دیا ہے انہیں۔''

''ہائے، نہیں سوہنی! تم ایسا نہیں کر سکتیں۔''

''شرمین ڈر گئی۔''

''کر سکتی ہوں۔ اب اگر تم نے کوئی الٹی سیدھی بات کی تو یہی کروں گی۔ سمجھیں تم۔'' اس نے فون پٹخ دیا۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے، اس دوران شرمین دوبارہ آئی تھی لیکن اس سے بلال کا ذکر نہیں کیا، جس سے وہ مطمئن ہو گئی لیکن اماں مطمئن نہیں تھیں بلکہ انہیں اس پر شدید غصہ تھا جو بات بے بات ظاہر بھی ہو رہا تھا۔ نہ یہ خیال کرتیں کہ وہ آفس جا رہی ہے، نہ یہ احساس کہ وہ آفس سے تھکی ہاری آئی ہے۔ جو منہ میں آتا کہہ جاتی۔ کسی کسی وقت اس کا پھوٹ پھوٹ کر رونے کو دل چاہتا۔ اس وقت وہ بہت دل برداشتہ ہو رہی تھی۔

''میں کیا کروں۔ اگر میری شادی نہیں ہو رہی تو اس میں میرا کیا قصور اور شادی نہ ہونا کوئی گناہ، کوئی جرم تو نہیں ہے۔ اماں زبردستی مجھے مجرم بنانے پر تلی ہوئی ہیں۔ میں نہیں کروں گی

شادی، کبھی نہیں۔"

وہ سوچتی ہوئی چلتی چلی جا رہی تھی۔ سٹاپ کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔ اسے پتا بھی نہیں چلا، نہ ہی ٹریفک کا شور اس پر اثر انداز ہو رہا تھا اور نہ پر پھیلائی تاریکی کا احساس تھا۔ بہت دل گرفتہ سی بس اپنے قدموں کے آگے دیکھتے ہوئے چل رہی تھی کہ اچانک ایک گاڑی نے اس کا راستہ روک لیا۔ وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی اور گاڑی کے بجائے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"اِدھر اُدھر، میں اِدھر ہوں۔" اس آواز پر اس نے چونک کر دیکھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر شانی بیٹھا اسے متوجہ کر رہا تھا۔ اس کے دیکھنے پر فوراً اس کے لئے دروازہ کھول دیا لیکن وہ حیران کھڑی تھی۔

"بھئی میں ہی ہوں شانی، میرا بھوت نہیں ہے جو ایسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہو۔ جلدی بیٹھو۔"

شانی نے اس کے سامنے ہاتھ لہرا کر کہا، تب بھی پہلے اس نے اطراف کا جائزہ لیا پھر بیٹھ گئی۔

"کہاں جا رہی تھیں؟" شانی نے گاڑی بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"گھر۔" وہ ابھی تک اپنی سوچوں کے زیرِ اثر تھی۔

"پیدل۔" شانی نے بے پناہ حیرت کا اظہار کیا۔

"نہیں، سٹاپ سے وین مل جاتی۔ خیر تم سناؤ۔ کیسے ہو، کب آئے؟" اتنی دور پیدل چلنے کے باعث اس کے لہجے میں بھی تھکن اتر آئی تھی۔

"مجھے آئے تین چار دن ہو گئے ہیں۔ میں اصل میں گاڑی لینے آیا تھا۔ آج ملی ہے تو رجسٹریشن وغیرہ کروا کر اب تمہاری طرف جا رہا تھا۔ اچھا ہوا تم یہیں مل گئیں۔ چلو پہلے تمہیں پُرتکلف ریفرشمنٹ ......"

"نہیں نہیں۔" وہ فوراً بولی۔ "بہت دیر ہو گئی ہے۔ اماں پریشان ہو جاتی ہیں۔ بس سیدھے گھر چلو۔"

"اماں کی پریشانی کا خیال ہے تو میں انہیں فون کر دیتا ہوں۔" اس نے موبائل نکال کر اس کے گھر کا نمبر ملا دیا اور اس کی ایک نہیں سنی۔ اماں سے بات کرنے کے بعد اسے دیکھ کر مسکرایا تو وہ سر جھٹک کر بولی۔

"عجیب ہو تم۔"

"ہمیشہ تمہیں ہی گلہ رہا ہے۔ کیا کروں، بہت کوشش کرتا ہوں تمہارے جیسا بن جاؤں لیکن......"

اس نے کندھے اچک کر بات پوری کی پھر کتنی دیر اس کے بولنے کا انتظار کرنے کے بعد پوچھنے لگا۔

"سنو، تم بدل گئی ہو یا مجھے بدلی بدلی لگ رہی ہو؟"

"تمہیں کس لحاظ سے بدلی ہوئی لگ رہی ہوں؟"

وہ الٹا اس سے پوچھنے لگی۔

"اتنی سنجیدہ تو نہیں تھیں اور ابھی تو رنجیدہ لگ رہی ہو۔ کیا بات ہے؟" اس نے بیک ویو مرر میں اس پر سوالیہ نظر ڈالی۔

"میں نہ سنجیدہ ہوں، نہ رنجیدہ۔ سارا دن آفس میں مغز ماری کے بعد اب گھر جا کر فریش ہو سکتی ہوں لیکن تم جس رفتار سے گاڑی چلا رہے ہو تو شاید صبح تک ہم گھر پہنچ سکیں۔" اس نے کہا تو وہ اسپیڈ بڑھا کر چند منٹوں میں ایک ریسٹورنٹ کے سامنے آ رکا۔ وہ بغیر کچھ کہے اتر کر اس کے ساتھ اندر آ گئی کیونکہ جانتی تھی کہ وہ اس کی ایک نہیں سنے گا۔ مینیو پر بھی شانی نے اپنی مرضی سے نشان لگائے پھر اس کی طرف متوجہ ہوا تب وہ پوچھنے لگی۔

"ابھی مزید رکو گے یا جلدی واپسی کا پروگرام ہے؟"

"کچھ دن رہوں گا۔ ایک دو اور کام ہیں۔ وہ کر کے جاؤں گا۔ دعا کرو، میرے کام جلدی ہو جائیں۔"

"اللہ مالک ہے۔ ویسے تم گاؤں میں کیسے رہتے ہو۔ میرا مطلب ہے کراچی جیسے شہر میں رہ کر اب وہاں تمہیں عجیب سا نہیں لگتا۔" وہ اپنی ذات کو موضوع نہیں بننے دینا چاہتی تھی، اس لئے بات یوں شروع نہیں کی۔

"نہیں۔ مجھے یہاں عجیب لگتا تھا۔ اتنی افراتفری کہ سانس لینا مشکل پھر کسی کو کسی کی پرواہ ہی نہیں، سب اپنے آپ میں مگن۔ وہاں ایسا نہیں ہے، سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ صبح گھر سے نکلو تو ہر دوسرے قدم پر کوئی نہ کوئی گلے ملتا ہے اور یہاں ہاتھ ملاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔" آخر میں وہ ذرا سا ہنسا تھا۔

"بڑے شہروں میں ایسا ہوتا ہے۔" وہ لاپروائی سے بولی تھی۔

"ہاں، سب کا اپنا مزاج ہے تم اگر وہاں جاؤ تو شاید تمہیں وہاں اچھا نہ لگے۔" اس نے

کہا تب ہی ویٹر اس کا آرڈر لے کر آ گیا تو اتنے لوازمات دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی۔

''شانی! یہ اتنا کچھ کون کھائے گا؟''

''جتنا کھا سکے باقی پیک کروا لیں گے۔ لو پہلے تو میری نئی گاڑی کی خوشی میں مٹھائی۔'' اس نے مٹھائی کی پلیٹ اس کے سامنے کی تو وہ چمچے سے منہ میں رکھ کر بولی۔

''مبارک ہو۔'' پھر بظاہر معصومیت سے پوچھنے لگی۔ ''گاڑی سے ہل چلاؤ گے؟''

''کیا، کبھی سنا بھی ہے گاڑی سے ہل چلانے کا۔'' وہ اچھلا۔

''نہیں اور میں نے تو یہ بھی نہیں سنا تھا کہ ایم ایس سی پاس ہاتھوں سے ہل چلانے سے ایم ایس سی بچے پیدا ہوتے ہیں۔'' وہ کہہ کر ہنسنے لگی۔

''شکر، تم ہنسیں تو۔ ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا کوئی روگ پال لیا ہے تم نے اور اب بقیہ ساری زندگی تمہاری روتی ہوئی شکل دیکھنا پڑے گی۔'' اس نے گہری سانس کھینچ کر کہا تو اس کی دوسری بات پر وہ چونکی لیکن اس کا چہرہ بالکل سادہ تھا جیسے روانی میں کہہ گیا ہو۔ تب وہ ٹائم دیکھ کر بولی۔

''چلو شانی بہت دیر ہو گئی۔''

''اونہہ۔ پہلے بتاؤ، تمہیں کیا پریشانی ہے۔ تمہارے دل پر، ذہن پر کیا بوجھ ہے۔ دیکھو جھٹلانا مت۔'' وہ اس کی بات یکسر ان سنی کر کے بہت سنجیدگی سے اس کا محاسبہ کرنے لگا۔

''ابھی سڑک کنارے تم یوں چل رہی تھیں، جیسے دنیا سے دور چلی جانا چاہتی ہو اور ایسا تو تب ہوتا ہے جب دل کرچی کرچی ہو رہا ہو۔ بتاؤ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے۔''

''کچھ نہیں، کچھ نہیں ہوا میرے ساتھ۔ پتا نہیں تمہیں ایسا کیوں لگا، ورنہ میرے دل اور ذہن پر کوئی بوجھ نہیں۔ ہاں البتہ ایک سوچ ضرور تھی۔ کہو تو بتا دوں؟'' اس کے برعکس وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر آخر میں مسکرائی بھی تھی۔

''بتاؤ۔'' وہ اندر سے جھنجھلایا تھا کہ وہ اس پر گرفت کرنے میں ناکام کیوں ہو جاتا ہے۔

''میں ایک پرپوزل کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ شرمین کے سسرال سے آیا ہے۔''

اسے فوری طور پر یہی بات سوجھی اور وہ بے چین ہو گیا۔

''پھر کیا سوچا۔ آئی مین کس نتیجے پر پہنچی؟''

''شاید کسی نتیجے پر پہنچ جاتی لیکن درمیان میں تم آ گئے۔ اب خدا کے لئے چلو، مجھے کل آفس بھی جانا ہے۔'' وہ پھر بات بدل گئی۔

''تو......؟''

''تو جلدی سوؤں گی تو جلدی اٹھوں گی۔ اب میری یہی روٹین ہے۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم چلو، میں یہ سب پیک کروا کے آتا ہوں۔'' وہ کچھ ناراضی سے بولا تو وہ جلدی آنے کا کہہ کر باہر نکل گئی۔

پھر واپسی کے راستے میں وہ اسے اپنے بارے میں بتانے لگا۔

''ہل چلانے والی بات میں نے مذاق میں کہی تھی۔ ویسے ہماری تھوڑی بہت زمین ہے جس پر سبزیاں کاشت ہوتی ہیں اور مجھے کاشتکاری کا شوق بھی ہے لیکن ہمارا اصل بزنس کھاد اور میڈیسن کا ہے ہم پورے ملک میں کھاد سپلائی کرتے ہیں اور آئندہ دو تین سالوں میں ایکسپورٹ بھی کرنے لگیں گے اور میرے فادر کی میڈیسن فرم ہے میں آج کل وہیں کام کر رہا ہوں۔''

وہ تفصیل سے بتا رہا تھا اور ایک وہی بات نہیں کہی جو وہ سننا چاہتی تھی۔

☆

شانی نے اس سے کہا تھا کہ آج وہ اسے آفس سے پک کر لے گا لیکن اس نے موقع ہی نہیں دیا اور وقت سے پہلے گھر آ گئی جس پر اماں تشویش سے پوچھنے لگیں۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔''

''جی اماں! آج کچھ زیادہ کام نہیں تھا، اس لئے جلدی آ گئی۔'' وہ اماں کو اطمینان دلا کر اپنے کمرے میں آ گئی اور ابھی چینج کرنے کے لئے کپڑے نکالے تھے کہ اماں آ کر کہنے لگیں۔

''سنو، آج دن میں شانی آیا تھا۔ بتا رہا تھا ایک دو دن میں اس کے اماں ابا بھی آنے والے ہیں۔ تمہیں اس نے کچھ بتایا، کس سلسلے میں آ رہے ہیں؟''

''نہیں۔'' اس نے مختصر جواب دیا تو اماں سوچتے ہوئے بولیں۔

''شاید رشتے کی بات کریں۔''

''اماں! یونہی نہ کسی سے امید باندھ لیں۔ ہو سکتا ہے جن کے ہاں وہ ٹھہرا ہے، ان ہی کی کوئی لڑکی ہو۔''

''اس نے دھیرج سے ٹوک کر کہا تو اماں نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

''نہیں، مجھے شانی کا ارادہ اسی گھر کا لگ رہا ہے۔''

''آپ سے کچھ کہا اس نے۔'' اس کا دل ڈرنے لگا جیسے سبک خرا جھولے میں آن گرا ہو۔

''براہ راست تو کچھ نہیں کہا۔ میں نے اس کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے کہ اس کے ماں

باپ خاص اسی مقصد سے آرہے ہیں۔ اب دیکھو کس کی قسمت کھلتی ہے، تمہاری یا زمین کی۔ اماں آرام سے قسمت کو الزام دے کر خود بری الذمہ ہوگئی تھیں اور اس کے لئے مزید انکے سامنے کھڑے رہنا مشکل ہوگیا۔ فوراً واش روم میں بند ہوگئی۔ پہلے کپڑے بدلے پھر واش بیسن کا نل پورا کھول دیا اور منہ پر چھپاکے مارنے لگی۔ خود اسے پتا نہیں تھا کہ وہ رو رہی ہے، آنسو پانی کے ساتھ بہہ رہے تھے پھر دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیوں سے چہرے کا پانی گراتی ہوئی واش روم سے نکلی تو شانی بڑے آرام وہ انداز میں بیٹھا تھا، اسے دیکھتے ہی کہنے لگا۔"

"بڑی دغا باز ہو۔ مجھے ٹائم دے کر خود بھاگ اٹھیں۔ پتا ہے میں آدھا گھنٹہ وہاں کھڑا رہا پھر آفس جا کر معلوم کیا تو پتہ چلا تم جا چکی ہو۔ میرا انتظار نہیں کرسکتی تھیں۔"

"سوری۔ انتظار احمق لوگ کرتے ہیں۔"

"پھر تو میں دنیا کا سب سے بڑا احمق ٹھہرا۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیوں؟" اس نے بے اختیار اسے دیکھا تو وہ چونک کر پوچھنے لگا۔

"تم رو رہی تھیں؟"

"نہیں۔" اس نے کوشش سے خود کو نظریں چرانے سے روکا تھا۔

"تمہاری آنکھیں لال ہو رہی ہیں۔" شانی کو گئے دنوں کی بات یاد آئی اور اسے ابھی۔

"آنکھوں کی لالی صرف رونے کو تو ظاہر نہیں کرتی۔ اچانک بہت زیادہ خوشی ملنے سے بھی آنکھوں میں لالی اتر آتی ہے۔ ویسے ابھی میری آنکھوں میں صابن چلا گیا تھا۔" اس نے آخر میں بات اڑائی تو وہ اس پر نظریں جما کر بولا۔

"سنو، کیوں چھپاتی ہو خود کو۔ مجھے یزدانی نے سب بتا دیا ہے۔"

"یزدانی!۔" وہ ہنسی۔

"ہاں، وہ میرے پاس آیا تھا۔ یہ بتانے کہ تم مجھے بہت مس کرتی ہو اور تم نے میری وجہ سے ہی اسے ریجیکٹ کیا ہے کیونکہ تم مجھے پسند کرتی ہو۔"

"تم ......" وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن کسی غیر مرئی طاقت نے اس کی قوت گویائی سلب کر لی تھی۔ البتہ آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے جس سے وہ یہی سمجھا کہ شدید غصے کے باعث بول نہیں پا رہی۔

"غصے میں تم ...... خیر چھوڑو، یہ تعریف بعد میں۔ پہلے میں اپنی بات پوری کروں گا۔ ہاں تو مجھے یزدانی نے سب بتا دیا جب ہی تو میں بھاگا چلا آیا۔ یہ بتانے کہ میں بھی تمہیں پسند کرتا ہوں

اور اب سے نہیں بہت پہلے سے کیونکہ میری نظروں میں تم دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی ہو۔ تمہارے دل کے شفاف آئینے نے تمہیں وہ حسن عطا کیا ہے جس سے شاید تم بھی بے خبر ہو۔ سن رہی ہو نا۔"

وہ سن رہی تھی اور اب قوت گویائی بھی لوٹ آئی تھی لیکن قصداً خاموش تھی اور وہ پھر گویا ہوا۔

"تمہارے سامنے میں خود کو بونا محسوس کرتا ہوں لیکن میری محبت بونی نہیں ہے۔ ہزار ہا رنگ ہیں اس میں اور صرف تمہارے لئے۔ یقین نہ آئے تو میرے اندر جھانک کر دیکھو۔ دل کے ہر کونے ہر راہداری میں تمہیں اپنی پکار سنائی دے گی۔ اس سے زیادہ میں اور کیا کہوں۔"

"کچھ نہیں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"لیکن تم ضرور کچھ کہو۔" وہ بے تاب ہوا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر بے بسی ظاہر کرتے ہوئے بولی۔

"نہیں شانی! میں شاید نہ کہہ سکوں یا شاید تم نہ سمجھ سکو۔ بس اتنا سن لو کہ میں اس بات سے خوش ہوں کہ مجھے محبت کی جنگ نہیں لڑنا پڑی۔"

"کیا مطلب۔۔" اس نے پوچھا تو وہ یوں مسکرائی جیسے تم سدا کے کوڑھ مغز ہو اور وہ سمجھ کر جھنجھلایا۔

"صاف لفظوں میں نہیں کہہ سکتیں کہ تم میری محبت پر ایمان لے آئی ہو اور وہ تو تمہیں لانا ہی تھا کیونکہ اس ساری دنیا میں تمہیں چاہنے والا ایک صرف میں ہی ہوں۔ وہ دوسرا کوئی پیدا نہیں ہوا اور اگر ہوتا تو میں......"

"بس۔" اس نے اسے کمرے سے باہر دھکیل کر دروازہ بند کر لیا پھر اپنا موبائل اٹھا کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی اور پہلے جھانک کر اسے دیکھا، وہ برآمدے میں کھڑی اماں سے جانے کیا کہہ رہا تھا۔ عادت کے مطابق نان سٹاپ بولے جا رہا تھا، تب اسے خاموش کرانے کے لئے اس نے اپنے موبائل پر یزدانی کا نمبر پش کر دیا اور اگلے پل اسے بوکھلا کر باہر بھاگتے دیکھ کر بے ساختہ ہنسی پھر موبائل کان سے لگا کر بولی۔

"تھینک یو یزدانی! آپ کی سے میں نے اپنی محبت پالی۔ وہ اسٹوپڈ لڑکا آگیا ہے میرے لئے۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے سیل آف کر دیا اور مسکرانے لگی۔ اس کی مسکراہٹ اس بات کی

غماز تھی کہ وہ اسے کبھی نہیں بتائے گی کہ ایک رات جب اس نے یزدانی کو فون کیا تھا تو ادھر وہ نیند میں بولا تھا۔

"کون ہے یار صبح بات کرنا۔" اور اچھا ہوا وہ نیند میں تھا، جب ہی تو وہ پہچان گئی تھی کہ وہ شانی ہے جو غالباً اس کے دل کا احوال جاننے کے لئے یزدانی کا روپ دھار لیتا ہے اور ابھی جب اس نے یزدانی کا نمبر ٹرپش کیا تھا اس کی جیب میں موبائل بجنے لگا تھا، جب ہی وہ بوکھلا کر باہر بھاگا تھا کہ کہیں وہ سن نہ لے اور اس نے سنا تو نہیں، بس کہہ دیا جو کہنا تھا۔

چلے تھے ہم جہاں سے

"پھر تم وہاں کیا کر رہی ہو، میرا مطلب ہے اکیلے گھر میں۔ یہاں آغا جی کے ہاں آجاؤ، سب جمع ہیں۔" اس نے مجھے اشتیاق دلایا۔

"سب جمع ہیں۔ کس خوشی میں؟" میں نے دل ہی دل میں قیاس کرتے ہوئے پوچھا۔

"ارے پورے چھ فٹ کی خوشی ہے۔"

"کون؟" میرا دل بیٹھنے لگا تھا۔

"خرم، خرم جاوید۔ اس گھر کا اکلوتا چشم و چراغ لوٹ آیا ہے پورے پانچ برس بعد۔" سونیا خوش ہو کر بتا رہی تھی اور میرے ہاتھ سے ریسیور پھسلنے لگا۔ ٹانگیں بھی کانپنے لگی تھیں۔

"پتا ہے رومی! وہ سب کے بڑے قیمتی قیمتی تحفے لایا ہے۔ تمہارا تحفہ اس نے کسی کو نہیں دکھایا۔ کہنے لگا، پہلے میں اسے دے دوں پھر تم اس کے پاس دیکھ لینا۔ تم صبح آؤ گی نا؟"

"سونیا پوچھ رہی تھی۔ میرے حلق سے کوشش کے باوجود آواز نہیں نکلی تو میں نے آہستہ سے ریسیور رکھ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ پھر خود کو گھسیٹتی ہوئی لاؤنج تک لائی اور صوفے پر ڈھے گئی۔"

"میری آنکھوں سے آنسو ایک تسلسل سے جاری ہو چکے تھے، جبکہ ذہن کچھ بھی سوچنے سے قاصر تھا اور دل جانے کس اتھاہ میں اتر گیا تھا۔ کتنی دیر بس روتی رہی۔ پھر فون کی بیل سے میرے سوئے اعصاب جیسے یک لخت بیدار ہو گئے تھے اور اس کے ساتھ ہی میں خوفزدہ ہو گئی۔ حالانکہ مجھے یاد تھا کہ گیارہ بجے معظم کا فون آئے گا اور گیارہ بج چکے تھے پھر بھی میری ہمت نہیں ہوئی فون تک جانے کی۔"

"مسلسل پانچ منٹ تک بیل بجتی رہی، پھر ایک دم خاموشی چھا گئی تو میں بہت نڈھال سی وہیں صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔"

"میرے خدا۔ ابھی تو میں اس زندگی سے مکمل طور پر سمجھوتہ نہیں کر پائی پھر وہ کیوں آ گیا۔ میں اس کا سامنا کیسے کروں گی۔ جو جاتے جاتے کہہ گیا تھا کہ میرا انتظار کرنا اور میں آخری

سانسوں تک اس کا انتظار کرسکتی تھی کیونکہ میں نے پوری ایمانداری سے اسے چاہا تھا لیکن۔"

"آغا جی کی تین اولادوں میں صرف تایا جی ہی اولاد نرینہ کی خوشی حاصل کر سکے تھے اور وہ اولاد نرینہ خرم جاوید تھا۔ جو ہم سب لڑکیوں کے درمیان راجہ اندر کی حیثیت رکھتا تھا۔ پھر بڑوں میں بھی اسے خاص اہمیت حاصل تھی اور اس بے جا اہمیت اور حمایت نے اسے انسان نہیں رہنے دیا تھا۔ اپنے آپ کو سب سے برتر اور کوئی آسمانی مخلوق سمجھتے ہوئے اس کا رویہ ہم سب کے ساتھ انتہائی ہتک آمیز ہوا کرتا تھا۔ ہم سب لڑکیوں پر اس کی بے پناہ دہشت تھی۔ یوں حکم چلاتا تھا جیسے ہم اس کی باندیاں ہوں اور جو اگر اس کے کسی کام میں تاخیر ہو جاتی تو چلا چلا کر سارا گھر سر پر اٹھا لیتا۔ اس پر بھی شامت ہماری ہی آتی تھی۔ آغا جی سے لے کر چھوٹی چچی تک کے سامنے جواب دہ ہونا پڑتا۔ سب ہمیں ڈانٹتے اور ساتھ وارننگ دیتے کہ آئندہ اس کے کسی کام میں تاخیر یا کوتاہی نہیں ہونی چاہئے اور پھر میں تو ویسے بھی شروع ہی سے امن پسند، صلح جو اور بزدل تھی۔ کہتے ہیں ناں کہ جو دبتا ہے اس کو دباتی ہے دنیا تو اپنی بزدلی کی بدولت سب سے زیادہ اس کے عتاب کا نشانہ میں ہی بنتی تھی اور وہ یقیناً میرا تماشہ دیکھتا تھا۔ بقول سونیا، خرم جاوید کو دیکھتے ہی میری روح فنا ہو جاتی ہے۔ چہرہ زرد، ہاتھ پاؤں ٹھنڈے اور آنکھیں کسی خوفزدہ ہرنی کی مانند جس کے سامنے اچانک شیر آجائے۔"

"گھر میں اس کی آمد کا احساس ہوتے ہی میں سب سے پہلے کسی کونے کھدرے میں چھپنے کا سوچتی اور اپنی سوچ پر فوراً عمل کرنے کے چکر میں ہی میں ہمیشہ اس سے ٹکراتی تھی اور اس کے بعد وہ میرا جو حشر کرتا، اس کا تصور بھی لرزا دیتا ہے۔ ان ساری باتوں کے باوجود پتا نہیں کب اور کیسے وہ مجھے اچھا لگنے لگا تھا۔ ہاں مجھے یاد آرہا ہے۔"

"اس روز اس نے مجھے اپنے کمرے میں بلا کر جوتے پالش کرنے کے لئے کہا تھا۔ میں بڑے انہماک سے اس کے جوتے پالش کرنے میں مصروف تھی اور پتا نہیں کب وہ میرے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ شاید دیکھ رہا تھا کہ میں ٹھیک سے پالش کر رہی ہوں یا نہیں۔"

"میرے دراز بالوں کی چوٹی جانے اس نے قصداً اپنے پاؤں کے نیچے دبالی تھی یا انجانے میں اس کے پاؤں تلے آگئی تھی۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا جب اپنے کام سے فارغ ہو کر اٹھنے لگی تو بڑے زور سے جھٹکا لگا، جس سے میرا توازن بگڑ گیا اور سنبھلنے کے چکر میں جس طرح میں نے بے اختیار اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس نے بھی ایسے ہی بے اختیار میرے پورے وجود کو سہارا دے دیا تھا اور پھر ایک پل بس ایک پل کو ہی دھڑکنیں ہم آہنگ ہوئی تھیں کہ میں ہار گئی۔"

"کیا ہوا ہے؟" خلاف توقع اس نے نرم لہجے میں پوچھا تھا۔

"میرے بال۔" میں اسی قدر کہہ سکی تھی۔

"کیا ہوا تمہارے بالوں کو؟"

"شاید تمہارے پیر تلے دب گئے تھے۔"

"ارے!" وہ زور سے ہنسا پھر میرے بالوں کی چوٹی تھام لی۔

"جب یہ سنبھالے نہیں جاتے تو اتنے لمبے کیوں کر لئے ہیں۔"

"خود ہی ہو گئے ہیں۔" میں اپنی بے ترتیب دھڑکنوں سے خائف ہو کر بول رہی تھی۔

"خود ہی۔" جانے کس موڈ میں تھا پھر ہنسا۔

"ویسے اچھے بال ہیں۔ مجھے لمبے گھنے بال اچھے لگتے ہیں۔"

"میرا دل اور زور سے دھڑکنے لگا تھا اور اسی وقت اس نے مجھے اپنے کمرے سے جانے کا کہہ دیا تو باہر آتے ہی مجھے لگا جیسے کوئی چیز اس کے آس پاس کہیں چھوڑ آئی ہوں اور ایک نیا احساس ساتھ لئے چل رہی ہوں۔"

"کوریڈور میں سونیا سے سامنا ہو گیا۔ جانے کیا تھا میرے چہرے پر، میرے انداز میں کہ وہ تشویش سے پوچھنے لگی۔"

"تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"مجھے۔" میں نے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"کہاں سے آرہی ہو۔"

"خرم کے کمرے سے۔ وہ اس کے جوتے پالش کر رہی تھی۔" میں نے بتایا تو اس نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا تھا۔

"جب ہی یہ حالت ہو رہی ہے۔ سچ رومیلہ! تم کسی دن اسے دیکھ کر فوت ہو جاؤ گی۔"

"اور میں اسے کیسے بتاتی کہ ایسا ہو چکا ہے۔"

"حالانکہ میں جانتی تھی کہ اگر یہ بات اسے معلوم ہو گئی تو وہ مجھے جان سے مار ڈالے گا۔ کیونکہ ہم سب لڑکیوں کو وہ کسی قابل ہی نہیں سمجھتا تھا۔ جبکہ ہم کوئی ایسی گئی گزری بھی نہیں تھیں۔ یہ اور بات کہ اس کے سامنے دب جاتی تھیں۔ اس کی پرسنالٹی غضب کی تھی۔ چھ فٹ سے اونچا قد، کسرتی بدن اور اس کا چہرہ پہلے تاثر میں اٹریکٹ کرتا تھا۔ آواز میں ایسی گھمبیرتا جو براہ راست دل پر اثر کرتی تھی۔ اب پتا نہیں اور لوگوں کو بھی ایسا ہی محسوس ہوتا تھا یا صرف مجھے۔ میں بہرحال اس

کے سپنے دیکھنے لگی تھی اور میں یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ اسے پتا چلے۔ اس لئے میں نے اپنے ہر جذبے کو بہت چھپا کر رکھا تھا۔ سونیا تک پر ظاہر نہیں کیا جس کے ساتھ میری سب سے زیادہ دوستی تھی۔ کیونکہ میں جانتی تھی کہ وہ صرف حیران ہی نہیں ہوگی بلکہ اسے شدید دھچکا لگے گا، اس کے بعد وہ مجھے پاگل قرار دے گی۔''

''اور یہ پاگل پن ہی تو تھا کہ جس کے سامنے میں ایک لمحہ کھڑی نہیں رہ سکتی تھی۔ اس کے ساتھ ہمیشہ چلنے کے خواب دیکھنے لگی تھی اور اپنے خوابوں سے میں خود بھی خوفزدہ تھی۔ لیکن میں کیا کرتی مجھے خود پر اختیار ہی نہیں رہا تھا۔ البتہ اپنی بے اختیاری کو چھپانے میں، میں نے کمال کر دیا تھا ماہ و سال تک کسی کو خبر ہی نہیں ہوئی کہ میں خرم جاوید سے خوفزدہ ہونے کے باوجود اس کی تمنائی ہو بیٹھی تھی اور سب سے پہلے خبر ہوئی بھی تو خرم جاوید کو۔''

''اس روز تسلے میں چاول چنتے ہوئے آخر میں، میں نے چاولوں کو پورے تسلے میں پھیلا دیا پھر میری انگلی کی حرکت سے اس کا نام جگہ جگہ جگمگانے لگا تھا اور جانے کب وہ میرے سر پر آن کھڑا ہوا تھا۔ اپنا نام دیکھا اور پھر ایک دم سامنے آ کر اپنی شہادت کی اور بڑی انگلی کے درمیان میری حرکت کرتی انگلی کو جکڑ کر دھاڑا تھا۔''

''یہ سب کیا ہے؟''

''اف۔'' میری سچ مچ روح فنا ہو گئی تھی۔

''کیا پوچھ رہا ہوں میں؟'' اس نے میری انگلی کو اتنی زور سے موڑا کہ میں کسی طرح اپنی چیخ نہیں روک سکی تھی۔ تب وہ مجھے کلائی سے تھام کر تقریباً گھسیٹتا ہوا اپنے کمرے میں لے گیا اور جھٹکے سے میری کلائی چھوڑ کر بولا تھا۔

''جانتی ہو ناں۔ کتنا ظالم ہوں میں۔ پھر تم نے ایسی جرأت کیوں کی؟''

''میری آنکھوں سے بے اختیار دو آنسو چھلک گئے۔ جنہیں دیکھ کر بھی اس نے اپنا لہجہ نرم نہیں کیا۔''

''سچ بتاؤ، میرا نام کہاں کہاں لکھا ہے؟''

''میں بھلا بولنے کے قابل کہاں تھی۔ مزید پورا وجود لرزنے لگا تھا۔''

''بتاؤ۔'' میرے خاموش رہنے پر وہ چیخا تھا اور میں نے ڈرتے ڈرتے کہہ دیا۔

''ہر جگہ۔''

''کیوں؟''

''مجھے نہیں پتا بس مجھے اچھا لگتا ہے۔'' میں بے حد خوفزدہ سی رک رک کر بولی تھی۔

''صرف نام؟'' اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔

''تم بھی۔'' میں رومیلہ احمد انتہائی بزدل ہونے کے باوجود اعتراف کر گئی تھی۔ جس پر وہ کتنی دیر تک بے یقینی سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر زور زور سے ہنستا ہوا کمرے میں ادھر سے ادھر چکر کھانے لگا تو میں موقع غنیمت جان کر وہاں سے بھاگ آئی تھی۔

''لیکن میں کہاں بھاگ سکتی تھی۔ کچھ دیر بعد میں نے دیکھا، وہ سب کے درمیان کھڑا باقاعدہ اعلان کر رہا تھا۔''

''سنا تم لوگوں نے۔ رومیلہ میرے سپنے دیکھتی ہے۔ محبت کرنے لگی ہے مجھ سے۔''

''نہیں۔'' ایک ساتھ کتنی آوازیں آئی تھیں۔

''پوچھ لو اس سے۔ ابھی ابھی اس نے میرے سامنے اعتراف کیا ہے۔''

''ناممکن۔ اس کا تو تمہیں دیکھتے ہی ہارٹ فیل ہونے لگتا ہے۔'' دنیا ماننے کو تیار ہی نہیں تھی۔

''اس کے باوجود۔ اس کے باوجود۔'' وہ اپنے آپ محظوظ بھی ہو رہا تھا اور مذاق بھی اڑا رہا تھا۔

''پھر اس کے جاتے ہی ساری کزنز تصدیق کے لئے میرے پاس بھاگی آئی تھیں اور میں انکار نہیں کر سکی۔ میری خاموشی، میرا سر جھکانا اور میرے آنسو ہی میرا اعتراف تھے۔ سب نے سر پیٹ لیا۔ مجھے سمجھایا اور سونیا نے تو اپنا بڑا لیکچر دیا تھا لیکن میں کیا کرتی میرے دل کی زمین پر جو پہلی کونپل خرم جاوید کے نام کی پھوٹی تھی تو وقت کے ساتھ ساتھ کھلتی چلی گئی اور اس کی جڑیں میرے اندر دور تک پھیل ...... گئی تھیں۔ باوجود اس کے کہ اس نے کبھی پذیرائی نہیں کی، بلکہ پہلے تو وہ صرف ڈرایا کرتا تھا پھر تمسخر بھی اڑانے لگا اور جب موقع ملتا سب کے سامنے تذلیل بھی کر ڈالتا تھا۔''

''ایسے ایسے جملے کہتا کہ میں بری طرح ٹوٹتی تھی۔ لیکن اس سے کیا کہتی سراسر اپنا قصور نظر آتا۔ ٹھیک تو کہتا تھا وہ، کہاں وہ کہاں میں، اس حقیقت کو تسلیم کر کے بھی میں اس کا خیال دل سے نہ نکال سکی۔ بس اتنا کیا تھا کہ اس کے سامنے جانے سے گریز کرنے لگی تھی۔ لیکن پھر کوئی دریچہ، کوئی روزن ایسا نہیں تھا جس پر میری آنکھیں نہ لگی ہوں۔ میں کیا کرتی سب نے تو مجھے سمجھایا ہی تھا۔ میں خود بھی اپنے آپ کو سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھی۔ بالآخر اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا اور اس نے تو مذاق اڑایا ہی حالات نے بھی مذاق کر ڈالا کہ ہر گزرتا دن میری محبت کی

شدتوں میں اضافہ ہی کرتا چلا گیا تھا۔ میں جب اسے دیکھتی، جانے کیوں میری آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔ جس پر ایک روز اس نے کہا تھا۔''

''تم کیا سمجھتی ہو، تمہارے آنسوؤں سے میں پگھل جاؤں گا، ارے تم دریا تو کیا سمندر بہا ڈالو تب بھی مجھ پر اثر ہونے والا نہیں ہے۔''

''سونیا! سمجھاؤ اسے۔ میں تو ایک پل اسے اپنے ساتھ برداشت نہیں کرسکتا اور یہ ساری زندگی کا ساتھ سوچتی ہے او مائی گاڈ! میں تو اس تصور سے ہی مر جاؤں گا۔''

''ہونہہ!'' اس کے جاتے ہی سونیا نے نفرت سے سر جھٹکا پھر مجھ پر چڑھ دوڑی تھی۔

''دماغ خراب ہے تمہارا۔ وہ بندہ اس قابل ہے کہ اس سے محبت کی جائے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تم اس کی باتیں برداشت کیسے کرلیتی ہو۔ تمہاری جگہ اگر میں ہوتی تو منہ توڑ دیتی اس کا بڑا خود کو شہزادہ گلفام سمجھتا ہے۔''

''ہے تو۔'' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''کیا؟'' وہ اس بری طرح چیخی کہ میں ڈر کر بھاگ گئی تھی۔

''پھر ان ہی دنوں جب میں نے سنا کہ وہ ایم بی اے کے لئے باہر جانے والا ہے تو اس کی دوری کے خیال سے میں بہت بے چین رہنے لگی تھی۔ کاش اس کے دل میں تھوڑی بہت جگہ میرے لئے ہوتی تو میں بڑے مان سے اسے رک جانے کو کہتی اور وہ میری خاطر رک جاتا۔ لیکن اب اگر غلطی سے بھی ایسی کوئی بات میرے منہ سے نکل جاتی تو وہ میرا گلا دبا دیتا۔ البتہ سونیا سے میں نے کہا تھا کہ اسے روک لو جس پر اس نے حسب سابق پہلے مجھے برا بھلا کہا پھر بولی تھی۔''

''ارے میں تو شکرانے کے نفل پڑھوں گی۔''

''اف! کسی کو مجھ سے ہمدردی نہیں تھی۔ سب لڑکیاں اس کے جانے سے خوش تھیں۔''

''اور جس دن وہ جا رہا تھا، میں صبح ہی سے اپنے کمرے میں بند روتی رہی تھی۔ گو کہ پورے گھر میں ایک ہلچل مچی ہوئی تھی۔ اس کی پیکنگ، اس کی پسند کے کھانے اور پتا نہیں کیا کیا، کوریڈور سے مسلسل بھاگتے قدموں کی آوازیں آتی رہی تھیں۔ کتنی بار سونیا نے میرے کمرے میں جھانک کر مجھے بھی باہر نکلنے کے لئے کہا لیکن میں اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔''

''پھر جانے سے پہلے وہ پتا نہیں کیا سوچ کر میرے کمرے میں آیا تھا۔ اس وقت شدت گریہ سے میری آنکھیں سرخ اور بوجھل ہو رہی تھیں۔''

''رومیلہ!'' اس کے پکارنے پر میں نے سر اٹھایا تھا تو وہ جانے کس احساس یا جذبے

کے تحت میری طرف بڑھا چلا آیا تھا۔

''کوئی اس طرح بھی روتا ہے۔'' اس نے میری آنکھوں کی طرف اشارہ کیا پھر میرے سر جھکانے پر بولا تھا۔

''میں ہمیشہ کے لئے تو نہیں جا رہا اور پھر تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ تمہارے سر سے بلا ٹل رہی ہے۔'' میں نے شاکی نظروں سے دیکھا تو اس نے اپنی انگلیوں سے میرے آنسو پونچھ ڈالے اور دھیرے سے بولا تھا۔

''تمہارے جذبوں کی شدتوں پر میں ایمان لے آیا ہوں!۔'' اس کے ساتھ ہی فوراً کھڑا ہو گیا تھا۔ شاید وہ ایک پل اسے بھی اپنی گرفت میں لے گیا تھا۔ جس کی گرفت میں آ کر میں اپنا آپ ہار گئی تھی۔

''خرم!'' میرے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی اور میں بے حد حیران ہو کر اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''تم رومیلہ احمد! میرا انتظار کرنا، میں تمہارے لئے لوٹ کر آؤں گا۔'' اس نے کہا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔

''میں نے اسے پکارنا چاہا، اس کے پیچھے لپکنا چاہا لیکن کچھ بھی نہ کرسکی کیونکہ مجھ پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ میری آنکھوں میں آنسو تک کھلکھلانے لگے تھے۔''

''وہ میرے لئے لوٹ کر آئے گا۔ وہ میرے لئے لوٹ کر آئے گا۔''

''میرا دل چاہا، کائنات کے ذرے ذرے کو یہ خوش خبری سناتی پھروں، لیکن میں نے کسی کو نہیں بتایا۔ اس لئے سب لڑکیاں مجھ پر حیران ہو رہی تھیں۔ کیونکہ میرے انداز ہی بدل گئے تھے۔ ہر وقت ہنستی رہتی تھی۔ میں یہ نہیں سوچتی تھی کہ وہ دور چلا گیا ہے اور پتا نہیں کب لوٹے گا۔ میرے اندر کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ کیونکہ میں جانتی تھی کہ وہ اپنی کہی بات پوری کرتا ہے۔''

''پھر اسے گئے چند مہینے ہوئے تھے کہ آغا جی کو ہم سب لڑکیوں کی شادی کی فکر ہوئی۔ ایک سال میں انہوں نے تسنیم آپی سلمیٰ آپی اور ثمینہ کی شادی کر کے انہیں رخصت کر دیا۔ ان کے بعد جب میری باری آئی تب میں نے سونیا سے کہا تھا۔''

''سنو، آغا جی سے کہو، میری فکر نہ کریں۔''

''کیوں تمہاری فکر کیوں نہ کریں؟'' سونیا غالباً سمجھی نہیں تھی جب ہی سیدھے سادے انداز میں پوچھا تھا۔

''خرم ہے ناں؟'' میں نے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو وہ زور سے چیخی تھی۔

''کیا، کیا کہا تم نے؟''

''چلاؤ مت۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ خرم جانے سے پہلے میری محبت پر ایمان لے آیا تھا اور کہا تھا میں اس کا انتظار کروں۔'' میری بات سن کر سونیا کتنی دیر تک یوں مجھے دیکھتی رہی تھی جیسے میں پاگل ہوگئی ہوں۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں سونیا!'' میں نے یقین دلانا چاہا تو جواب میں اس نے تقریر کر ڈالی تھی۔

''میں نہیں سمجھتی کہ تم اتنی بے وقوف ہو یا پھر اپنی تذلیل کا تمہیں کچھ زیادہ ہی شوق ہے۔ یہاں رہ کر اس نے تمہاری محبت کا کیا صلہ دیا جو تم اس کے انتظار میں بیٹھنا چاہتی ہو۔''

''اس نے کہا تھا۔ میرا انتظار کرنا۔''

''ضرور کہا ہوگا لیکن اس نیت سے ہرگز نہیں کہ وہ آکر تم سے شادی کرے گا۔ تمہارا تمسخر اڑانے کا کوئی نیا انداز ہوگا۔''

''نہیں سونیا۔ وہ سنجیدہ تھا اور اس کا لہجہ ہمیشہ سے مختلف۔''

''بے وقوف مت بنو۔'' سونیا نے دانت پیسے تھے۔ ''تم جانتی ہو، وہ اپنے مقابلے میں کسی کو کچھ نہیں سمجھتا اور تم سے تو بار ہا کہہ چکا ہے کہ تم ہو کیا ایک معمولی سی لڑکی تو میری جان! اگر وہ جاتے جاتے تمہارا دل رکھنے کی خاطر ایسی کوئی بات کہہ گیا ہے تو اس پر ایمان مت لے آؤ۔ اس آخری بات سے ہٹ کر سوچو کہ اس نے کیا کیا نہیں کہا تم سے۔''

''مجھے سوچنے کی ضرورت نہیں ہے سونیا! میرے دل پر نقش ہے اس کی ہر بات۔'' میں نے گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے کہا تھا۔

''اور شاید تم یہ بھول رہی ہو کہ میں ان ساری باتوں کے باوجود اس سے محبت کرتی رہی اور کرتی ہوں۔''

''اب خدا کے لئے یہ مت کہہ دینا کہ کرتی رہوں گی کیونکہ تمہارے جملہ حقوق ڈاکٹر معظم کو سونپے جا رہے ہیں۔''

''نہیں۔''

''ہاں!'' میں نے جس تیزی سے نہیں کہا تھا سونیا نے بھی اس تیزی سے ہاں کہہ کر میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے تھے۔

''ڈاکٹر معظم جیسے اچھے انسان کو ریجیکٹ مت کرو روحی! محض اس کی خاطر جو جاتے جاتے تمہارے ساتھ ایک اور مذاق کر گیا ہے۔''

''لیکن یہ تو تم بھی جانتی ہو کہ وہ مذاق میں کہی بات بھی پوری کرتا ہے۔''

''جانتی ہوں لیکن یہ بات وہ کبھی پوری نہیں کرے گا۔'' سونیا نے یقین سے کہا تھا۔ لیکن وہ مجھے قائل نہیں کرسکی اور نہ ہی اس نے آغا جی تک میری بات پہنچائی تھی۔

''اور جب آغا جی نے معظم کے گھر والوں کو منظوری دے دی تب میں نے اسے پکڑا تھا اور وہ بڑے اطمینان سے بولی تھی۔''

''تمہارے لئے یہی بہتر تھا۔''

''نہیں سونیا!'' میں بہت روئی تھی لیکن اس پر کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔

''اور پھر بہت جلد میں رومیلہ احمد سے رومیلہ معظم بن گئی۔''

''میرے اندر ایک کسک تھی، ایک خلش تھی جو مجھے کسی پل چین نہیں لینے دیتی تھی۔ سونیا نے کہا تھا کہ میں بہت جلدی ڈاکٹر معظم کی محبتوں میں سب کچھ بھلا کر زندہ رہنے کے ڈھنگ سیکھ لوں گی۔ میرے آنگن میں جب رنگوں، خوشبوؤں اور خوشیوں کی برسات اترے گی تو میں عہد رفتہ کی ہر بات کو حماقت پر محمول کروں گی، لیکن اس کے برعکس میں عہد رفتہ میں دل کا چین ڈھونڈتی رہی تھی۔''

''ڈاکٹر معظم سچ مچ بہت اچھے انسان تھے۔ جو میری خاموشی، بیزاری اور ناگواری کو بڑے تحمل سے برداشت کرتے آرہے تھے۔ ان کے خیال میں شاید یہی میری عادت تھی۔ اکثر مجھ سے کہتے تھے۔''

''رومیلہ! مجھے سنجیدہ چہرے اچھے لگتے ہیں، لیکن کبھی کبھی بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔''

''اور میں گزشتہ پانچ برسوں میں ان کی اس بات پر کبھی عمل نہیں کرسکی کیونکہ میں ابھی تک اس زندگی کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کر پائی تھی۔ حالانکہ میرے آنگن میں شوبی اور گڑیا کی صورت میں دو خوبصورت پھول بھی کھل چکے تھے۔ پھر بھی میں آزردہ رہتی تھی۔ میرے اندر جانے کون کون سے دکھ روتے رہتے تھے اور اب خرم جاوید کی آمد کا سن کر تو میں اور بے جان ہوگئی تھی اور خوفزدہ بھی۔ کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ میری خاموشیوں اور بیزاریوں کو جو معظم میری عادت سمجھتے ہیں انہیں ان کا اصل سبب معلوم ہو اور وہ مجھ سے بدگمان ہو جائیں۔ اس طرح تو زندگی عذاب ہو

جائے گی، ابھی کم از کم بھرم تو باقی ہے۔ جسے میں ہمیشہ کا رکھنا چاہتی ہوں اور یہ اسی صورت ممکن ہو سکتا ہے کہ خرم جاوید میرے سامنے کبھی نہ آئے۔"

"اور میں اسے کیسے روکوں۔" اس ایک بات کو سوچتے سوچتے میری رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔

☆

صبح معمول کے مطابق میں نے بچوں کو اپنے ہاتھ سے ناشتہ کرایا پھر انہیں آیا کے حوالے کر کے سو گئی اور سارا دن میرا ایسے ہی سوتے جاگتے گزرا تھا۔ شام میں ملازم بچوں کو واک کے لئے باہر لے گیا تو میں ادھر اُدھر چکراتی ہوئی آخر تھک کر برآمدے ہی میں بیٹھ گئی اور ابھی مجھے بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ بیل کی آواز پر مجھے اٹھنا پڑا۔

"میرا خیال تھا، بچے ہوں گے لیکن جیسے ہی گیٹ کھولا۔ مجھے بڑے زور کا جھٹکا لگا کہ جسے روکنے کی میں تدبیریں سوچتی رہی تھی، وہ سامنے کھڑا تھا۔ بالکل ویسا ہی جیسا کہ ہمیشہ سے تھا۔ اپنی بے پناہ وجاہت کا غرور اور ہر بات منوا لینے کا زعم لئے۔ مجھے یوں گھور رہا تھا جیسے پلک جھپکتے ہی میری پوری ہستی کو فنا کر ڈالے گا، اس کی آنکھوں میں بے یقینی اور غصے کے ساتھ جانے کیا کیا تھا کہ میں اندر ہی اندر سہم کر رہ گئی۔ اتنی ہمت ہی نہیں ہوئی کہ کسی کو آواز دے ڈالوں۔ ویسے بھی اس وقت کوئی نہیں تھا۔"

"آؤ خرم!" میں بمشکل تمام اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے بس اس قدر کہہ سکی اور وہ مضبوط قدم اٹھاتا میرے ساتھ برآمدے میں آ کر رک گیا۔

"اندر چل کر بیٹھو۔" میں نے پھر ہمت کی۔

"میں بیٹھنے نہیں آیا۔" وہ دھاڑا نہیں تھا اور نہ ہی اونچی آواز کی تھی۔ لیکن ایسا لہجہ جس نے میری رگوں میں لہو تجمد کر دیا۔ میں نے چاہا کہ دو قدم پیچھے ہٹ جاؤں، لیکن میرا ارادہ بھانپ کر اس نے میرے کندھوں سے ذرا نیچے میرے بازوؤں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لیا۔ اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ میں ذرا بھی حرکت نہیں کر سکی۔ جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہی۔

"میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا بس ایک بات کہ کیا تم نہیں جانتیں کہ میں اپنی بات کا کتنا پکا ہوں۔"

"اس کی نظریں میرے پورے وجود کو چھید رہی تھیں۔"

"میں بے بسی سے اپنا نچلا ہونٹ کاٹنے لگی۔"

"رومیلہ احمد!" وہ کہنے لگا۔ "ہم ایک ہی گھر میں پلے بڑھے ہیں اور تم تو کیا ہر شخص جانتا ہے کہ خرم جاوید کے لبوں سے غلطی سے بھی کوئی بات نکل جائے تو پھر چاہے دنیا ادھر کی ادھر کیوں نہ ہو جائے وہ اسے پوری کر کے چھوڑتا ہے اور پھر تم سے تو میں نے وعدہ کیا تھا کہ خواہ کتنی مدت بعد لوٹوں، تمہارے پاس آؤں گا۔ تم میرا انتظار کرنا پھر؟"

"میرے بازو چھوڑو۔" میں کراہی، اس کی انگلیاں میرے بازوؤں میں اندر تک دھنس کر مجھے شدید تکلیف سے دوچار کر رہی تھیں۔

"جواب دو۔" اس نے گرفت اور مضبوط کی تو میں رو پڑی۔

"اگر روؤ گی تو جان سے مار ڈالوں گا اور تم جانتی ہو میں جو کہتا ہوں کر گزرتا ہوں۔"

"میں نے بڑی دقت سے اپنے ہاتھ اوپر کر کے آنکھیں رگڑ ڈالیں تو وہ سفاکی سے مسکرایا۔"

"پلیز میرے بازو چھوڑو۔ مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔" تکلیف واقعی اب ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔ جب ہی میں نے اس کی منت کر ڈالی، لیکن اس پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ پھر وہ کہنے لگا۔

"تم نے شاید یہ سمجھ لیا تھا کہ میں اب لوٹ کر نہیں آؤں گا۔ یا میرے مرنے کا یقین۔"

"نہیں۔" میں نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

"پھر تم نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا؟"

"میں کیوں انتظار کرتی۔"

"رومیلہ!" وہ چیخ پڑا۔ "میں تمہیں اپنا پابند کر کے گیا تھا کہ واپس آ کر تم سے شادی کروں گا اور میں اپنی بات سے کبھی نہیں پھرتا۔"

"خرم!" میری آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی اتر آیا جسے اس سے چھپانے کی خاطر میں نے سر جھکا لیا اور میری اس حرکت کو وہ میرا اعتراف جرم سمجھا اور اس نے میرے پورے وجود کو اپنی پوری طاقت سے جھنجھوڑ ڈالا۔

"آج تک کسی نے میری بات رد نہیں کی پھر تم نے اتنی جرأت کیسے کر لی۔"

"میں نے کچھ نہیں کیا۔" میرا گلا رندھ چکا تھا۔

"تم نے کچھ نہیں کیا۔" وہ ایک دم ہی آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ ایک جھٹکے سے مجھے چھوڑ کر اپنے بازو دائیں بائیں پھیلاتے ہوئے چکر کھاتے ہوئے بولا۔

"نئی زندگی، نیا گھر بسا کر کہتی ہو، تم نے کچھ نہیں کیا۔ کیا اس سے زیادہ بھی کچھ کر سکتی تھیں؟"

"یہ تو ہونا ہی تھا اور صرف میرا ہی تو نیا گھر نہیں بسا اس گھر کی ہر لڑکی۔"

"میں ہر لڑکی کی نہیں صرف تمہاری بات کر رہا ہوں۔ میں نے صرف تمہیں اپنا پابند کیا تھا۔"

"تم نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی۔"

"کیوں کیا میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میرا انتظار کرنا۔"

"ہاں۔ صرف اسی قدر کہا تھا۔"

"اسی قدر ہی کافی تھا رومیلہ احمد! اور تم پر میرا انتظار لازمی تھا۔"

"میرے خدا!" میں نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا وہ پھر میری طرف بڑھ رہا تھا۔ دونوں بازوؤں میں تکلیف کا احساس سوا ہو گیا تو میں پیچھے ہٹنے لگی۔ دروازے سے پیٹھ ٹکرائی تو میں جلدی سے دروازہ کھول کر کمرے کے اندر داخل ہوئی اور دروازہ اندر سے لاک کر دیا۔

"رومیلہ احمد!" وہ دروازے پر زور سے ہاتھ مار کر بولا۔

"تم مجھ سے بھاگ نہیں سکتیں، مجھ سے بے وفائی کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ سمجھیں تم۔"

"میں سانس روکے اس کے قدموں کی آواز سننے لگی، جو لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی جا رہی تھی پھر ایک دم خاموشی چھا گئی۔ گہرا سناٹا جس میں میری سسکیوں کی آواز گونجنے لگی۔ اس وقت اور کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس لئے بس روتی چلی گئی۔"

"رات میں معظم کا فون آیا۔ اپنے مخصوص لہجے میں پوچھنے لگے۔"

"رومیل! ڈر تو نہیں لگ رہا۔ بچوں نے تنگ تو نہیں کیا اور کوئی پرابلم وغیرہ وغیرہ۔"

"میں خاصی دلبرداشتہ ہو رہی تھی، ان کے نرم لہجے اور محبت پر آنکھیں چھلک گئیں۔ ویسے بھی اس وقت کسی ہمدرد، کسی غمگسار کی سخت ضرورت تھی اور وہ ہمدرد تو تھے، ہمراز نہیں۔"

"رومیل!" میری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر انہوں نے تشویش سے پکارا۔

"جی۔" میں بس اسی قدر کہہ سکی۔

"کیا بات ہے تم کچھ۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" اس کے ساتھ ہی میں رو پڑی۔

"ارے رے!" انہوں نے ٹوکا۔ "ڈرنے کی کیا بات ہے۔ گیٹ پر چوکیدار اور بچے بھی تمہارے پاس ہیں۔"

"آپ تو نہیں ہیں ناں؟" میں نے بے اختیار کہا تو ادھر غالباً وہ کسی نئے احساس میں گھر کر حیران ہو رہے تھے۔ پھر کتنی دیر بعد ان کی آواز آئی تھی۔

"ڈرو نہیں رومیل! میں جلدی آ جاؤں گا۔ دروازہ اچھی طرح لاک کر لو اور چاہو تو بچوں کو لے کر صبح آغا جی کے ہاں چلی جانا۔"

"نہیں، میں کہیں نہیں جاؤں گی۔" میں نے فوراً کہا تھا۔

"او کے ایز یو لائیک۔" انہوں نے سلسلہ منقطع کر دیا تو میں نے ریسیور رکھ کر پہلے اپنے آنسو صاف کئے، پھر سونیا کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"ہیلو......!" دوسری طرف سونیا ہی تھی۔ اس کی آواز سنتے ہی میں شروع ہو گئی۔

"سونیا! تم نے اچھا نہیں کیا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے خرم کا انتظار کرنے دو۔ تم نے میری بات نہیں مانی تھی۔ اب وہ آ گیا ہے۔ اتنا خفا ہوا مجھ پر اور کہہ رہا تھا میں نے اس کا انتظار نہ کر کے اچھا نہیں کیا اور یہ کہ مجھے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اب بتاؤ میں کیا کروں میں ہرگز ہرگز اس سے نہیں لڑ سکتی۔ وہ بہت ظالم ہے۔ جان سے مار دے گا مجھے۔"

"بس، بس خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ۔" میرے ایک ہی سانس میں بولنے پر اس نے آخر چیخ کر مجھے خاموش کرایا پھر ویسے ہی تنک کر پوچھنے لگی۔

"کیوں، کیوں نہیں لڑ سکتیں تم اس سے۔ کس بات سے ڈرتی ہو۔ کچھ نہیں بگاڑ سکتا تمہارا سمجھیں۔ میرے خدا! تمہارے گھر آ کر وہ تم پر رعب جما گیا دھمکی دے گیا اور تم کچھ نہیں بولیں۔ دھکے دے کر باہر کیوں نہیں نکلوا دیا اسے۔"

"کوئی نہیں تھا" میں منمنائی۔

"کوئی ہوتا تو پتا نہیں کیا کمال کرتیں۔" اس نے مجھ پر تاسف کا اظہار کیا پھر پوچھنے لگی۔

"سنو، کہیں تم اب بھی اس سے محبت تو نہیں کرتیں۔"

"پتا نہیں۔ میرا خیال ہے نہیں۔" میرا اندازہ ہنوز تھا اور ادھر اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"لاحول ولا۔ تم پاگل ہو بالکل۔"

"میں کیا کروں۔ اس نے اگر معظم سے کچھ الٹا سیدھا کہہ دیا تو" میرے اندر شروع سے غالباً ایک یہی خدشہ تھا جس نے اس تمام عرصے میں ایک پل کے لئے مجھے چین سے نہیں رہنے دیا تھا۔

"کیا، کیا کہے گا وہ کہ تم اس سے محبت کرتی تھیں؟" سونیا ہنسی اور ادھر میری جان پر

بن گئی۔

''اس سے کچھ بعید نہیں، وہ کہہ بھی سکتا ہے۔''

''تمہارے خیال میں معظم اس کی بات کا یقین کرلیں گے۔'' اس بار سونیا کا انداز سوچتا ہوا تھا۔

''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔''

''ہاں، مرد کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ کبھی بہت اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کر جاتا ہے اور کبھی۔''

سونیا خاموش ہوگئی تو میرا دل بھی رکنے لگا تھا۔

''خیر تم فکر نہیں کرو۔ وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا۔''

''سونیا نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا۔''

''سنو تم سب سے پہلے اپنے آپ کو مضبوط کرو۔ اس کے بعد خرم جاوید سے کہنا کہ تمہارے نزدیک اس کی کسی بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ لہٰذا وہ تمہاری زندگی میں زہر گھولنے کی کوشش نہ کرے ورنہ تم آغا جی سے کہہ دو گی، سمجھ رہی ہونا۔''

''آ، ہاں، ہاں۔'' میں نے چونک کر کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

''میرے خدا! میں کیا کروں؟'' میں سوچتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی اور تکیے پر سر رکھا تو سونیا کی بات یاد آگئی۔

''تم پہلے اپنے آپ کو مضبوط کرو۔''

''ٹھیک تو ہے، مجھے اپنے آپ کو اس کے سامنے مضبوط ظاہر کرنا چاہئے۔ میں سونیا کی تاکید یاد کرنے لگی تھی کہ سماعتوں میں خرم جاوید کی چنگھاڑتی ہوئی آواز گونجنے لگی۔

''مجھ سے بے وفائی کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔''

''خرم جاوید!'' میں نے دل ہی دل میں اسے مخاطب کیا۔

''بے وفائی کی بات تو جب کرو، جب تم نے کبھی مجھ سے محبت کا دعوی کیا ہو اور ہم دونوں نے پیمان باندھے ہوں۔ محبت صرف میں نے کی تھی اور اس کا خمیازہ میں بھگت چکی ہوں، برسہا برس تک خود اپنی آگ میں جل کر۔''

''اور یہی بات میں نے اس سے کہہ دی۔ صبح جب اس کا فون آیا اور میری بات سن کر وہ زور زور سے قہقہے لگانے لگا تھا۔''

''تم شاید پاگل ہو گئے ہو۔'' وہ کیونکہ سامنے نہیں کھڑا تھا۔ اس لئے میں کہہ گئی۔

''بالکل پاگل ہو گیا ہوں اور اپنے ساتھ ساتھ تمہیں بھی پاگل کر دوں گا مجھے تو بس اتنا بتا دو کہ تمہارا وہ احمق شوہر کہاں ہے؟''

''تمیز سے بات کرو۔'' میں چیخ پڑی۔

''خفا کیوں ہوتی ہو۔ چلو تمیز سے بات کرتے ہیں اب بتاؤ جناب ڈاکٹر معظم علی صاحب کہاں ہیں؟''

''کیوں، تمہیں ان سے کیا کام ہے۔'' میں نے جتنا تنک کر پوچھا، وہ اسی قدر لاپروائی سے بولا تھا۔

''کوئی خاص کام نہیں، بس اتنا پوچھنا ہے کہ کبھی اپنی بیوی کی آنکھوں اور دل میں بھی جھانک کر دیکھا ہے جہاں خرم جاوید۔''

''شٹ اپ!'' میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے چیخی اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

''فون بند کر کے میں سمجھی شاید میں نے اس کی آواز کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا ہے، لیکن جب حواس بحال ہوئے تو مجھے اپنے سر پر ننگی تلوار لٹکتی نظر آئی۔ میری پریشانی فطری تھی۔ سارا دن ایک پل کے لئے مجھے چین نہیں ملا کیونکہ میں جانتی تھی کہ وہ صرف دھمکی نہیں دیتا عمل بھی کر ڈالتا ہے۔''

''کئی بار خیال آیا کہ آغا جی سے بات کروں۔ لیکن میں ان سے کیا کہوں گی یہی سوچ کر ارادہ ملتوی کرتی رہی اور اپنے آپ سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہی۔ بالآخر اس نتیجے پر پہنچی کہ مجھے ایک اور اعتراف کر لینا چاہئے ڈاکٹر معظم کے سامنے۔ اس سے پہلے کہ خرم جاوید ان تک رسائی حاصل کرے کس قدر کمینگی پر اتر آیا تھا خرم جاوید۔ مجھے جہاں اس پر غصہ آرہا تھا وہاں میں خود اپنے آپ کو بھی ملامت کر رہی تھی کہ اس کی وجہ سے میں اپنے گھر بچوں اور شوہر کو وہ توجہ اور محبت نہیں دے سکی تھی جو کہ ان کا حق تھی اور معظم کتنے اچھے ہیں۔ میری بے نیازیوں پر کبھی شکوہ نہیں کیا۔ وہ یقیناً مجھے معاف کر دیں گے، میں نے معظم کی عظمت کو سراہتے ہوئے سوچ لیا کہ میں خود ہی ان سے ہر بات کہہ دوں گی۔

☆

اور جب اگلے دن معظم آئے تو میرا اترا ہوا چہرہ سمجھ کر پریشان ہو گئے۔ پہلا سوال یہی کیا۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے؟''

''کچھ نہیں۔'' میں نے فوراً بتانا مناسب نہیں سمجھا اور زبردستی مسکرائی بھی تھی۔

"کچھ تو ہے جس کی پرواہ داری ہے۔" انہوں نے کہا تو میں ٹھٹک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"جی۔"

"او گاڈ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا، تم پریشان کیوں ہو جاتی ہو۔" انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نن، نہیں تو۔" میں گڑبڑا گئی۔

"کیا نہیں تو۔"

"میں پریشان تو نہیں۔ آپ جائیں۔ میرا مطلب ہے، شاور لے لیں، میں جب تک کھانا لگاتی ہوں۔" میں دھیرے سے اپنے کندھے سے ان کا ہاتھ ہٹا کر کچن میں آ گئی۔

"پھر کھانے سے فارغ ہو کر وہ بچوں کے ساتھ مصروف ہو گئے، تو میں بہانے بہانے سے ان کے آس پاس منڈلانے لگی، میرے اندر خاصی بے چینی تھی، دل چاہ رہا تھا، ایک دم سے انہیں ساری بات بتا کر سکون سے ہو جاؤں اور وہ غالباً کن انکھیوں سے مجھے دیکھ رہے تھے اور میری بے قراری بھی محسوس کر رہے تھے۔ جب ہی جب آپا بچوں کو لے کر چلی گئی تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولے۔"

"ہاں، اب کہو کیا بات ہے۔"

"کون سی بات؟" میرا دل بڑی زور سے دھڑکا تھا۔

"وہی جسے بتانے کے لئے تم اتنی بے قرار ہو۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں وہ۔" میری ساری ہمتیں جواب دے گئیں۔

"کیا وہ؟" انہوں نے ٹوکا۔

"وہ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میرا ایک کزن ہے۔" میں اسی قدر بتا کر خاموش ہو گئی۔ تو وہ خوش دلی سے بولے۔

"ہاں خرم جاوید اکلوتا کزن ہے ناں تمہارا اور غالباً کہیں باہر گیا ہوا ہے۔"

"آ گیا ہے، میرا مطلب ہے وہ واپس آ گیا ہے۔"

"اچھا تو ملنے جانا چاہتی ہو اس سے، چلو ابھی چلتے ہیں میں بھی۔"

"نہیں۔" میں ایک دم خائف ہو گئی، تو وہ حیران ہو کر بولے۔

"کیوں؟"

"ابھی تو آپ سفر سے آئے ہیں اور پھر رات بھی ہو رہی ہے۔ پھر کسی دن۔" میں بڑی مشکل سے بات بنا سکی۔

"جیسے تمہاری مرضی۔" انہوں نے ذرا سے کندھے اچکائے پھر اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گئے تو میں بچوں کو دیکھنے کے بہانے ان کے پاس سے اٹھ آئی۔

"پتا نہیں میں نے کیسے سوچ لیا تھا کہ میں ایک دم سے انہیں ساری بات بتا کر سکون سے ہو جاؤں گی۔ یہ تو بہت مشکل تھا اور خواہ کتنا بھی مشکل ہو، مجھے انہیں اعتماد میں لینا ہی تھا۔ اس سے پہلے کہ خرم جاوید ان تک پہنچے۔ میں نئے سرے سے خود کو تیار کرنے لگی تھی کہ فون کی بیل نے میری توجہ کھینچ لی۔"

"ہیلو!" میں نے جلدی سے آ کر ریسیور اٹھایا تھا۔

"کیسی ہو رومیلہ؟" خرم کی آواز سنتے ہی میں بری طرح سلگ گئی۔

"تمہیں کیا، میں جیسی بھی ہوں اور خبردار جو آئندہ یہاں فون کیا تو۔"

"ٹھیک ہے۔ فون نہیں کروں گا۔ خود آ جاؤں گا۔" اس کے آرام سے کہنے پر میں نے بمشکل خود کو چیخنے سے روکا اور دانت پیس کر بولی۔

"نہیں، تم یہاں بھی نہیں آؤ گے۔"

"پھر تم آ جاؤ۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"تمہارے شوہر نامدار سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میرے تلملانے اور دانت پیسنے کا اس پر کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔"

"کیوں، کیوں؟"

"اس سے کہوں گا، میری چیز واپس کر دو۔" وہ کہہ کر خود ہی ہنسا۔ بڑی مکروہ ہنسی تھی اس کی، جس نے میرے اندر آگ لگا دی۔ تب ہی عقب سے معظم کی آواز آئی تھی۔

"کس کا فون ہے؟"

"میرے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا اور بے حد خوفزدہ ہو کر میں نے انہیں دیکھا پھر جیسے میں حواسوں میں نہیں رہی تھی۔"

"نہیں، نہیں معظم! آپ کی بات نہیں سنیں گے۔ میں آپ کو بتاؤں گی سب سچ سچ۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ وہ مجھے تباہ کرنا چاہتا ہے۔" میں ہذیانی انداز

میں چیخ رہی تھی۔

''رومیلہ! رومیل! ہوش میں آؤ۔'' معظم نے پہلے آہستہ سے میرے کندھوں کو تھاما۔ پھر جھنجوڑ ڈالا۔ تو میں نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''مجھے معاف کر دیں۔ مجھے معاف کر دیں معظم!'' میں ابھی بھی اپنے آپ میں نہیں تھی اور ان کی سمجھ میں غالباً کچھ نہیں آ رہا تھا۔ بے حد الجھے ہوئے سے مجھے لے کر بیڈ روم میں آئے اور اپنے ساتھ بٹھا کر نرمی سے پوچھنے لگے۔

''کون تباہ کرنا چاہتا ہے تمہیں؟''

''وہ خرم جاوید۔'' ان کے نرم لہجے پہ میں بکھر گئی تھی۔ آنسوؤں کے ساتھ کتاب ماضی کے سارے اوراق ان کے سامنے الٹ دیئے۔ انہوں نے بہت خاموشی سے سب سنا تھا۔ اس کے بعد کچھ کہے بغیر خاموشی سے سب سنا تھا۔ اس کے بعد کچھ کہے بغیر اٹھ کر اسٹڈی روم میں چلے گئے۔ تو میں پہلے صرف حیران ہوئی کیونکہ میرا خیال تھا وہ ابھی آ کر کچھ کہیں گے، لیکن وہ تو اندر بند ہو گئے تھے۔

''کتنی دیر گزر گئی۔ گھنٹہ دو گھنٹے اور میرا دل جو ایک بوجھ سرکنے سے کچھ آزاد ہوا تھا اس دوسرے بوجھ تلے اس بری طرح دبا کہ مجھے سانس لینا مشکل ہو گیا۔''

''اف، یہ میں نے کیا کیا۔'' اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی میں پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

لیکن اب مجھے چپ کرانے والا کوئی نہیں تھا۔

☆

صبح ناشتے کی ٹیبل پر معظم بالکل اجنبیوں کی طرح بیٹھے تھے۔ میں ایک ایک چیز اٹھا کر ان کے سامنے رکھتی رہی، لیکن انہیں مخاطب کرنے کی، ہمت نہیں کر سکی اور نہ ہی انہوں نے میری طرف دیکھا۔ بہت خاموشی سے ناشتہ کر کے اٹھ کر چلے گئے تو میری سمجھ میں نہیں آیا کہ انہوں نے میرے بارے میں کیا سوچا ہے۔ اگر ناراضی کا اظہار کرتے تب بھی کچھ تو پتا چلتا ان کا ایک دم خاموش ہو جانا مجھے مزید دہلائے دے رہا تھا۔ کیونکہ مجھے ان کی خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی۔

''کتنی دیر میں ادھر سے ادھر ٹہلتی رہی۔ پھر اچانک سونیا کی بات یاد آئی۔ اس نے کہا تھا۔''

''مرد کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ کبھی بہت اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کر جاتا ہے اور کبھی۔''

''اف نہیں۔ معظم ایسے نہیں ہو سکتے۔ وہ بہت اچھے ہیں۔ یقیناً اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ

کریں گے۔'' میں نے خود کو یقین دلایا اور پھر سارا دن میں اسی طرح خود کو بہلاتی رہی تھی۔

''شام میں معظم آئے تو میں خلاف معمول ان کے پیچھے پیچھے کمرے میں چلی آئی، لیکن انہوں نے کوئی نوٹس نہیں لیا اور مجھے یکسر نظر انداز کرتے ہوئے واش روم میں چلے گئے تو میری آنکھیں دھندلا گئیں۔''

''خرم جاوید! اللہ کرے تم مر جاؤ۔'' میں اسے کوستی ہوئی کچن میں آ کر چائے بنانے لگی۔ ساتھ ساتھ کھڑکی سے جھانک کر دیکھتی جا رہی تھی۔ جب معظم برآمدے میں نظر آئے، تب میں چائے دم کر کے لے آئی۔

''بچوں کو میں نے کچھ دیر پہلے ہی ملازم کے ساتھ باہر بھیجا تھا۔ یہ روز کا معمول تھا، اس کے باوجود معظم ضرور پوچھتے تھے کہ بچے کہاں ہیں۔ لیکن اب اتنا بھی نہیں پوچھا۔ البتہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔''

''بچے باہر گئے ہیں۔'' میں نے چائے کا کپ ان کے سامنے رکھتے ہوئے خود ہی کہہ دیا اور جیسے انہیں میرا بولنا بھی ناگوار گزرا تھا۔ پیشانی پر لکیریں کھنچ گئیں، جنہیں دیکھ کر میں نے مزید کچھ بھی کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ کیونکہ میں گھر میں کوئی ہنگامہ نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے اپنا چائے کا کپ اٹھا کر میں کمرے میں جانے لگی تھی کہ سونیا اور کرن آ گئیں۔ جنہیں دیکھ کر میں خائف سی ہو گئی کہ کہیں معظم ان کے سامنے نہ کچھ کہہ دیں اور کچھ نہ بھی کہیں تب بھی ان کی لاتعلقی اور ناراضی تو صاف محسوس ہو رہی تھی۔

''السلام علیکم معظم بھائی!'' ان دونوں نے ایک ساتھ انہیں سلام کیا تو میری توقع کے برعکس انہوں نے بہت خوش دلی سے جواب دیا تھا۔

''وعلیکم السلام کیسی ہو؟''

''بالکل ٹھیک، آپ بتائیں۔ سنا ہے اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔'' سونیا نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہوں، کل ہی آیا ہوں۔ تم بھی بیٹھو۔'' انہوں نے سونیا کو جواب دے کر کرن سے بیٹھنے کو کہا تو وہ مجھے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''تم کیسی ہو رومیلہ اور بچے کہاں ہیں؟''

''بچے ابھی آتے ہوں گے، تم بیٹھو، میں اور چائے لے آؤں۔''

''میں ٹرے اٹھا کر کچن میں آ گئی اور جلدی سے ٹی پاٹ میں مزید چائے دم کر کے واپس

آئی تو معظم جانے کیا کہہ رہے تھے جو مجھے دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ جس سے میرا دل بیٹھنے لگا۔"

"لاؤ میں بنا دوں۔" کرن نے میرے ہاتھوں سے ٹرے لے کر ٹیبل پر رکھی اور کپ سیدھے کر کے ان میں چائے ڈالنے لگی۔ میں کچھ گم صم سی اسے دیکھے جا رہی تھی کہ سونیا مجھے مخاطب کر کے بولی۔

"رومیلہ! تم نے معظم بھائی کو خرم کے آنے کا بتایا ہے؟"

"ہاں انہوں نے رات ہی بتایا تھا۔" مجھ سے پہلے معظم بول پڑے اور "میں نے تو اسی وقت کہا، چلیں دیدار کر آتے ہیں آپ کے کزن کا لیکن انہوں نے منع کر دیا۔"

"کیوں رومیلہ! آ جاتیں تو اتنا مزہ آتا۔"

"بس وہ انہوں نے میرا خیال کر لیا کہ میں سفر سے لوٹا ہوں ورنہ دھیان تو ان کا بھی ادھر ہی تھا۔" معظم بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں بولے تھے۔

"بہرحال اب تو ہم آپ کے لئے باقاعدہ دعوت نامہ لے کر آئے ہیں۔"

"سونیا اپنی گود میں رکھے شاپر میں سے ایک کارڈ نکال کر معظم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہنے لگی۔" خرم جاوید کے آنے کی خوشی میں آغا جی نے ایک تقریب کا اہتمام کیا ہے۔ ضرور آئیے گا۔

"ضرور آئیں گے۔" معظم کی نظریں کارڈ پر تھیں لیکن، ان کا سارا دھیان یقیناً میری طرف تھا۔ جب ہی تو مجھے اپنے وجود پر چیونٹیاں رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"اچھا اب ہمیں اجازت۔"

"ارے اتنی جلدی۔ رات کا کھانا وغیرہ کھا کر جانا۔" معظم جیسے میری طرف سے بولے تھے۔

"کھانا پھر سہی۔ ابھی ہمیں اور جگہ بھی جانا ہے۔"

"سونیا کارڈ کا شاپر دکھاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور میں چاہنے کے باوجود انہیں گیٹ تک چھوڑنے نہیں جا سکی۔"

"بچے ابھی تک نہیں آئے؟" میں نے ٹرے اٹھاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا، جسے سن کر بھی معظم کچھ نہیں بولے اور اٹھ کر اسٹڈی روم میں چلے گئے۔

"پھر رات کے کھانے کا کہنے کے لئے میں بہت ہمت کر کے ان کے پاس آئی تھی۔ وہ صوفے پر نیم دراز کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھے۔"

"معظم!" میں نے پکارا تو وہ کتاب ذرا سی نیچے کر کے اس کے اوپر سے مجھے دیکھنے لگی۔

"وہ میں نے کھانا لگا دیا ہے۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے، تم کھا لو۔" انہوں نے کہہ کر دوبارہ کتاب اوپر کر لی جس سے ان کا چہرہ چھپ گیا تھا۔

"میں کچھ دیر اس انتظار میں کھڑی رہی کہ وہ اور کچھ نہیں تو مجھے جانے ہی کو کہیں گے لیکن انہیں جیسے میری موجودگی کا احساس ہی نہیں تھا۔ تب میں بوجھل قدموں سے وہاں سے چلی آئی۔ کچھ دیر بعد اسٹڈی کا دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تو میرا دل دکھ سے بھر گیا۔ یوں لگا جیسے میرے لئے سارے دروازے بند ہو گئے ہوں۔"

"کتنا مان تھا مجھے اس شخص پر کہ یہ میری خطا معاف کر دے گا، لیکن تم بھی معظم! ایک عام سے شخص نکلے۔" میں بہت شاکی ہو کر سوچنے لگی تھی۔

☆

اگلے دن میرا آغا جی کے ہاں جانے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ نہ ہی معظم صبح جاتے ہوئے کچھ کہہ کر گئے تھے۔ اس لئے روزانہ کے معمول کے مطابق شام ہوتے ہی میں نے بچوں کو ملازم کے ساتھ بھیج دیا اور خود کچن میں آ کر رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگی اور ابھی میں نے قورمے کا مسالہ تیار کیا تھا کہ معظم آ گئے۔ میں نے انہیں کچن کی کھڑکی میں سے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا پھر بھی اپنے کام میں لگی رہی۔ کچھ دیر بعد وہ دروازے میں آ کر مجھے مخاطب کئے بغیر بولے تھے۔

"میرا تو خیال تھا، تم تیار ہو چکی ہو گی۔"

"میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو پوچھنے لگے۔"

"چلنا نہیں ہے؟"

"کہاں؟" میں نے ان کی طرف دیکھے بغیر پوچھا تو جتا کر بولے۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں کہاں جانے کی بات کر رہا ہوں۔"

"مجھے کہیں نہیں جانا۔" میں نے کہہ کر کیبنٹ کھول لیا۔

"کیوں؟" خاصا چبھتا ہوا انداز تھا۔

"بس۔"

"بس کا کیا مطلب، چلو چھوڑو یہ سب اور جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" وہ تحکم سے کہہ کر

چلے گئے تو میری سمجھ میں نہیں آیا وہ کیوں جانا چاہتے ہیں جبکہ میں انہیں خرم کی بدتمیزیوں کے بارے میں بتا چکی ہوں۔

''شاید دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ کیسا ہے اور شاید اس کے ساتھ اپنا موازنہ کرنا چاہتے ہیں۔'' میں تیاری کے دوران ایسی ہی باتیں سوچتی رہی تھی۔

''اور جب ان کے ساتھ آغا جی کے گھر پہنچی تو میری بیاہی ہوئی تمام کزنز پہلے ہی آ چکی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی سب نے شکوہ کیا کہ میں اتنی دیر سے کیوں آئی ہوں جبکہ گھر کی تقریب تھی اور میرے کسی عذر سے پہلے معظم بول پڑے تھے۔''

''یہ تو آنا ہی نہیں چاہتی تھیں۔ میں زبردستی لے کر آیا ہوں۔''

''ہائیں، کیوں؟'' مختلف آوازیں تھیں جن پر اچانک ایک آواز حاوی ہو گئی۔

''آہاہ! رومیلہ تشریف لائی ہیں، ویلکم ویلکم۔''

''خرم جاوید میرے سامنے آ کر ذرا سا جھکا پھر معظم کو دیکھ کر بولا۔''

''آپ غالباً ڈاکٹر معظم علی ہیں؟''

''غالباً نہیں یقیناً۔'' میں نے کن اکھیوں سے دیکھا۔ معظم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

''یقیناً، یقیناً خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' خرم جاوید نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا جسے تھام کر معظم اسی انداز میں بولے تھے۔

''شکریہ۔''

''اور رومیلہ، تم کیسی ہو۔ ویسی ہی ڈرپوک، ذرا ذرا سی بات پر رونے والی یا کچھ تبدیلی آئی ہے؟'' وہ اب خاصی بے باکی سے مجھ سے مخاطب تھا اور میرا دل چاہا، اس کا منہ نوچ لوں، اس کی وجہ سے معظم مجھ سے کتنے دور ہو گئے تھے۔

''کیا بھئی، تم لوگ بیٹھو گے نہیں؟'' اسی وقت کرن نے آ کر کہا تو میں معظم کا خیال کئے بغیر فوراً پلٹ کر امی کے کمرے میں آ گئی اور ان کے سینے سے لگی تو میری پلکیں نم ہو گئیں۔

''بہت مصروف ہو گئی ہو اپنے گھر میں۔ اتنے دنوں بعد شکل دکھاتی ہو۔'' امی نے میری پیشانی چومتے ہوئے پیار بھرا شکوہ کیا۔

''بس امی! بچوں میں۔'' میں اسی قدر کہہ کر خاموش ہو گئی۔

''ارے ابھی تو دو ہی ہیں اور سکول جانے والے بھی نہیں ہوئے۔ جب سکول جانے لگیں گے تو اور پابند ہو جاؤ گی اور ہاں یہ تم اتنی دیر سے کیوں آئی ہو؟''

''وہ معظم ابھی آئے تھے۔''

''کہاں ہیں معظم؟''

''سب کے ساتھ ہیں۔ آئیے آپ بھی چلیں۔''

''میں امی کو ساتھ لے کر دوبارہ ہال کمرے میں آئی تو معظم ابھی تک خرم کے ساتھ کھڑے تھے۔ مجھے بڑا عجیب سا اور برا بھی لگا کہ جب میں انہیں ساری بات بتا چکی ہوں پھر وہ اور کیا جاننا چاہتے ہیں اور پتا نہیں ان کا مقصد مزید کچھ جاننا تھا یا مجھے ہرٹ کرنا۔ میں بہرحال انہیں نظرانداز کرتی ہوئی سونیا کے پاس آ بیٹھی۔ لیکن اپنا دھیان کسی طرح بھی ان دونوں کی طرف سے نہیں ہٹا سکی۔''

''سونیا پتا نہیں کیا کہہ رہی تھی میں نے سنا ہی نہیں تب وہ میرا بازو کھینچ کر اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولی۔''

''سنو، خرم نے پھر تو نہیں کچھ کہا تم سے؟''

''نہیں۔'' میرے سینے سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہو گئی۔

''میرا خیال ہے، وہ محض تمہیں تنگ کر رہا تھا۔''

''میں خاموش رہی تو وہ ایک نظر خرم اور معظم پر ڈال کر بولی۔''

''تم ناحق پریشان ہو رہی ہو۔ خرم تمہیں جتنا مرضی ستائے معظم سے کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ بس تم ذرا محتاط رہنا اور ڈرنے کی تو بالکل ضرورت نہیں ہے، سمجھیں۔''

''میں نے یونہی اثبات میں سر ہلا دیا۔ اب اس سے کیا کہتی کہ خرم سے پہلے میں ہی معظم کو بتانے کی ہمت کر گئی ہوں۔ بلکہ حماقت اور اس حماقت کا خمیازہ مجھے ہی بھگتنا پڑے گا۔''

''معظم بہت اچھے سلجھے ہوئے انسان ہیں۔ اگر ان کے علم میں ایسی کوئی بات آ بھی گئی تو وہ نظرانداز کر دیں گے۔'' سونیا معظم کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

''کاش ایسا ہی ہوتا۔'' میں نے سوچا اور اس کے پاس سے اٹھ کر تسنیم آپی کی طرف جا رہی تھی کہ خرم ایک دم میرے سامنے آ کر میرا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے گھبرا کر معظم کو دیکھا وہ مجھے ہی دیکھ رہے تھے اور بالکل غیر ارادی طور پر میں نے اپنا رخ ان ہی کی طرف موڑ کر دو قدم بڑھائے تھے کہ خرم پھر سامنے آ گیا تو اس بار اس کے اونچے پورے قد کے پیچھے معظم چھپ گئے تھے۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' میں نے دانت پیسے۔

"میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں اور تم بھاگ کیوں رہی ہو؟" وہ الٹا مجھ پر چڑھ دوڑا۔

"مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔ میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔"

"صرف ایک بات۔ وہ جو میں تمہارے لئے گفٹ لایا ہوں وہ ابھی لوگی یا تمہارے گھر آ کر دوں۔"

"مجھے نہیں چاہئے تمہارا گفٹ۔" میں نے غصے سے کہا اور اس کی سائیڈ سے نکل کر معظم کے پاس آ کر بولی۔

"چلیں معظم! گھر چلیں۔"

"کیوں، میرا مطلب ہے، ابھی تو۔" بات ابھی ان کے ہونٹوں میں تھی کہ وہ قریب آ گیا اور معظم کی موجودگی کا خیال کئے بغیر کہنے لگا۔

"تم نہیں لوگی روی تو مجھے بہت دکھ ہو گا۔ میں اتنی محبت سے لایا ہوں، بے شک گھر جا کر اسے ڈسٹ بن میں ڈال دینا لیکن مجھ سے تو لے لو۔"

"میرے خدا۔" میں سچ مچ چکرا گئی۔ آنکھوں کے سامنے دائرے سے بننے لگے تھے۔ پیروں تلے سے زمین الگ کھسک رہی تھی اور پھر مجھے اتنا یاد ہے میں نے سہارے کے لئے معظم کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

☆

جب مجھے ہوش آیا تو اپنے اطراف اتنے لوگوں کو دیکھ کر میں پریشان ہو گئی اور اپنی پیشانی پر رکھے امی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"مجھے کیا ہوا ہے؟"

"تم گر گئی تھیں۔ تمہیں چوٹ تو نہیں آئی۔ دیکھو کہیں تکلیف۔" امی مجھے ادھر ادھر سے چھونے لگیں۔

"میں گر گئی تھی۔" میں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے سوچا تو سارا منظر سامنے آ گیا اور مجھے پھر یاد آیا کہ میں نے سہارے کے لئے معظم کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

"تو کیا انہوں نے ......" اس سے آگے مجھ سے سوچا ہی نہیں گیا۔ فوراً آنکھیں کھول کر سارے کمرے میں نظریں دوڑائیں اور معظم کو کہیں نہ پا کر میرا دل دکھ سے بھر گیا۔

"لو یہ دودھ پی لو۔" امی نے سونیا کے ہاتھ سے گلاس لے کر مجھے اٹھنے کے لئے کہا تو میں خود کو بہتر ظاہر کرنے کی خاطر اٹھ کر بیٹھ گئی اور امی کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے بظاہر سرسری

انداز میں پوچھا۔

"معظم چلے گئے کیا؟"

"تمہیں ایسے حال میں چھوڑ کر کیسے چلا جاتا۔ ادھر آغا جی کے پاس بیٹھا ہے اور ہاں بتا رہا تھا تم بہت دنوں سے ایسے ہی ست سی ہو اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتیں۔ امی تنبیہی انداز میں شروع ہو گئیں۔"

"میں خاموشی سے گھونٹ گھونٹ دودھ پینے لگی۔ پھر گلاس خالی کر کے سونیا کو تھمایا تھا کہ معظم آ گئے اور بغیر میرا احوال پوچھے کہنے لگے۔"

"بہت دیر ہو گئی ہے۔ تمہارا کیا پروگرام ہے، چلنا ہے یا یہیں رکو گی؟"

"رہ جاؤ کچھ دن۔" امی نے فوراً کہا تو میں نے معظم کو دیکھا کہ وہ منع کریں گے، کیونکہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا کہ وہ کوئی نہ کوئی بہانا کر کے مجھے ساتھ لے جاتے تھے، لیکن اب انہوں نے بڑے آرام سے کہہ دیا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ رک جاؤ کچھ دن۔ تمہیں آرام مل جائے گا۔"

"بس اب تو معظم بھائی نے کہہ دیا ہے، اب تم یہیں رہو گی۔" کرن نے خوش ہو کر میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں تو میں اسے دیکھ کر مسکرا بھی نہیں سکی اور بہت خاموشی سے معظم کو جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔ کس قدر اجنبی سے لگ رہے تھے۔ مجھے اپنا خیال رکھنے کو بھی نہیں کہا اور نہ خدا حافظ اور مجھے ان کی اس بے اعتنائی پر جتنا دکھ ہو رہا تھا اسی قدر خرم پر غصہ آ رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا ابھی جا کر اس کا منہ نوچ لوں لیکن سب کے سامنے تماشا بننے کے خیال سے مجھے بہت ضبط کرنا پڑ رہا تھا۔

"رات دیر تک گھر میں خاصی چہل پہل رہی۔ لڑکیاں سب پھیلاوا سمیٹنے کے ساتھ ہنسی مزاق کر رہی تھیں اور ان کی آوازیں سن کر بھی میں کمرے سے نہیں نکلی۔ کسی نے زیادہ زور بھی نہیں دیا تھا بلکہ الٹا جو بھی آیا، مجھے آرام کرنے کا مشورہ دیا اور مجھے اب کہاں آرام ملنا تھا۔ میرا ذہن مسلسل سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کبھی سوچتی خرم کی منتیں کروں کہ جو ہوا اسے بھول جاؤ اور آئندہ کبھی میری زندگی میں زہر گھولنے کی کوشش نہیں کرنا اور کبھی معظم کو سوچنے لگتی کہ پتا نہیں اب وہ میرے ساتھ کیا کرنے والے ہیں۔ بہرحال جب سارا ہنگامہ تھم گیا اور سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تب میں اٹھی تو خرم کے پاس جانے کے لئے تھی، لیکن اچانک خیال آیا کہ میرے رونے، گڑگڑانے پر وہ مزید شیر ہو سکتا ہے، جیسے شادی سے پہلے میں جتنا اس سے ڈرتی تھی وہ اتنا ہی مجھ

پر رعب جمایا کرتا تھا اور اسی خیال کے تحت میں نے اس کے پاس جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور کڑھتی ہوئی لائٹ آف کرنے لگی تھی کہ دروازہ ہلکی سی دستک کے ساتھ کھل گیا۔''

''کون ہے؟'' میں نے پوچھا تو جواب میں خرم جاوید اندر آ گیا۔

''تم۔'' میں نے حد درجہ ناگواری ظاہر کی جسے وہ یکسر نظر انداز کر کے پوچھنے لگا۔

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' میں کہتی ہوئی آ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''تھینک گاڈ۔ میں تو ڈر ہی گیا تھا۔ ویسے اچانک کیا ہو گیا تھا تمہیں؟'' اس نے بہت انجان اور معصوم بن کر پوچھا تو میرا دماغ گھوم گیا۔ بڑی مشکل سے میں نے خود کو چیخنے سے روکا اور بس اسی قدر کہہ سکی۔

''پتا نہیں۔''

''اور یار! وہ تمہارا شوہر معظم! دیکھنے میں تو اچھا پڑھا لکھا آدمی لگتا ہے اس نے کتنی غلط حرکت کی۔ تمہیں گرتے ہوئے دیکھتا رہا۔'' وہ یوں بولا جیسے میرا بڑا خیر خواہ ہو۔

''یہ تم کس طرح بات کر رہے ہو۔ میں اب صرف تمہاری کزن نہیں ہوں، شادی شدہ عورت، دو بچوں کی ماں ہوں اور سن لو کہ میرے شوہر ڈاکٹر معظم علی واقعی بہت اچھے انسان ہیں۔'' میں نے اندر ہی اندر تلملاتے ہوئے کہا۔

''اچھا۔'' وہ حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

''ڈاکٹر معظم علی بہت اچھے انسان ہیں پھر انہوں نے تمہیں سہارا کیوں نہیں دیا تھا؟۔''

''وہ بہت دور کھڑے تھے۔''

''ایک قدم کا فاصلہ بہت دور تو نہیں ہوتا۔ ان کی جگہ اگر میں ہوتا تو ایک میل سے بھاگتا آتا اور تمہیں گرنے سے پہلے تھام لیتا۔''

''سنو، تم مجھے معظم سے متنفر نہیں کر سکتے اس لئے ایسی فضول کوشش نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔'' میں بہت ضبط کر رہی تھی۔

''معظم کو تو تم سے متنفر کر سکتا ہوں۔ وہ تو فضول کوشش نہیں ہو گی بلکہ گارنٹی کے ساتھ کہتا ہوں کہ پہلی کوشش میں ہی کامیاب ہو جاؤں گا۔'' وہ بہت دل جلانے والے انداز میں کہہ کر مسکرایا۔

''خوش فہمی ہے تمہاری۔ اور پلیز اب تم جاؤ یہاں سے، مجھے نیند آ رہی ہے۔'' میں اٹھ کر

بیڈ کی چادر ٹھیک کرنے لگی۔

''او کے۔ صبح ملاقات ہو گی۔''

''وہ کہہ کر کمرے سے نکلا تو میں نے فوراً بڑھ کر دروازہ اندر سے بند کر دیا اور اس کے ساتھ پیشانی ٹیک دی۔ اس کے سامنے جتنا ضبط کیا تھا اب اسی قدر ٹوٹ رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کروں۔ کاش میں معظم کی بات نہ مانتی خواہ وہ کتنے ناراض ہوتے میں آج کی تقریب میں شریک نہ ہوتی تو کم از کم بھرم تو قائم رہتا اور میں جس کا بھرم رکھنا چاہتی تھی، اسی نے مجھے سب کے سامنے بے مایہ کر دیا۔ کیا تھا جو معظم میرا ہاتھ تھام کر مجھے گرنے سے بچا لیتے۔ اس کے بعد گھر جا کر ان کا رویہ جو بھی ہوتا میں سب سن لیتی، سہہ لیتی۔ یوں سب کے سامنے تماشہ تو نہ بنتی۔''

''کیا سچ مچ معظم مجھ سے اتنے بدگمان ہو گئے ہیں میں لائٹ آف کر کے لیٹی تو پھر ذہن الجھ گیا۔ کہیں تو میری ذرا سی تکلیف پر اتنے بے چین ہو جاتے تھے اور اب میرے گرنے کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا اور مجھے چھوڑ کر بھی چلے گئے۔''

''ان کی وہ محبتیں، وہ چاہتیں کیا ایسی ہی تھیں کہ ایک ذرا سی بات پر جھاگ کی طرح بیٹھ گئیں۔''

''ذرا سی بات۔'' میرے اندر جانے کون بولا تھا۔

''یہ ذرا سی بات نہیں ہے رومیلہ بیگم! ذرا سوچو پانچ برسوں میں معظم کی محبتوں اور چاہتوں کے بدلے میں تم نے انہیں کیا دیا۔ بیزاری، اکتاہٹ اور اب جب انہیں اس بیزاری اور اکتاہٹ کا سبب معلوم ہوا تو سوچو، وہ کتنے ہرٹ ہوئے ہوں گے کہ پانچ برس تم ان کے ساتھ بددیانتی کرتی رہیں۔ تمہارے دل پر کوئی اور قابض تھا اور تمہارا ذہن بھی اسی کو سوچتا تھا۔ تم نے ماضی سے ناتا توڑنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی بلکہ ہمیشہ اس میں گم رہیں اور اصل زندگی کی حقیقتوں کو نظر انداز کر دیا اور اب اگر معظم تمہیں نظر انداز کر گئے ہیں تو تمہیں دکھ کیوں ہو رہا ہے۔''

''اف! میں کیا کروں۔'' میں نے بے بسی سے تکیے پر سر پٹخا۔

''اب تمہارے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ تمہاری حیثیت ماضی اور حال کے بیچ کٹھ پتلی کی سی ہو گئی ہے۔''

''نہیں، نہیں۔ میرا ماضی سے کوئی ناتا نہیں۔ وہ سب فریب تھا۔'' میں اپنے اندر کی آوازوں سے باقاعدہ لڑ رہی تھی اور ساتھ ساتھ رو رہی تھی۔ تمام رات اسی طرح لڑتے اور روتے گزر گئی۔ صبح کے قریب جا کر کہیں آنکھ لگی تھی۔

''معمول کے مطابق پتا نہیں کسی نے مجھے اٹھایا کہ نہیں اور خود سے اٹھنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ صبح تو سوئی تھی اس لئے مجھے کچھ پتا نہیں کہ میرے کمرے میں کون آیا کون گیا۔ دوپہر میں کرن نے آ کر جھنجھوڑ کر اٹھایا تو میں اس پر بگڑ گئی۔۔''

''کیوں اٹھایا ہے تم نے مجھے، ابھی تو سوئی تھی؟''

''ابھی۔'' کرن نے آنکھیں پھیلائیں۔ ''صبح سے کتنی مرتبہ دیکھ کر جا چکی ہوں میں تمہیں، بے خبر سو رہی تھیں۔''

''صبح سے۔'' میں نے حیران ہو کر گھڑی کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا تو کرن سمجھ کر بولی۔

''جناب! اب دوپہر ہو رہی ہے وہ بھی ڈھلنے کی طرف مائل۔ یعنی تین بج چکے ہیں۔ مزید سونا چاہتی ہو تو بے شک سو جاؤ۔''

''نہیں۔'' میں نے فوراً بستر چھوڑ دیا۔ ''تم چائے بناؤ، میں ابھی آتی ہوں اور ہاں بچے کہاں ہیں؟''

''ابھی سلا کر آئی ہوں۔ صبح سے بہت اودھم مچایا ہوا تھا، شوبی کی تو خرم نے پٹائی بھی کر دی تھی۔'' کرن نے مزے سے بتایا۔

''کیوں، اسے یہ حق کس نے دیا ہے۔'' میں کسی طرح ناگواری چھپا نہیں سکی۔

''کیا بات کرتی ہو۔ ایک ہی تو ماموں ہے بچوں کا۔ ڈھیر سارے بچوں کا، اسے سارے حق آپ ہی آپ حاصل ہو گئے ہیں۔'' کرن کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

''ماموں۔'' میں نے سر جھٹکا لیکن مجھے ہنسی بھی آ گئی تھی۔

''پھر واش روم سے فارغ ہو کر میں کمرے سے نکلی تو خرم برآمدے میں ٹہلتا ہوا نظر آیا۔ اسے دیکھتے ہی مجھے رات کی باتیں یاد آ گئی تھیں۔ لیکن اب میں مزید اس سے نہیں الجھنا چاہتی تھی اس لئے فوراً کچن میں آ گئی۔ کرن نے وہیں رکھی ٹیبل پر کھانا لگا دیا تھا اور اب چائے کا پانی رکھ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگی۔''

''پہلے کھانا کھا لو، پھر چائے دوں گی۔''

''کھانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا۔ بس جلدی سے چائے دے دو۔'' میں نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں۔ رات سے کچھ نہیں کھایا تم نے۔ خالی پیٹ چائے نہیں ملے گی۔''

''اچھا سنو۔ معظم کا فون تو نہیں آیا تھا؟'' میں نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا اور

جواب عقب سے خرم نے دیا تھا۔

''نہیں۔'' پھر میرے سامنے آ کر بولا۔ ''میں خود صبح سے ان کے فون کا انتظار کر رہا ہوں۔''

''کیوں؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی میرے ہونٹوں سے ایک لفظ پھسل گیا تھا۔

''بہت ضروری بات کرنی ہے ان سے۔'' وہ بڑے آرام سے میرے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ لیکن میں نے کوئی نوٹس نہیں لیا اور پلیٹ میں سالن نکال کر کھانے میں مصروف ہو گئی۔ البتہ میرے اندر خاصی بے چینی پھیل گئی تھی۔

''معظم بھائی سے کیا بات کرنی ہے آپ کو؟'' کرن کا دھیان ادھر ہی تھا۔

''تمہیں بتانے کی نہیں ہے۔ تم اپنا کام کرو۔''

''اس نے اپنے اسی پرانے انداز میں ٹوکا جس پر میں سہم جایا کرتی تھی اور کرن سہمی تو نہیں خاموش ضرور ہو گئی اور مجھے چائے خود بنانے کا اشارہ کرتے ہوئے کچن سے نکل بھی گئی۔''

''سنو۔'' قدرے توقف سے اس نے مجھے متوجہ کرنا چاہا، لیکن میں فوراً کھڑی ہو گئی اور جانا چاہتی تھی کہ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور رعب سے بولا۔

''میری بات سن کر جاؤ۔''

''میرا ہاتھ چھوڑو۔'' میں جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا کر غصے سے بولی۔ ''آئندہ ایسی جرأت مت کرنا۔''

''آئندہ کی بات چھوڑو، میں ابھی......''

''اسے اٹھتے دیکھ کر میں فوراً وہاں سے نکل آئی اور پھر اسی وقت میں نے معظم کو ہاسپٹل فون کر ڈالا۔''

''کیا بات ہے؟'' میری آواز سن کر انہوں نے بہت سرد لہجے میں پوچھا تو میں جز بز ہو کر بولی۔

''میں آج گھر جاؤں گی آپ شام میں واپسی پر مجھے اور بچوں کو یہاں سے لیتے ہوئے جائیے گا۔''

''اچھی بات ہے'' انہوں نے فون بند کر دیا اور میرے لئے یہی بہت تھا ورنہ اگر وہ منع کر دیتے یا کیوں کا سوال اٹھاتے تو میں کیا کرتی۔ بہر حال میں نے کسی کو بتایا نہیں کہ معظم کو میں نے بلایا ہے اور شام میں جب وہ آئے تو انہوں نے بھی میرا بھرم رکھ لیا تھا۔ جب امی نے کہا کہ ابھی کچھ دن اسے یہیں رہنے دیتے تو ایک نظر مجھ پر ڈال کر بولے تھے۔

''میں بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

''اور بچوں کے طفیل ہی سہی میں گھر آئی تو حقیقتاً اسی وقت مجھے اپنے گھر کی اہمیت کا احساس ہوا تھا لیکن اب شاید دیر ہو چکی تھی کیونکہ گھر والا مجھ سے بہت خفا تھا اور خفگی بھی ایسی تھی کہ میں انہیں منانے کے جتن بھی نہیں کر سکتی تھی۔ بس ایک بار ان کے سامنے کتاب ماضی کے اوراق الٹ چکی تھی اب بار بار اسے دہرا کر معافی مانگنا تو ٹھیک نہیں تھا البتہ میں اپنے گزشتہ رویوں کی تلافی ضرور کرنا چاہتی تھی۔ لیکن معظم مجھ سے بات ہی نہیں کرتے تھے اور میں بات کرتی تو جواب میں گو کہ وہ مجھے براہ راست خرم جاوید کا طعنہ نہیں دیتے تھے لیکن ان کا لہجہ، ہر بات معنی خیز ہوتی جس سے میں اپنے آپ میں کٹ کر رہ جاتی اور پھر بہت دنوں تک ان سے بات نہیں کرتی تھی جس سے ہمارے درمیان کشیدگی بڑھتی چلی گئی اور اس کا ذمہ دار خرم جاوید تھا جو ہر دوسرے تیسرے دن مجھے فون کرنا نہیں بھولتا تھا اور عین اس وقت جب معظم گھر پر ہوتے۔ گو کہ میں خرم کی آواز سنتے ہی فون رکھ دیتی تھی لیکن اس کے بعد معظم کی جن نظروں کا سامنا ہوتا ان سے پہلے میں خائف اور پریشان ہوتی لیکن اب ان سے متنفر ہونے لگی تھی کیونکہ میرے خیال میں، میں ان کے سامنے اعتراف کر کے معافی مانگ چکی تھی اور اگر انہوں نے معاف نہیں کیا تھا تب بھی انہیں یہ زیب نہیں دیتا تھا کہ وہ بار بار مجھے اس غلطی کا احساس دلا کر شرمندہ کرتے رہیں جبکہ وہ ایسا ہی کر رہے تھے۔''

''اس روز خرم کا فون آیا تو اتفاق سے معظم گھر پر نہیں تھے۔ میں نے موقع غنیمت جان کر خرم کو بے نقط سنا ڈالیں اور وہ ایسا ڈھیٹ کہ آرام سے سنتا رہا۔ جیسے ہی میں خاموش ہوئی، بڑے محظوظ انداز میں بولا۔''

''لگتا ہے معظم گھر پر نہیں ہیں۔''

''وہ گھر پر ہی ہیں اور میرے سامنے بیٹھے ہیں۔''

''میں اس کا مطلب سمجھتے ہوئے تلملا کر بولی۔''

''تم کیا سمجھتے ہو انہیں کچھ پتا نہیں ہے۔ میں انہیں ہر بات بتا چکی ہوں۔''

''ناممکن۔ تم جیسی بزدل لڑکی ایسی جرأت بھی نہیں کر سکتی۔''

''کر چکی ہوں خرم جاوید، کر چکی ہوں۔'' میں زور دے کر بولی تھی۔

''اچھا پھر کیا کہا معظم نے؟'' کتنی دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

''کچھ نہیں۔ ان کے نزدیک ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ سمجھے تم۔''

''سمجھ گیا اور یہ بھی کہ ان کی نظروں میں تمہاری اہمیت کتنی رہ گئی ہو گی۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''تم اچھی طرح جانتی ہو۔''

''بکواس کر رہے ہو تم۔'' میں نے ریسیور پٹخ دیا۔

☆

اس کمینے کا اندازہ بالکل درست تھا۔ لیکن میں نے اس کی تائید نہیں کی تھی اور اب تک اسے جھٹلا رہی تھی۔ کیونکہ میں جانتی تھی کہ جس روز اسے میرے اور معظم کے درمیان کشیدگی کا علم ہو گیا۔ وہ بہت خوش ہو گا اور میں اسے یہ خوشی نہیں دے سکتی تھی۔ یہ بھی شکر تھا کہ معظم اپنا بھرم خود رکھے ہوئے تھے، یعنی اس کے اور سب گھر والوں کے سامنے ان کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا ہوتا تھا اسی لئے شاید خرم جاوید کے یقین میں دراڑیں پڑنے لگی تھیں جو اس روز وہ بہت سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

''سچ بتاؤ رومیلہ! تم نے معظم کو سب بتا دیا ہے؟''

''کیا، کیا بتا دیا ہے؟'' میں اس وقت بہت بور ہو رہی تھی اور دل چاہ رہا تھا کہ کسی سے بہت ساری باتیں کروں اس لئے ایک دم آپے سے باہر ہو جانے کے بجائے میں بھی آرام سے بات کرنے لگی تھی۔

''یہی کہ تم مجھ سے محبت کرتی تھیں۔''

''یہ تم سے کس نے کہا کہ میں تم سے محبت کرتی تھی؟'' میری بات پر وہ یقیناً جزبز ہوا ہو گا لیکن زور دے کر بولا۔

''خود تم نے اعتراف کیا تھا۔''

''کیا ہو گا پھر؟'' میں محظوظ ہوئی۔

''پھر یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ اگر معظم کو معلوم ہو گیا۔''

''فرض کرو، انہیں معلوم ہو جائے تو وہ کیا کریں گے؟'' میں نے فوراً پوچھا تو وہ بھی فور بولا تھا۔

''تمہیں گھر سے نکال دیں گے۔''

''تم یہی چاہتے ہو؟'' میں نے بمشکل اپنے غصے کو دبا کر پوچھا۔

''ہاں!'' وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔

''کیوں؟ میرا مطلب ہے، اس سے تمہیں کیا فائدہ ہو گا؟''

"فائدہ ہی فائدہ۔ تم میری ہو جاؤ گی یعنی میں تم سے شادی کرلوں گا۔" وہ یوں بولا جیسے بس اب یہی تو ہونا ہے۔

"منہ دھو رکھو۔" میں یکدم ہتھے سے اکھڑ گئی۔

"تمہارا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہوگا۔ اول تو معظم مجھے گھر سے نکالیں گے نہیں اور اگر خدا نخواستہ ایسی کوئی بات ہوگئی تو میں واپس آغا جی کے گھر آنے کے بجائے کسی اونچی بلڈنگ سے چھلانگ لگا دوں گی۔"

"کوئی بات نہیں میں، لنگڑی لولی کو بھی قبول کرلوں گا۔"

"میری ساری بات سن کر اس نے اتنے آرام سے کہا کہ اگر وہ سامنے ہوتا تو میں کوئی چیز اٹھا کر اس کے سر پر دے مارتی اور اب زور سے ریسیور ہی پٹخ سکی تھی۔ اس کے بعد کتنی دیر تک اسے کوستی رہی۔ پھر بھی میرا غصہ کم نہیں ہوا تھا کچھ دیر بعد معظم آئے تو میں ان کے سر ہوگئی۔"

"معظم! آپ کو ابھی میرے ساتھ آغا جی کے ہاں چلنا ہے۔"

"کیوں؟" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے انہوں نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا تو میں نتائج کی پروا کئے بغیر شروع ہوگئی۔

"وہ خرم جاوید، حد سے بڑھتا جارہا ہے۔ مجھ سے اب اس کی بدتمیزیاں برداشت نہیں ہوتیں۔ آپ اس سے کہہ دیں کہ......"

"بس۔" وہ مجھے ٹوک کر کہنے لگے۔ "اپنا معاملہ تم خود نمٹاؤ مجھے اس میں انوالو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میرا معاملہ، یعنی آپ کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔"

"میں آپ کی بیوی نہیں، آپ کے بچوں کی ماں نہیں؟"

"بس یہیں آکر تو میں مجبور ہوجاتا ہوں کہ تم میرے بچوں کی ماں ہو۔"

"وہ کہہ کر ڈریسنگ روم میں چلے گئے اور میں کتنی دیر وہیں کھڑی رہ گئی۔ کس قدر بے مایہ کر گیا تھا یہ شخص مجھے۔ میرا دل چاہ رہا تھا چیخ چیخ کر رو دوں۔ بمشکل اپنی چیخوں کا گلا گھونٹتی ہوئی میں کمرے سے نکل آئی تھی۔"

☆

"پھر کتنے دن گزر گئے۔ مجھے اب اپنے گھر میں اپنا وجود غیر اہم لگنے لگا تھا۔ کبھی کبھی دل چاہتا سب کچھ چھوڑ کر کہیں دور چلی جاؤں لیکن وہی بات کہ میں بھی بچوں کی وجہ سے مجبور تھی۔

ان معصوموں کا بھلا کیا قصور تھا جو ماں باپ دونوں کی توجہ سے محروم ہو رہے تھے۔ اس روز مجھے شدت سے احساس ہوا کہ اپنی پریشانی میں، میں اپنے بچوں سے بھی غافل ہو رہی ہوں۔ تب خود کو بہت ملامت کرتے ہوئے میں نے تہیہ کرلیا کہ میں نہ خرم کی باتوں سے پریشان ہوں گی اور نہ معظم کے رویے سے دلبرداشتہ ہوکر سارا وقت کڑھنے میں گزاروں گی۔ بلکہ میرا سارا وقت میرے کڑھنے میں گزاروں گی بلکہ میرا سارا وقت میرے بچوں کے لئے ہوگا اور اسی روز میں نے آیا کی چھٹی کر دی۔ اس کے بعد واقعی میں بہت مصروف ہوگئی تھی۔"

"صبح ناشتے کی ٹیبل پر میری زیادہ توجہ شوبی اور گڑیا پر ہوتی، انہیں اپنے ہاتھ سے کھلاتے ہوئے کسی کسی وقت میں معظم کی طرف بھی دیکھ لیتی اور انہیں جس چیز کی ضرورت ہوتی، وہ ان کی طرف کھسکا دیتی اور شام میں جب معظم آتے تب بھی میں بچوں کے ساتھ مصروف ہوتی تھی اس لئے پہلے کی طرح ان کے پیچھے لپک کر کمرے میں نہیں جاتی تھی اور کیوں جاتی جب انہیں میری پروا بھی نہیں تھی اور ابھی بھی یوں لگ رہا تھا جیسے انہیں میری اس نئی روٹین کی پروا بھی نہیں کیونکہ ان کے کسی انداز سے ناگواری ظاہر نہیں ہوتی تھی اس لئے میں نے سمجھ لیا کہ ہمارے درمیان ایک خاموش سمجھوتہ ہوگیا ہے۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔"

"اس شام جب وہ ہسپتال سے لوٹے تو میں گڑیا کو کسٹرڈ کھلا رہی تھی۔ وہ بس ایک پل کو ہمارے قریب رکے پھر سیدھے کمرے میں چلے گئے اور مجھے کیونکہ ان کا رکنا محسوس ہوا تھا، اس لئے میں کسٹرڈ کا پیالہ رکھ کر چائے کا پوچھنے ان کے پیچھے چلی آئی۔"

"چائے لاؤں آپ کے لئے؟" میں نے مخاطب کئے بغیر پوچھا تو وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولے۔

"فرصت مل گئی تمہیں؟"

"میرے پاس تو فرصت ہی فرصت ہے۔" ان کے لہجے کی چبھن یکسر نظر انداز کر کے میں نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ ایک صرف میرے جانے اور آنے کے اوقات میں تم مصروف ہوتی ہو، باقی وقت تو تمہارا اپنا ہے۔" پھر وہی معنی خیز انداز جسے میں نظر انداز نہیں کرسکی۔ اندر ابال اٹھنے لگا تھا لیکن کچھ کہنے سے میں نے خود کو باز رکھا اور واپس پلٹی تھی کہ وہ پکار کر بولے۔

"سنو، میری طرف سے تم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ تم چاہو تو واپس وہیں جاسکتی ہو جہاں تمہارے چاہنے والے......"

''بات ادھوری چھوڑ کر وہ کمرے سے نکل گئے تھے اور میرے بدن سے جیسے جان بھی نکال لے گئے تھے۔ میری ٹانگیں سن ہو گئی تھیں اور ذہن بالکل ماؤف۔ کتنی دیر بعد گڑیا کے رونے کی آواز نے مجھے جھنجھوڑا تھا۔ میں بھاگ کر برآمدے میں آئی اور اسے بازوؤں میں لے کر چپ کرانے کے بجائے خود بھی اس کے ساتھ رونے لگی۔ کچھ دیر بعد گڑیا تو روتے روتے سو گئی لیکن میرے آنسو نہیں تھے۔''

''بس معظم علی! اتنا سا حوصلہ ہے تمہارا۔ خود اتنے عرصے سے مجھے نظر انداز کر رہے ہو اور میری ذرا سی بے نیازی برداشت نہیں ہوئی۔ فوراً جانے کا کہہ دیا۔'' میں نے چیختے ہوئے ذہن کے ساتھ سوچا۔

''اور میں کہاں جاؤں۔ آغا جی کے ہاں تو مر کر بھی نہیں جاؤں گی۔ بہت چاہنے والے ہیں ناں میرے وہاں جو اسی انتظار میں بیٹھے ہیں۔''

''میرے اندر تنفر بھر گیا۔ گڑیا کو اس کے کمرے میں لٹا کر میں نے معظم سے اسی وقت دو ٹوک بات کرنے کا سوچا لیکن وہ اسٹڈی میں تھے نہ ڈرائنگ روم میں۔ پتا نہیں کہاں چلے گئے تھے۔ میں باہر آئی تو پورچ میں گاڑی میں موجود نہیں تھی اور میں ان کے انتظار میں وہیں برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔''

''گہری شام سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی اور اس سناٹے میں اچانک ٹیلی فون کی بیل نے ہلچل مچا دی لیکن میں اپنی جگہ سے نہیں اٹھی۔ کچھ دیر تک وقفے وقفے سے بیل بجتی رہی پھر یہ سلسلہ ختم ہو گیا تو میں گھٹنوں پر پیشانی رکھ کر ہر بات نئے سرے سے سوچنے لگی۔ مجھے گرد و پیش کا ہوش نہیں رہا تھا نہ میں نے گیٹ کھلنے کی آواز سنی۔ البتہ جب مجھے پکارا گیا تب میں نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور سامنے خرم کو دیکھ کر میں جیسے پاگل ہو گئی۔''

''تم۔ تمہیں جرأت کیسے ہوئی یہاں آنے کی، آگ لگا کر تماشہ دیکھنا چاہتے ہو۔ تم انتہائی کمینے اور گھٹیا انسان ہو۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔''

''میں بری طرح چلاتی ہوئی اس پر پل پڑی تھی۔''

''ارے...... رے...... رومیلہ!'' وہ صرف ایک ہاتھ سے اپنا دفاع کرنے لگا کیونکہ دوسرے ہاتھ میں کوئی پیکٹ تھا۔

''میری زندگی برباد کر کے تم کیا سمجھتے ہو کہ تم آرام سے رہ لو گے، میں تمہارا جینا حرام کر دوں گی۔ میں اب وہ بزدل لڑکی نہیں ہوں۔'' مجھے خود پتا نہیں تھا میں کیا کہے جا رہی تھی۔

''رومیلہ! رومیلہ! ہوش میں آؤ۔'' بالآخر اس نے مجھے زور سے دھکا دے ڈالا تو میں ستون سے ٹکرا کر وہیں بیٹھ گئی اور پھر ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

''رومیلہ!'' کچھ دیر بعد اس نے مجھے پکارا پھر آہستہ سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''روؤ مت، مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟''

''تم پوچھ رہے ہو، کیا ہوا ہے؟'' میں ہاتھ نیچے گرا کر غصے سے بولی۔ ''سارا کیا دھرا تمہارا ہے۔ معظم مجھ سے بات نہیں کرتے اور آج تو انہوں نے مجھے یہاں سے جانے تک کا کہہ دیا ہے۔ یہی چاہتے تھے ناں تم؟''

''نہیں۔'' وہ آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

''جھوٹ مت بولو۔ اس روز تم نے خود کہا تھا۔''

''چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ بتاؤ، معظم نے تم سے ایسا کیوں کہا؟''

''اف، کتنے انجان بن رہے ہو تم۔ بس تم چلے جاؤ یہاں سے۔ میں تمہیں کبھی بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔ تم نے میری اچھی بھلی زندگی میں زہر گھول دیا ہے۔ کاش تم کبھی واپس نہ آتے۔ وہیں مر جاتے۔'' میں پھر رونے لگی تھی۔

''فضول میں مجھے کوس رہی ہو۔ احمق تم خود ہو، کس نے تمہیں مشورہ دیا تھا۔ معظم کو سب بتانے کا۔'' وہ جانے میرے کوسنے سے یا رونے سے چڑ گیا تھا۔

''تم نے۔ تمہاری حرکتوں نے، تمہاری دھمکیوں نے۔ میں جانتی ہوں، ابھی بھی تم ایسے ہی کسی ارادے سے آئے ہو۔'' میں جس قدر تیز ہو کر بول رہی تھی، وہ اسی قدر آرام سے بولا۔

''میں تمہیں لینے آیا ہوں۔''

''کیا۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟'' میں اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

''بھئی، معظم نے تمہیں جانے کو کہہ دیا ہے تو چلو میرے ساتھ، میں تمہیں......''

''بکواس بند کرو'' میں پوری قوت سے چیخی اور بھاگ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔

''میرا رو رو کر برا حال تھا۔ پتا نہیں وہ کب گیا اور کب معظم آئے تھے۔ انہوں نے کتنی بار میرے دروازے پر دستک دینے کے ساتھ مجھے پکارا، لیکن میں نے دروازہ نہیں کھولا اور یونہی روتے روتے سو گئی تھی۔''

''صبح مجھ سے اٹھا بھی نہیں جا رہا تھا۔ جوڑ جوڑ یوں درد کر رہا تھا جیسے بہت مشقت کی ہو۔ بخار الگ اور رونے کے باعث آنکھیں اتنی بوجھل ہو رہی تھیں کہ ٹھیک سے کھل بھی نہیں رہی

تھیں۔ پھر بھی میں نے بستر چھوڑ دیا اور خود کو گھسیٹتی ہوئی کچن میں آ کر ناشتہ بنانے لگی۔ بڑی مشکل سے میں نے چند سلائس گرم کئے پھر انڈے فرائی کر کے چائے کا پانی رکھ رہی تھی کہ معظم آ گئے۔ غالباً ناشتہ بنانے کی غرض سے آئے تھے کیونکہ میں رات سے کمرے میں بند تھی اور وہ یہی سمجھے ہوں گے کہ میں اس وقت بھی دروازہ نہیں کھولوں گی۔ بہرحال یہ طے تھا کہ وہ مجھے دیکھنے نہیں آئے تھے۔ لیکن جب دیکھا تو ٹھٹک گئے۔ یقیناً میری سوجی ہوئی آنکھیں اور بخار کی تمازت سے سرخ چہرہ وہ نظر انداز نہیں کر سکے تھے۔ فوراً میرا بازو تھام کر اندر لے آئے اور تشویش سے پوچھنے لگے۔"

"کیا ہوا ہے تمہیں، ایک رات میں یہ حالت۔"

"ہاں، میں مر جاؤں گی لیکن آپ کو اور بچوں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"میرے حلق سے رندھی ہوئی آواز نکلی اور میں نے ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔"

"کون ...... کون کہہ رہا ہے تمہیں کہیں جانے کو؟"

"انہوں نے میری دونوں کلائیاں تھام لیں۔"

"آپ۔ کل آپ ہی نے تو ......"

"بے وقوف!" وہ ٹوک کر بولے۔ "میری ذرا سی بات کا تم نے اتنا اثر لیا۔"

"یہ ذرا سی بات تھی؟" میں نے آنسو بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

"او گاڈ! تم واقعی بہت بے وقوف ہو۔ بھئی غصے میں آدمی کچھ بھی کہہ دیتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب تھوڑی ہوتا ہے کہ ...... چلو لیٹو آرام سے میں تمہارے لئے ناشتہ لاتا ہوں، اس کے بعد دوا دوں گا۔"

"وہ مجھے زبردستی لٹا کر چلے گئے اور کچھ دیر بعد ہی ناشتہ لے آئے۔ میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔ بڑی مشکل سے ایک سلائس چائے کے ساتھ حلق سے اتارا۔ اس کے بعد انہوں نے ڈوز دی تو میں پھر غافل ہو گئی تھی۔"

"دوپہر میں، میں اٹھی تو کافی بہتر تھی اور مجھے پہلا خیال بچوں کا آیا، پتا نہیں وہ دونوں کس کے پاس تھے۔ میں فوراً اٹھ کر ان کے کمرے میں آئی تو معظم کو ان کے پاس دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا۔"

"کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" معظم نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا۔

"کافی بہتر ہوں۔ آپ ہسپتال نہیں گئے؟"

"تمہیں ایسی حالت میں چھوڑ کر جاتا اور پھر بچے بھی تو اکیلے ہوتے تم نے آیا کی چھٹی کیوں کر دی۔ بلاؤ اسے فوراً واپس۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کھانا کھایا آپ لوگوں نے؟" میں نے شوبی اور گڑیا کو پیار کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ تمہارے لئے دلیہ بھی بنا دیا ہے۔ چلو میں لے کر آتا ہوں۔"

"آپ ...... آپ نے بنایا ہے؟" میں حیران ہوئی۔

"اور کون بنائے گا؟" وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئے تو میں بچوں کو آرام سے کھیلنے کی تاکید کرتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی۔

"معظم کا یہ انداز میرے لئے نیا نہیں تھا۔ خرم کے آنے سے پہلے وہ میرا اسی طرح خیال رکھتے تھے، جبکہ میرا رویہ ان کے ساتھ خاصا سرد رہا تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے کبھی شکایت نہیں کی تھی کیونکہ وہ اسے میری عادت سمجھتے تھے لیکن خرم جاوید کی آمد نے سب گڑبڑ کر دیا تھا اور اب اتنے دنوں بعد ان کی پہلے جیسی محبت پر میرا دل بھرا آ رہا تھا۔ کاش بدلے میں، میں نے بھی ان سے اتنی ہی محبت کی ہوتی تو زندگی کتنی حسین ہوتی۔ خیر ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔ بہت زندگی باقی ہے۔ میں اپنے گزشتہ رویوں کی تلافی کر دوں گی۔ میں دلیہ کھاتے ہوئے یہ سب سوچ رہی تھی۔ اچانک معظم پر نظر پڑی تو وہ بغور مجھے دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا لیکن آنکھوں میں کوئی ایسی بات تھی جس سے میں ٹھٹھک گئی۔"

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"ہیں!" وہ چونکے تھے پھر جیسے بات بنائی۔ "بہت کمزور ہو گئی ہو تم ایک ہی رات میں۔"

"میں خاموش رہی تو قدرے توقف سے مجھے متوجہ کر کے پوچھنے لگے۔"

"سنو۔ کل میرے جانے کے بعد کون آیا تھا؟"

"کب؟" میں اندر ہی اندر خائف ہو گئی۔

"شام میں۔"

"خرم ...... خرم آیا تھا۔" میں کوشش کے باوجود جھوٹ نہیں بول سکی۔

"کیوں۔ میرا مطلب ہے، کسی کام سے یا محض تمہیں پریشان کرنے؟"

"پتا نہیں۔" میں نے اکتا کر کہا تو وہ کچھ دیر تک کھوجتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھتے رہے پھر ایک دم کھڑے ہو گئے۔

"آؤ میرے ساتھ۔"

''کہاں؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا، لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئے۔

''کہاں، کہاں جا رہے ہیں؟'' میں الجھتی رہ گئی لیکن ان پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ گاڑی سٹارٹ کرتے ہی اسپیڈ سے بھگا دی تھی۔

''آغا جی کے گھر کے سامنے گاڑی رکی تو میں نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔''

''کیا آپ مجھے یہاں چھوڑنے آئے ہیں؟'' انہوں نے ابھی بھی کوئی جواب نہیں دیا اور مجھ سے ہاتھ چھڑا کر نیچے اتر گئے۔

''میں اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتری تو پھر ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور عاجزی سے بولی۔''

''معظم! میں آپ کے اور بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتی۔''

''میں جانتا ہوں۔'' انہوں نے سنجیدگی اور سکون سے کہا اور اس سے پہلے کہ میں مزید کچھ کہتی میرا ہاتھ پکڑ کر اندر آئے تو اتفاق سے پہلے مرحلے پر ہی خرم سے سامنا ہو گیا۔ وہ غالباً کہیں جانے کے لئے نکل رہا تھا۔ ہمیں دیکھا تو خوشگوار حیرت کے ساتھ بولا۔

''ارے آپ لوگ، آیئے آیئے۔''

''معظم کی پیشانی پر بے شمار لکیریں کھنچ گئی تھیں۔ جنہیں دیکھ کر میرا ہاتھ ان کے ہاتھ میں کانپنے لگا۔''

''کیا بات ہے آپ لوگ کچھ پریشان .....'' خرم نے میرے ملگجے کپڑوں اور ستے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے اسی قدر کہا تھا کہ معظم بول پڑے۔

''ہم لوگ نہیں صرف رومیلہ اور اسے پریشان کرنے والے آپ ہیں۔''

''میں .....!'' خرم نے حیران ہونے کی بھرپور ایکٹنگ کی۔

''جی آپ! رومیلہ نے مجھے آپ کے بارے میں سب بتا دیا ہے اور یہ بھی کہ آپ مسلسل اسے دھمکیاں دے رہے ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں ہے خرم جاوید!'' معظم کے لہجے میں حد درجہ ناگواری تھی پھر وارننگ کے انداز میں کہنے لگے۔

''میں اس وقت آپ کو یہ باور کرانے آیا ہوں کہ رومیلہ اب سب سے پہلے میری بیوی اور میرے بچوں کی ماں ہے، باقی سارے رشتے اس کے بعد آتے ہیں۔ آپ اس کے کزن ہیں اور اس ناتے ہمارے گھر آنا چاہیں تو شوق سے آئیں، لیکن میں اس بات کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا

کہ آپ کبھی میری بیوی سے اونچی آواز میں بات کریں۔ دھمکی دینا تو دور کی بات ہے۔''

''کچھ کہنے کی کوشش میں خرم جاوید کے ہونٹ نیم وا ہو کر رہ گئے تھے اور میں نے یک لخت ہر خوف سے نکل کر معظم کا بازو مضبوطی سے تھام لیا۔''

''چلو رومیل!'' انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا تو میں جلدی سے بولی۔

''ابھی نہیں۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ پھر آئیں گے۔'' انہوں نے کہا تو ان کے ساتھ باہر نکلنے سے پہلے میں نے ایک نظر خرم جاوید کو دیکھا اس کے ہونٹوں میں دبی مسکراہٹ جانے کیا کہہ رہی تھی۔ میں سمجھ نہیں سکی اور جلدی سے باہر آ گئی تھی۔

''میرے اندر اب کوئی خوف نہیں تھا۔ بہت مطمئن ہو کر میں نے سیٹ کی پشت سے سر لگا دیا اور ویو مرر میں معظم کو دیکھ کر بولی۔''

''یہ سب آپ پہلے بھی تو کر سکتے تھے۔ میرا مطلب ہے اگر پہلے ہی دن خرم کو تنبیہہ کر دیتے تو وہ اس حد تک نہ بڑھتا اور نہ میں پریشان ہوتی۔''

''میں یہی دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کس حد تک جاتا ہے۔ دوسرے میں تمہیں مضبوط کرنا چاہتا تھا لیکن تم ...... تم نے مجھے مایوس کیا۔ جب ہر بات میرے علم میں لا چکی تھیں پھر تمہیں ڈرنے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہیں اس کی کسی بات کا نوٹس ہی نہیں لینا چاہئے تھا۔''

''آپ کو نہیں پتا، وہ بڑی خوفناک باتیں کرتا تھا۔''

''اب نہیں کرے گا۔''

''اب کر کے تو دیکھے، میں اس کا منہ توڑ دوں گی۔''

''اب نہیں کرے گا۔''

☆

''میں اب اپنے گھر میں بہت خوش اور بہت مطمئن تھی۔ صحیح معنوں میں جیسے میری نئی زندگی کی ابتداء ہی اب ہوئی تھی۔ کیونکہ گزشتہ پانچ برس میں نے اپنی محبت کی بربادی پر کڑھتے ہوئے گزارے تھے۔ کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ میری اصل زندگی یہ ہے اور مجھے اسے سنوارنے کی سعی کرنی چاہئے۔ اس کے برعکس ماضی میں بھٹکتی رہی تھی، لیکن اب شکر ہے کہ میں اس فریب سے نکل آئی تھی تو اب زندگی میں رنگ ہی رنگ بکھرنے لگے تھے۔ خوشیوں کے، محبتوں اور چاہتوں کے اور میں ان رنگوں سے پیار کرنے لگی تھی۔ وہ سارے کام جو ایک روٹین کے تحت ہوتے تھے ان میں میری محبت شامل ہو گئی تھی اور میں بڑی مگن سی تھی کہ اس روز پھر خرم کا فون آ گیا جس پر مجھے بڑی

حیرت ہوئی کیونکہ میرا خیال نہیں بلکہ مجھے یقین تھا کہ اب وہ کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ بہرحال میں نے اس پر کچھ جتائے بغیر بڑے آرام سے پوچھا تھا۔"

"کہو، کیا کام ہے؟"

"کام۔ مجھے تم سے کیا کام ہو سکتا ہے؟" اس کا انداز بھی سیدھا سادا تھا۔

"پھر، کیوں فون کیا ہے؟"

"تمہاری خیریت معلوم کرنے کے لئے۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" میں فوراً بولی تھی۔

"اور خوش بھی۔" وہ جانے کیا جاننا چاہتا تھا۔

"ہاں، بہت خوش۔"

"اور معظم؟"

"معظم بہت اچھے ہیں۔ اتنے اچھے، اتنے اچھے بس ساری دنیا سے اچھے۔" میرا مقصد اس پر کچھ جتانا نہیں تھا بلکہ دل سے میں نے معظم کی تعریف کی تھی۔

"ہاں، یہ تو میں بھی جان گیا ہوں کہ وہ کتنے اچھے ہیں۔ تم واقعی خوش قسمت ہو رومیلہ کہ تمہیں معظم کا اعتماد حاصل ہے۔ او کے وش یو بیسٹ آف لک۔"

"اس نے بہت سنجیدگی سے کہہ کر فون بند کر دیا تو میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کا مقصد کیا تھا۔ کیا صرف یہی جاننا چاہتا تھا کہ میں خوش ہوں کہ نہیں اور وہ تو مجھے خوش نہیں دیکھنا چاہتا پھر ایسے کیوں کہہ رہا تھا۔"

"شاید اس کا دماغ ٹھکانے آ گیا ہے۔" میں نے ریسیور رکھتے ہوئے سوچا تھا۔

☆

"پھر کتنے سارے دن گزر گئے۔ اس دوران میں کتنی بار معظم کے ساتھ آغا جی کے گھر جا چکی تھی، لیکن خرم سے سامنا نہیں ہوا۔ پتا نہیں وہ گھر پر ہوتا نہیں تھا یا ہمارے سامنے نہیں آتا۔ میں نے یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی، نہ میرے اندر ایسی کوئی خواہش موجود تھی۔ البتہ معظم نے ہر بار واپسی پر پوچھا تھا کہ خرم نظر نہیں آیا۔ تمہاری ملاقات ہوئی اور ہر بار میرا جواب نہیں ہوتا۔"

"ان ہی دنوں کرن کی شادی طے ہو گئی تو امی خاص طور سے مجھے لینے آ گئیں تاکہ شادی کی تیاریوں میں ان کی مدد کر سکوں اور میں جانا تو چاہتی تھی لیکن مجھے معظم کا خیال تھا کہ انہیں کھانے پینے اور دوسرے کاموں کی تکلیف ہو گی اور یہی بات میں امی سے کہہ کر ان کے ساتھ

جانے سے انکار کر رہی تھی۔ معظم نے سنا تو ٹوک دیا۔"

"تم میری فکر نہیں کرو۔ ناشتہ میں بنا لیتا ہوں۔ دوپہر کا کھانا ویسے بھی گھر پر نہیں کھاتا اور رات کا کھانا کہیں بھی کھا لوں، البتہ میرے کپڑوں کی سیٹنگ کر جاؤ۔"

"اور یوں میں ان کے ہفتہ بھر کے کپڑوں کی سیٹنگ کر کے امی کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ آتے ہوئے امی نے بار بار ان سے کہا تھا کہ وہ ہسپتال سے واپسی پر سیدھے ادھر آ جائیں اور رات کا کھانا بھی سب کے ساتھ کھائیں اور بہت زیادہ اصرار پر انہوں نے ہامی تو بھری لیکن میں جانتی تھی کہ وہ کبھی نہیں آئیں گے۔ کیونکہ اس معاملے میں وہ شروع سے خاصے ریزرو تھے۔ بہرحال میں امی کے ساتھ آئی تو آگے کتنے کام منتظر تھے۔ شاپنگ، پیکنگ، کچھ دوپٹوں میں بیلیں ٹانکنی باقی تھیں اور یہ آخری کام تو میں نے رات کیلئے اٹھا رکھا کہ جب لڑکیاں ڈھولک لے کر بیٹھیں گی، تب میں ایک کونے میں آرام سے بیٹھ کر یہ کام کر لوں گی۔ البتہ شاپنگ کی لسٹ میں نے اسی وقت امی سے بنوا لی۔ مجھے اپنے بچوں کے کپڑے بھی لینے تھے اس لئے میں اسی وقت سونیا کے ساتھ چل پڑی۔ امی نے کہا بھی کہ خرم کا انتظار کر لو، وہ آئے گا تو اس کے ساتھ گاڑی پر چلی جانا، لیکن مجھ سے زیادہ سونیا نے مخالفت کی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ہمیں ٹھیک سے شاپنگ نہیں کرنے دے گا اور بس چلو چلو کی رٹ لگاتا رہے گا۔ شاید اسے یہ تجربہ ہو چکا تھا اور میں تو ویسے ہی اس کے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی۔ لیکن جب بھاری شاپرز اٹھائے اٹھائے مارکیٹ میں چلنا پڑا تب مجھے افسوس ہوا کہ امی کی بات کیوں نہیں مانی اور میں نے سونیا سے کہا تو اس نے ابھی بھی مخالفت کی۔"

"نہیں، یہ بوجھ قابل برداشت ہے۔ خرم کی باتیں برداشت نہیں ہوتیں۔ ذرا خیال نہیں کرتا۔ دکاندار کے سامنے ڈانٹ دیتا ہے۔ اف میں تو ایک بار اس کے ساتھ آ کر پچھتائی تھی۔ یقین کرو واپس گھر روتی ہوئی گئی تھی اور آئندہ کے لئے توبہ کر لی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں کیا کروں، مجھ سے اب چلا بھی نہیں جا رہا۔"

"میں رک گئی اور ایک ہاتھ سے شاپرز نیچے رکھ دیئے۔"

"ہائیں، دو ہی بچوں میں تمہارا یہ حال ہو گیا ہے ہانپنے لگی۔ اپنے ڈاکٹر سے کہو تمہیں طاقت کے ٹانک لکھ کر دے بلکہ انجکشن لگوا لو تو زیادہ بہتر ہے۔" وہ باقاعدہ مجھے مشورہ دینے کھڑی ہو گئی تو مجھے بے ساختہ ہنسی آئی۔

"تمہارے مشورے پر ضرور عمل کروں گی، پہلے گھر تو چلو۔"

''پھر؟''

''پھر یہ کہ میں نے اسے گھر میں نہیں دیکھا۔ کہیں گیا ہوا ہے کیا؟''

''گیا تو نہیں، جانے کی تیاری کر رہا ہے۔'' سونیا نے بتایا۔

''کہاں؟''

''امریکہ۔''

''امریکہ۔ ابھی تو آیا ہے وہاں سے، پھر کیا کرنے جا رہا ہے؟'' میں نے تعجب سے کہا تو وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔

''پتا نہیں۔''

''پوچھا نہیں تم لوگوں نے اور وہ آغا جی جانے دے رہے ہیں؟''

''تو کیا کریں۔ رسی سے باندھ کر بٹھا دیں۔ تمہیں پتا تو ہے وہ اپنی بات کیسے منواتا ہے۔ بہرحال اس کے جانے سے کوئی خوش نہیں ہے۔ تائی اماں تو بے چاری اس دن سے روئے جا رہی ہیں اور اس ڈھیٹ پر ذرا اثر نہیں ہو رہا۔'' سونیا خاصے جلے ہوئے انداز میں شروع ہو گئی تھی۔

''ڈھیٹ تو وہ ہے۔ آغا جی کو چاہئے اس کی شادی کر دیں۔'' میں نے کہا تو وہ اور جل کر بولی۔

''ارے بہت کہا۔ اتنی اچھی اچھی لڑکیاں دکھائیں لیکن وہ مانا ہی نہیں۔'' پھر ایک دم جانے کس خیال کے تحت میری طرف جھک کر رازداری سے کہنے لگی۔

''سنو، تم کوشش کر دیکھو۔''

''کس بات کی؟'' میں فوراً سمجھی نہیں تھی۔

''اسے روکنے اور شادی پر آمادہ کرنے کی۔''

''ہاں میری بات تو وہ جیسے مان لے گا۔''

''میرا خیال ہے مان لے گا۔ بلکہ شاید اسی انتظار میں ہے کہ تم اسے روکو۔'' سونیا نے خیال بھی یقین کے ساتھ ظاہر کیا۔

''جی نہیں۔ تمہارا خیال غلط ہے اور اگر صحیح ہو تب بھی میں تو کبھی نہیں روکوں گی اسے۔'' میں نے صاف انکار کیا تو وہ منت سے بولی۔

''سنو، میں جانتی ہوں کہ اس نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا لیکن ہم سب کی خاطر،

تائی اماں کی خاطر۔''

''وہ نہیں مانے لگا۔'' میں نے عاجز آ کر کہا۔

''تم ایک بار کہو تو۔'' وہ بضد تھی۔

''اچھا بابا! کہہ دیکھوں گی۔ اگر وہ نہیں مانا تو پھر تم میرے ہاتھوں نہیں بچو گی۔'' میں نے جان چھڑانے کے لئے ہامی بھرتے ہوئے کہا۔

''اور اگر مان گیا تب میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟''

''پھانسی پر لٹکا دینا مجھے۔'' میں نے چڑ کر کہا تو وہ مجھے مزید چڑانے لگی تھی۔

''اور میں نے مجبوراً سونیا سے ہامی بھری تھی ورنہ میرا خرم سے بات کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر سونیا پوچھے گی تو میں جھوٹ بول دوں گی کہ وہ نہیں مانا۔ ظاہر ہے اتنی باتیں ہونے کے بعد میں بھلا کیوں اسے روکنے کی کوشش کرتی۔ گویا کہ اب وہ میرے لئے کوئی خطرہ نہیں تھا پھر بھی مجھے اچھا نہیں لگا۔ ویسے میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیوں جا رہا ہے۔ یہ تو میں ہرگز نہیں سوچ سکتی تھی کہ میری طرف سے مایوس ہو کر، کیونکہ میری شادی کی اطلاع تو اسے جب وہ امریکہ میں تھا تب ہی مل گئی تھی۔ اگر اتنا ہی اسے دکھ ہوا ہوتا تو وہ آتا ہی نا۔ یا محض مجھے پریشان کرنے کے لئے آیا تھا۔ انتقام کی آگ لے کر جس سے اس نے میرے گھر کو جلانا چاہا تھا۔ اس روز میں وقفے وقفے سے ہی سب باتیں سوچتی رہی پھر بھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکی تو دوپہر میں تائی اماں کے پاس آ بیٹھی اور کچھ دیر میں ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی پھر سرسری انداز میں پوچھا۔''

''سنا ہے تائی اماں! خرم باہر جا رہا ہے کیا یہ سچ ہے؟''

ہاں۔ تائی اماں نے آہ بھری تھی۔

''کیوں؟''

''کہتا ہے یہاں کچھ نہیں رکھا۔ بتاؤ بھلا کیا نہیں ہے یہاں۔ سب سے بڑھ کر اس کے سارے اپنے یہیں ہیں۔ باہر اکیلا پتا نہیں کیا کرے گا؟'' تائی اماں رونے لگیں تو میں نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''روئیں نہیں تائی اماں! وہ جلدی واپس آ جائے گا۔''

''کہتا ہے، کبھی نہیں آؤں گا۔''

''ایسے ہی آپ کو تنگ کرنے کے لئے کہہ دیا ہو گا۔ آپ کو پتا تو ہے وہ یوں ہی الٹی

سیدھی باتیں کرتا ہے۔"

"میں نے تائی اماں کو تسلی دی، لیکن ان کے آنسو نہیں تھم رہے تھے۔ مجھے بہت دکھ ہو رہا تھا اور اس پر غصہ بھی آ رہا تھا کہ اسے اپنی بوڑھی ماں کا خیال بھی نہیں ہے۔ بے چاری اب اس کی خوشیاں دیکھنا چاہتی ہیں اور وہ انہیں مزید دکھ دے کر جا رہا ہے۔"

"اگلے روز میں چچی جان کے کہنے پر اس کے کمرے میں گئی تو اس وقت وہ کمرے میں موجود نہیں تھا۔ میں نے جلدی سے ادھر اُدھر سے چائے کے مگ جمع کر کے ٹرے میں رکھے تھے کہ وہ آ گیا۔ مجھے دیکھ کر ایک لحظہ کو دروازے میں رکا پھر اندر آتا ہوا پوچھنے لگا۔"

"تم کب آئیں؟"

"میں ایک ہفتے سے یہیں ہوں۔" میں نے خاصے نروٹھے انداز میں جواب دیا۔

"حیرت ہے۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا نہ کسی نے بتایا۔" وہ جیسے اپنے آپ سے بولا تھا پھر مجھے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"ابھی رہو گی؟"

"بس کل تک، کرن کی رخصتی کے بعد میں بھی رخصت ہو جاؤں گی۔" میں نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو وہ بڑی آس سے بولا تھا۔

"دو دن اور رک جاؤ۔ میری رخصتی کے بعد رخصت ہونا۔"

"تمہاری رخصتی؟" میں قصداً انجان بن گئی۔

"ہاں میں امریکہ جا رہا ہوں۔"

"کیوں؟"

"بس۔" وہ اسی قدر کہہ کر الماری کی طرف بڑھ گیا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس سلسلے میں مزید کچھ نہیں کہنا چاہتا اور میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اس سے رکنے کی بات کیسے اور کیونکر کہوں۔ گو کہ یہ ایسا مشکل نہیں تھا لیکن اگر اس نے پوچھ لیا کہ تم کس ناتے سے روک رہی ہو یا اپنا جانا مجھ سے منسوب کر دیا تو میں کیا کروں گی۔ میں عجیب شش و پنج میں کھڑی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ الماری بند کر کے پلٹا تو مجھے یوں دیکھا جیسے تم گئیں نہیں میں سمجھ کر سٹپٹا گئی۔

"وہ...... میں یہ مگ لینے آئی تھی، بہت چائے پینے لگے ہو تم۔"

"اصل بات کہو رومیلہ! کیا کہنے آئی ہو؟" وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر میرے مقابل کھڑا ہو گیا تو میں بہت ہمت کر کے بولی تھی۔

"تمہیں تائی اماں کا ذرا خیال نہیں ہے۔ اس بڑھاپے میں تم انہیں چھوڑ کر جا رہے ہو۔ وہ بے چاری اتنی پریشان ہیں۔"

"ایک وہی پریشان ہیں اور سب تو خوش ہیں ناں۔" اس نے کہا تو میں بے اختیار فوراً بولی تھی۔

"نہیں، کوئی بھی خوش نہیں ہے۔"

"تم، تم بھی نہیں۔" اس نے براہ راست میری آنکھوں میں دیکھا تو میں اندر ہی اندر جز بز ہو کر بولی۔

"مجھے تائی اماں کا خیال ہے۔"

"اور مجھے تمہارا۔" وہ کہہ کر رکا نہیں، فوراً پلٹ کر کمرے سے نکلتا گیا تو میں کچھ دیر اس کے پیچھے دیکھتی رہی، پھر سر جھٹک کر ٹرے اٹھانے لگی تھی کہ سامنے اس کی کھلی ڈائری پر نظر پڑی۔ پہلے جملے نے ہی مجھے کچھ متجسس کر دیا تھا۔

"رومیلہ سے مجھے ایسی حماقت کی توقع ہرگز نہیں تھی۔"

"اور آگے پڑھنے کے شوق میں، میں نے ٹرے اٹھا کر ڈائری پر رکھی اور پھر ڈائری سمیت اٹھا کر اس کے کمرے سے نکل آئی۔ میرا خیال تھا میں کچن میں ہی کھڑے کھڑے سب پڑھ لوں گی اور پھر واپس اس کے کمرے میں رکھ آؤں گی لیکن شادی کا گھر تھا اس قدر افراتفری تھی کہ مجھے کہیں جگہ نہیں ملی۔ ادھر امی بھی پکار رہی تھیں۔ میں کمرے میں آئی تو پہلے ڈائری اپنے بیگ میں کپڑوں کے نیچے چھپا دی کیونکہ مجھے یہ ڈر بھی تھا کہ اگر اس نے کہیں ادھر ادھر دیکھ لی تو سارے گھر میں ہنگامہ کھڑا کر دے گا۔"

"اس کے بعد میں ایسی مصروف ہوئی کہ ڈائری کی طرف دھیان ہی نہیں گیا جو میں پڑھتی یا واپس اس کے کمرے میں ہی رکھ آتی۔"

☆

اگلے روز کرن رخصت ہو گئی تو میں نے بھی اپنا سامان تیار کر لیا۔ امی نے بہت کہا کہ میں دو چار دن اور رک کر شادی کی تھکان یہیں اتار لوں، لیکن اب معظم نے ہی مجھے اشارے سے منع کر دیا اس لئے میں امی سے پھر آنے کا کہہ کر اپنے گھر آ گئی۔

"سنو، خرم نے کچھ کہا تو نہیں تم سے۔ میرا مطلب ہے پریشان تو نہیں کیا۔" میں بچوں کو سلا کر اپنی جگہ پر آئی تو معظم پوچھنے لگے۔ بہت سادہ انداز تھا ان کا اور میں نے بھی صاف گوئی

سے جواب دیا۔

”بالکل نہیں۔ اتنے دنوں میں میرا اس سے صرف ایک بار سامنا ہوا تھا اور اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ اگر کرتا بھی تو اب میں کیوں پریشان ہوتی بھلا۔“

”ہوں۔“ معظم اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرائے۔

”آپ کو پتا ہے، وہ کل امریکہ جا رہا ہے۔“

”ہاں بتا تو رہا تھا کہ اپنی فرم کی طرف سے ٹریننگ پر جا رہا ہے۔ چھ مہینے یا ایک سال کے لئے۔“

”انہوں نے بتایا تو مجھے حیرت ہوئی کیونکہ گھر والوں کو اس نے چھ مہینے یا سال کا نہیں کہا تھا بلکہ ہمیشہ کے لئے۔ اسی لئے تو سب پریشان تھے۔ اب پتا نہیں اس نے گھر والوں سے جھوٹ بولا تھا یا معظم سے۔ میں نے بہرحال اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور موضوع بدل کر شوبی کو سکول داخل کرانے کی بات کرنے لگی تھی۔“

”شوبی تین سال کا ہو گیا تھا اور میں چاہتی تھی اسے کسی اچھے سکول میں داخل کراؤں اور معظم میری بات سے متفق تو تھے لیکن انہوں نے یہ بھی کہا کہ ایک سال کے لئے قریبی مونٹیسوری میں داخل کرانا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اتنے چھوٹے بچے کو اتنی دور بھیجنا اس کے ساتھ زیادتی ہو گی اور مجھے ان کی بات ٹھیک لگی تھی۔“

”اگلے روز معظم کے جانے کے بعد میں نے قریبی سکول لے جانے کے لئے پہلے شوبی کو تیار کیا پھر خود بھی تیار ہو گئی اور گڑیا کو ملازم کے حوالے کر کے نکلنے لگی تھی کہ ملازم نے پکار کر فون کا بتایا۔“

”آپ یہیں بیٹھو بیٹا! میں ابھی آتی ہوں۔“ میں شوبی کو برآمدے میں بٹھا کر لابی میں آ گئی

”ہیلو۔“

”سوری، میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا۔“ دوسری طرف خرم جاوید تھا۔

”نہیں، تم کہو کیا بات ہے؟“ میں نے سیدھے سادھے انداز میں پوچھا۔

”وہ، میں آج جا رہا ہوں ناں سوچا تمہیں خدا حافظ کہہ دوں اور معافی بھی مانگ لوں۔ آئی ایم سوری رومیلہ میں نے تمہیں بہت تنگ کیا۔“ اس کے لہجے میں ندامت کے ساتھ آزردگی بھی تھی، جسے محسوس کر کے بھی مجھے اس سے ذرا برابر ہمدردی محسوس نہیں ہوئی، پھر بھی میں نے اس پر کچھ جتایا نہیں۔

”سب بھول جاؤ خرم! مجھے اب تم سے کوئی گلہ نہیں ہے۔“

”سچ کہہ رہی ہو۔“

”ہاں۔“

”تھینک یو رومیلہ۔ میں ہمیشہ یہ دعا کرتا رہوں گا کہ تم اپنے گھر میں بہت خوش رہو۔“ اس نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا تو میں بے ساختہ مسکرائی تھی۔

”پھر شوبی کو سکول داخل کیا تو کتنے دن مجھے اس نئی روٹین کو سیٹ کرنے میں لگ گئے۔ صبح بہت جلدی اٹھنا اور شوبی کے لئے ناشتے کے ساتھ لنچ باکس تیار کرنا پھر اسے سکول چھوڑنے جانا اور گیارہ بجے واپس لانا۔ شروع میں مجھے بہت مشکل ہوئی پھر آہستہ آہستہ عادت ہو گئی تو ہر کام آرام سے ہو جاتا۔ اس نئی روٹین کے ساتھ زندگی پھر معمول پر آ گئی تو مجھے پہلا خیال کرن کا آیا جس کی شادی کے بعد سے میں اس نئی مصروفیت میں یوں پھنسی تھی کہ اس نوبیاہتا جوڑے کو خاص طور سے اپنے ہاں انوائٹ نہیں کیا تھا جو کہ ہمارے ہاں کا رواج تھا۔ اسی رات میں نے معظم سے ذکر کیا تو وہ الٹا مجھے سخت سست کہنے لگے۔“

”یہ تو بہت غلط بات ہے۔ سب سے پہلے تمہیں اس کی دعوت کرنی چاہئے تھی۔ کیا سوچتی ہو گی وہ کہ اپنی بہن نے نہیں بلایا۔“

”میں کیا کروں۔ شوبی کے سکول کے چکر میں پھنسی رہی۔ بہرحال اب آپ بتائیں، کب بلاؤں؟“

”میری طرف سے ابھی بلا لو۔“

”ٹھیک ہے، میں ابھی فون کر کے کل رات کے کھانے کا کہہ دیتی ہوں۔“ میں نے اجازت ملتے ہی اسی وقت پروگرام سیٹ کر لیا تھا۔

☆

”اگلے روز کرن اپنے شوہر عمران کے ساتھ آئی تو میں اسے دیکھتی رہ گئی۔ اتنی کھلی کھلی، اتنی شاداب جیسے گلابوں کا روپ چرا لائی تھی۔“

”بھئی، نظر نہیں لگنی چاہئے میری بیوی کو۔“

”عمران نے مجھے مبہوت دیکھ کر شرارت سے ٹوکا تو میں چونکی پھر بڑھ کر ان کو گلے لگا کر بولی۔“

”ماشاء اللہ، تم تو پہچانی ہی نہیں جا رہیں۔“

''اب تو مان لو کہ میری محبت نے تمہیں سراپا بدل ڈالا ہے۔'' عمران نے کرن سے کہا تو وہ اترا کر بولی۔

''جی نہیں۔ میں شروع سے ایسی ہوں ہے نا رومیلہ؟''

''ہاں۔'' میں ہنسی۔

''یہ فاؤل ہے۔'' عمران نے احتجاج کیا۔ تب ہی معظم آگئے تو انہیں دیکھ کر وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا، لیکن یہ سنجیدگی تھوڑی دیر کی تھی۔ جب باتوں کا سلسلہ چلا تو وہ پھر اسی موڈ میں آگیا تھا۔ یوں رات تک میرے گھر میں خاصی رونق رہی۔ میں بہت خوش تھی اور اپنے گھر میں آج پہلی بار اس چھوٹی سی دعوت کو بھی بہت انجوائے کر رہی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے میرا عالم یہ ہوتا تھا کہ بس سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جانے کو دل چاہتا تھا۔ بہت اکتائی ہوئی اور بیزار سی مہمانوں کو اٹینڈ کرتی تھی کیونکہ میرا ذہن ہر وقت ماضی میں بھٹکتا رہتا تھا۔ گم گشتہ محبت میں کھو کر اصل زندگی کی خوبصورتیاں مجھے نظر ہی نہیں آتی تھیں۔ لیکن اب میں نے اصل زندگی کو پالیا تھا جب ہی بات بے بات کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔

''مجھے آج معلوم ہوا ہے کہ تمہاری ہنسی کتنی خوبصورت ہے۔'' جب میں سونے کے لئے اپنی جگہ پر آکر لیٹی تو معظم میرا رخ اپنی طرف موڑتے ہوئے بولے۔

''کتنی؟'' میں مسکرائی۔

''اتنی۔'' وہ مجھ پر جھک گئے تھے۔

''اگلے روز جب میں شوبی کو سکول چھوڑ کر آگئی، تب معظم نے بتایا کہ انہیں ایک سیمینار میں شرکت کے لئے اسلام آباد جانا ہے۔''

''کب؟''

''آج ہی گیارہ بجے میری فلائٹ ہے۔ تم جلدی سے ناشتہ کر کے میرا بیگ تیار کر دو۔'' انہوں نے کہا تو میں ان سے الجھ گئی۔

''آپ نے رات میں کیوں نہیں بتایا۔''

''رات میں تم تھک بہت گئی تھیں اور پھر میری کوئی لمبی چوڑی تیاری تو نہیں کرنی۔ بس دو سوٹ بیگ میں ڈال دینا۔ بلکہ جاؤ تم یہی کام کرو، ناشتہ میں بناتا ہوں۔'' وہ مجھے کمرے کی طرف دھکیل کر خود کچن میں چلے گئے۔

''میں نے الماری میں سے بیگ نکال کر خالی کیا تو آخر میں وہ ڈائری ہاتھ آگئی جو میں

خرم کے کمرے سے لائی تھی اور اس تمام عرصے میں ایک بار بھی مجھے اس کا خیال نہیں آیا تھا اور ابھی اسے دیکھ کر پہلے مجھے افسوس ہوا کہ میں نے واپس اس کے کمرے میں کیوں نہیں رکھی پھر یہ سوچ کر کہ کہیں اس میں ایسی کوئی بات نہ ہو جو معظم کو ناگوار گزرے، میں نے اسے الماری میں ڈال دیا اور بیگ میں معظم کے دو سوٹ اور دوسری چیزیں رکھ کر کمرے سے نکل آئی۔ لیکن اب وہ ڈائری میرے ذہن پر سوار ہو چکی تھی۔ جب ہی میں معظم کے جانے کا انتظار کرنے لگی اور وہ تقریباً دس بجے گھر سے نکلے تھے۔ ان کے جاتے ہی میں نے کچھ چھوٹے موٹے کام نمٹائے پھر گیارہ بجے شوبی کو لے کر آئی تو کچھ وقت دونوں بچوں کے ساتھ گزر گیا۔ میں جتنا چاہ رہی تھی کہ دونوں سو جائیں وہ اسی قدر شرارت پر آمادہ تھے اور وہی ایک بجے اپنے وقت پر سوئے تھے۔ اس کے بعد مجھ سے ایک لحہ صبر نہیں ہوا۔ فوراً اپنے کمرے میں آکر ڈائری نکال لی تھی۔ حالانکہ اب مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہونی چاہئے تھی کیونکہ میں عہد رفتہ سے ناتا توڑ کر اب بہت خوش اور مطمئن تھی، لیکن یہی انسانی فطرت ہے کہ بہت زیادہ خوشی اور طمانیت میسر آجائے تب ہی وہ کسی ان دیکھی، ان جانی چیز کا متلاشی رہتا ہے اور گو کہ میرے لئے یہ ان دیکھی انجانی نہیں تھی۔ یقیناً وہی ساری باتیں ہوں گی، جو میں سوچا کرتی تھی اور جن کی اب میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی۔ پھر بھی ایک تجسس تھا کہ اس نے کیا لکھا ہے اور اسی تجسس نے مجھے گرد و پیش سے بے گانہ کر دیا تھا۔''

''شروع کے صفحات میں واقعی وہی ساری باتیں تھیں۔''

''اس کا رعب جمانا اور میرا خائف ہونا، ڈرنا۔''

''میری محبت کا اعتراف اور اس کا مذاق اڑانا۔''

''پھر اس کا میری محبت پر ایمان لا کر اپنا پابند کر جانا۔''

''اس کے بعد اس نے اپنے امریکہ میں پانچ سالوں کا احوال لکھا تھا تو شروع میں ہر صفحے کے اختتام پر یہ جملہ تھا۔''

''میں جسے اپنے انتظار میں چھوڑ آیا ہوں، میں بس اسی کا ہوں کیونکہ مجھے یقین ہے، وہ آخری سانسوں تک میرا انتظار کرے گی۔''

''پھر جب اسے میری شادی کی اطلاع ملی تھی، اس کے بعد اس کی محبت میں انتقامی جذبہ شامل ہو گیا تھا جو اس کے حرف حرف سے جھلک رہا تھا اور حقیقتاً اسے پڑھتے ہوئے ابھی بھی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ ایک جگہ تو اس نے لکھا تھا کہ۔''

''میں اس بے وفائی کی اسے وہ سزا دوں گا کہ اس کی ہر سانس موت پکارتی رہے

گی اور اسے موت بھی نہیں آئے گی۔"

"اف خرم جاوید۔" میں نے جھرجھری لے کر ڈائری بند کی اور پھر بہت دیر بعد دوبارہ کھولی تھی۔

"انتقام کی آگ میں جلتا ہوا وہ پاکستان آیا تھا اور دوسرے دن میرے پاس۔ وہی ساری باتیں تھیں جو وہ یہاں مجھ سے کہہ گیا تھا۔ اس کے بعد لکھا تھا۔"

"میں ایک پل اسے چین سے نہیں رہنے دوں گا اور اس کے لئے مجھے کچھ زیادہ نہیں کہنا۔ بس ایک بات کافی ہے کہ میں تمہارے شوہر سے ملنا چاہتا ہوں اور وہ اتنی ڈرپوک ہے کہ سارا وقت اسے یہی دھڑکا لگا رہے گا کہ کہیں میں معظم سے کہہ نہ دوں۔ بے وقوف۔ ہاں جتنی ڈرپوک اتنی ہی بے وقوف بھی ہے۔ یہ کبھی نہیں سوچے گی کہ معظم سے کہہ کر خود میری کتنی ذلت ہوگی جو میں ہرگز ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔ بہرحال اس کی بے وقوفی پر مجھے پیار آرہا ہے اور ابھی میں پھر اسے فون کرنے جارہا ہوں۔"

"کیسی ہو رومیلہ؟" میں نے پوچھا تو ادھر سے وہ سلگ کر بولی تھی۔

"تمہیں کیا، جیسی بھی ہوں اور خبردار جو آئندہ یہاں فون کیا تو۔"

"ٹھیک ہے فون نہیں کروں گا، خود آجاؤں گا۔"

"میں نے اسے مزید سلگایا۔"

"نہیں تم یہاں بھی نہیں آؤ گے۔"

"پھر تم آجاؤ۔" مجھے بہت مزہ آرہا تھا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"تمہارے شوہر نامدار سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے گویا اس کی نیندیں چرالی تھیں۔

"کیوں، کیوں؟" وہ کس قدر خوفزدہ تھی۔

"اس سے کہوں گا، میری چیز واپس کردو۔" مجھے یہ کہتے ہوئے خود ہی ہنسی آئی اور میں اس کے جواب کا منتظر تھا لیکن پیچھے سے مردانہ آواز آئی تھی۔

"کس کا فون ہے؟" وہ یقیناً معظم تھا۔ پھر میں نے ریسیور گرنے کی آواز سنی، اس کے بعد وہ چیخ رہی تھی۔

"نہیں، نہیں معظم! آپ اس کی بات نہیں سنیں گے۔ میں آپ کو بتاؤں گی سب سچ سچ۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا، یہ مجھے تباہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ خرم جاوید۔"

"او گاڈ!" میں نے فوراً فون رکھ دیا۔ "کس قدر احمق لڑکی ہے ضرور بتا دے گی معظم کو اور پھر ساری زندگی روتی رہے گی۔"

"تم بھی تو یہی چاہتے ہو خرم جاوید" جانے کس کی آواز تھی، شاید میرے اندر سے آئی تھی۔

"ہاں، نہیں۔ ہاں، نہیں۔" میں پریشان ہوگیا کیونکہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ اور میں ایسا نہیں چاہتا رومیلہ۔

"بے شک میں تمہیں ساری زندگی تنگ کرتا رہوں لیکن تم اپنے شوہر کی نظروں میں گر جاؤ۔ یہ مجھے ہرگز گوارا نہیں ہے۔"

"خدا کی قسم جب تک میں تمہیں تمہارا اصل مقام نہ دلا دوں چین سے نہیں رہوں گا۔"

اس رات کے اختتام پر میں نے قسم کھائی تھی۔ کیونکہ میں اپنی محبت کو کسی دوسرے کے ہاتھوں ذلیل ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"اور پھر مجھے یہی سمجھ میں آیا کہ میں مسلسل اسے ڈرانے دھمکانے لگا حالانکہ میں جان گیا تھا کہ اس نے معظم کے سامنے اپنی کتاب ماضی کے تمام اوراق الٹ دیئے ہیں۔ خود اس نے بھی اعتراف کیا اور مجھے یقین دلانے کی کوشش کی، لیکن میں اسے جھٹلاتا رہا کیونکہ وہ معظم کی ذات پر پردے ڈال رہی تھی اور اسے بہت اعلیٰ ظرف ثابت کررہی تھی کہ اس کے نزدیک ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ سراسر جھوٹ تھا اور میں اس جھوٹ کو سچ کرنا چاہتا تھا اور یہ اسی طرح ممکن تھا کہ میں رومیلہ کو عاجز کرکے رکھ دوں اور اس مقام پر لے آؤں جہاں معظم خود اسے حوصلہ دینے لگے اور اپنی ذات کا مان دے کر کہے کہ میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"اور وہی ہوا۔ وہ بہرحال اس کا شوہر ہے۔ بھلا یہ کہاں گوارا کرسکتا تھا کہ میں ہر وقت رومیلہ کے حواسوں پر چھایا رہوں۔ اس نے نہ صرف اسے حوصلہ دیا، بلکہ مکمل طور پر میرے شکنجے سے نکالنے کی خاطر آج اسے میرے پاس لے آیا تھا۔ اس کے سامنے مجھے متنبہ کیا تو میں نے دیکھا، رومیلہ کی آنکھوں سے خوف کی پرچھائیاں یک لخت رخصت ہوگئی تھیں۔"

"اور پھر رومیلہ یقیناً مطمئن ہوگئی لیکن معظم ......"

"اور معظم کو مطمئن کرنے کے لئے میں یہاں سے جارہا ہوں، لیکن میں پھر آؤں گا کیونکہ میری محبت مجھے بے چین رکھے گی۔ میں کہیں بھی رہوں، یہ درد میرے ساتھ ہوگا۔ بڑا کیف آگیں ہے یہ درد۔ مجھے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز اور جب ذرا اس میں کمی آنے لگے گی۔ میں لوٹ آؤں گا کیونکہ مجھے یقین ہے، اسے دیکھ کر اس درد کی شدتیں اور بڑھ جائیں گی

اور پھر میں......"

"آگے صفحہ خالی تھا۔ میں نے بڑی بے قراری سے اگلے تمام صفحات دیکھ ڈالے اور پھر مایوس ہو کر ڈائری سینے پر الٹ دی۔ میری آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے تھے اور سینے میں ہلکا ہلکا درد کروٹیں لینے لگا تھا۔ وہی درد جو وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا۔"

"پتا نہیں معظم اب میری بے زاریوں، اکتاہٹوں اور خاموشیوں کو کیا نام دیں گے...... مجھے اس کی پرواہ تو تھی۔ لیکن میں کیا کروں، چاہوں بھی تو اس درد سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتی جو مجھے اسی مقام پر لے آیا تھا جہاں سے میں چلی تھی۔"